مقالات سیرت نبوی ﷺ

پہلی سہ روزہ بین الاقوامی سیرت کانفرنس
منعقدہ 11-13 فروری 2000ء

مرتب

پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر

سیرت چیئر
اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

حصہ دوّم

پہلی سہ روزہ بین الاقوامی سیرت کانفرنس

منعقدہ ۱۱-۱۳ فروری ۲۰۰۰ء

مرتب: پروفیسر ڈاکٹر عبد الرؤف ظفر

زیر اہتمام

سیرت چیئر، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

سلسلہ اشاعت نمبر 9

اشاعت .... اوّل 2005ء

تعداد .... ایک ہزار

ناشر .... اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

زیر اہتمام .... سیرت چیئر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور
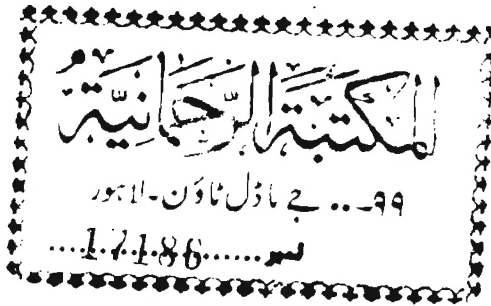
حصّہ دوم

نمبر شمار	تفصیل مقالہ جات		صفحہ نمبر

(ج) جنوبی ایشیا میں سیرت نگاری کا تنقیدی جائزہ

(د) سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور عصر حاضر کے تقاضے

جنوبی ایشیا میں سیرت نگاری

کا تنقیدی جائزہ

بلوچستان میں اردو سیرت نگاری کا ارتقاء

(نثری سیرت نگاری)

* پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق کوثر

کلیات محمد حسن براہوئی (م ۱۲۷۲ھ/ ۵۶۔۱۸۵۵)

دیوان کی تکمیل ۱۸۴۷ء میں ہوئی) مرتبہ: ڈاکٹر انعام الحق کوثر: طبع اول دسمبر ۱۹۷۶ء لاہور، طبع دوم اپریل ۱۹۹۷ء کوئٹہ۔ ناشر سیرت اکادمی بلوچستان (رجسٹرڈ) مکتبہ شال کوئٹہ صفحات ۹۰ پیش لفظ ڈاکٹر جمیل جالبی، مقدمہ ڈاکٹر انعام الحق کوثر۔ آغاز میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی ستائش، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور پھر آل واصحاب کا ذکر خیر ہے۔

تاریخ اسلام:

مولف: سہگل محمد خان جسکانی، مطبوعہ اسلامیہ پریس کوئٹہ ناشر: اقبال سٹیشنری مارٹ کوئٹہ ۱۹۵۱ء صفحات ۸۰۔ حصہ اول دس ابواب پر مشتمل ہے دوسرا اور تیسرا باب حضور پاک سرور کائنات ﷺ سے متعلق ہے۔

مختصر تاریخ اسلام:

مؤلف: چودھری محمود خان، مطبوعہ اسلامیہ الیکٹرک پریس کوئٹہ ناشر: اقبال سٹیشنری مارٹ کوئٹہ ۱۹۵۱ء صفحات ۷۲۔ سوال وجواب کے انداز پر مرتب کی گئی ہے۔ اس میں عرب قبل از اسلام، عہد اسلام، عہد اسلام خلافت راشدہ، عہد بنی امیہ، حادثہ کربلا، عہد بنی عباس اور صلیبی جنگیں شامل ہیں۔

دین کی باتیں (حصہ سوم):

مولف: مولانا عبدالشکور طوروی (المتوفی جون ۱۹۸۰ء) زیر اہتمام اسلامیہ پریس کوئٹہ، ناشر مؤلف ۱۹۵۱ء صفحات ۶۶ کتابت وطباعت نہایت عمدہ۔ کتاب کے سرورق پر دین کی باتیں حصہ سوم یعنی معجزات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تحریر ہے۔

---

* ۲۷۲، اے۔ او بلاک iii سٹیلائٹ ٹاؤن، کوئٹہ

اس میں چیدہ چیدہ معجزات (جیسے شق القمر، ستون حنانہ کا رونا، درختوں سے سلام کی آواز، پہاڑ کا ہلنا، اشارہ سے بتوں کا گرنا، جانور کا سجدہ کرنا، جانور کا خدمت اقدس میں شکایت کرنا، گھوڑوں کے پاؤں زمین میں دھنس جانا، شیر خدا (کرم اللہ وجہہ) کی آنکھوں کا اچھا ہونا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی جاری ہونا، دودھ کے پیالہ میں برکت وغیرہ) مع پیش گوئیاں (مثلاً معرکہ بدر سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان میں صحابہ کو مختلف جگہیں بتائیں جہاں جہاں کافر مارے جانے والے تھے) اور واقع معراج نہایت آسان اور دلچسپ پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں۔

دین کی باتیں (حصہ چہارم): مولف: مولانا عبد الشکور طوروی۔ بلوچستان پریس زیر اہتمام اسلامیہ پریس کوئٹہ میں چھپا، مولف نے اسے جامع مسجد کوئٹہ سے شائع کیا۔ ۱۹۵۱ء صفحات ۸۰۔ یہ حصہ غزوات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر مبنی ہے۔ اس میں چیدہ چیدہ اسلامی جنگوں کا ذکر ہے جن میں سرور کونین صلی اللہ علی وسلم نے بنفس نفیس شرکت فرمائی۔ انداز بیان اتنا دلکش اور متاثر کن ہے کہ اس کے مطالعہ سے جوش ایمانی میں اضافہ اور شوق شہادت دو چند ہو جاتا ہے۔

دینیات: مرتبہ: مولانا عبد العزیز، مولانا عبد الشکور طوروی، ناشر: سلیم بکڈپو شارع لیاقت کوئٹہ ۱۹۶۱ء صفحات ۱۲۸، کتابت وچھپائی نہایت عمدہ اس میں پندرھواں سبق تا اکیسواں سبق سیرت النبی ﷺ پر مبنی ہے۔ مؤلفین کا انداز نہایت دلکش اور دلپذیر زبان عام فہم ہے۔ مشکل الفاظ کے استعمال سے اجتناب برتا گیا ہے۔

ظفر اسلامیات: مؤلف نامعلوم، ناشر، سلیم بک ڈپو شارع لیاقت کوئٹہ، سن اشاعت ندارد۔ صفحات ۵۳۔ اس کا چھٹا سبق سیرت النبی ﷺ اور نواں نبی کریم ﷺ کے ارشادات عالیہ (جیسے کسی بھائی کی حاجت براری کرنے والا ایسا ہے کہ گویا تمام عمر خدا کی خدمت میں گزار دی۔ پڑوسی کو ستانے والا دوزخی ہے۔ اگر چہ تمام رات عبادت کرے اور تمام دن روزہ دار رہے۔ جو کام سب سے زیادہ سبب مغفرت ہوگا وہ کشادہ روئی اور شیریں زبانی ہے۔) پر مشتمل ہے۔

شجرۃ الاصول فی حدیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم (اردو)

مولف: مولانا ثناء اللہ بھاگوی مطبع یور پرنٹر سکھر، ناشر مدرسہ عربیہ دار العلوم بھاگ بلوچستان، سن

اشاعت: ندارد' صفحات ۱۶' کتابت مولف نے خود کی ہے۔ اس کتابچہ میں علم اصول حدیث کی اصطلاحات' حدیث کی تقسیم وغیرہ کا بیان ہے۔ اصول حدیث کی تعریف یوں کی گئی ہے۔ ''علم اصول حدیث وہ علم ہے جس کے ذریعہ حدیث کے احوال معلوم کئے جائیں۔ اصول حدیث کی غرض کے تحت لکھتے ہیں کہ علم اصول حدیث کی غایت یہ ہے کہ حدیث کے احوال معلوم کر کے مقبول پر عمل کیا جائے۔ اور غیر مقبول سے بچا جائے یوں تو چھوٹی سی کتاب ہے مگر اچھی خاصی معلومات کا ذخیرہ ہے۔ علم حدیث کے مبتدین کو ایک ہی نشست میں حدیث کی اصطلاحات سے واقفیت ہو جاتی ہے۔

حیات طیبہ مبارکہ حضرت جناب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم: مولف: مولانا محمد خیر الدین'

مطبوعہ: جنگ پرنٹنگ پریس کوئٹہ مولف نے اسے سنہری مسجد کوئٹہ سے شائع کیا۔ صفر المظفر ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء' صفحات ۴۸۔ کتاب کے آغاز میں قرآن مجید کی ان آیات مبارکہ کا حوالہ دیا گیا ہے جو سرور کائنات ﷺ کی شان میں اتری ہیں۔ ان آیات کریمہ کا اردو ترجمہ بھی شامل کیا گیا ہے۔ ابتداء اس آیت مبارکہ سے ہوتی ہے:

ترجمہ ''اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ ﷺ کو ایک سچا دین دے کر خلق کی طرف بھیجا ہے کہ ماننے والوں کو خوشخبری سناتے رہئے اور نہ ماننے والوں کو سزا سے ڈراتے رہئے اور آپ سے دوزخ جانے والوں کی باز پرس نہ ہوگی۔''

وصال مبارک صلی اللہ علیہ وسلم پر زیادہ مواد موجود ہے۔ علاوہ ازیں صحابہ کرام کی توقیر کے سلسلے میں کئی احادیث شامل کی گئی ہیں۔

فلسفہ معجزات:

مولانا قاری محمد طیب' تقریر' جامع مسجد کوئٹہ ۳ جون ۱۹۶۲ء بروز اتوار صبح پونے دس بجے سے سوا بارہ بجے تک۔ مرتب: مولوی نور النبی خطیب جامع مسجد چلتن مارکیٹ و مدرس اسلامیہ ہائی سکول کوئٹہ۔ ویسٹ پنجاب پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر کوئٹہ سے شائع کیا۔ صفحات ۹۱

کتاب میں حکیمانہ انداز میں دلائل عقلیہ سے معجزات کا وجود ان کی حکمت' معجزات اور سائنس کا

باہمی تعلق اور انبیاء کے لئے معجزات کیوں ضروری ہیں؟ یہ سب فصیح و بلیغ انداز میں فکر کی گہرائی اور گیرائی اور علم کی وسعت سے بیان ہوئے ہیں۔ کتاب میں اصل مضمون کے علاوہ ضمناً دوسرے مضامین بھی آئے ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زہد و تقویٰ پر زیادہ زور ہے۔

دین و دنیا (قلمی):

مرتب: بلوچستان کے نامی گرامی صحافی' اور تحریک پاکستان کے نامور رہنما مولانا عبدالکریم (المتوفی ۱۹۶۹ء) پر ان چالیس تقریروں کا مجموعہ ہے۔ جو مولانا عبدالکریم نے کوئٹہ میں ریڈیو سٹیشن کے قیام کے آغاز یعنی ۱۹۵۶ء سے لے کر ۶۷۔۱۹۶۶ء تک مختلف اوقات میں نشر کیں۔ ان میں سے بعض کے عنوانات یہ ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منتظم کی حیثیت سے' اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم' سادگی اور بے تکلفی کا پہلو کا سبق ملا ہے یہ معراج مصطفیٰ سے مجھے عید میلا دالنبی' حضور کی مقدس زندگی مسلسل جہاد رہی' حضور کریم کی عید' شب معراج کی اہمیت' حضور پاک صلی اللہ وسلم کی حیات طیبہ' اخلاق نبوی (عدل و انصاف) وغیرہ۔ انداز نگارش شستہ توانا اور دلپذیر ہے۔ ''دین و دنیا'' کا دیباچہ کے جی علی سابق ڈائریکٹر ریڈیو پاکستان کوئٹہ نے لکھا ہے۔ جبکہ نذرانہ عقیدت کے عنوان سے عبدالصمد درانی اور ''بلوچستان میں تحریک پاکستان کا پہلا نقیب'' کے تحت فضل احمد غازی نے خامہ فرسائی کی ہے۔

نفسیات سب کے لئے:

مولف: محمد اقبال سلمان' ناشر مکتبہ جدید لاہور ۱۹۶۵ ات صفحات ۱۳۳۔ محمد اقبال سلمان نے اپنی کتابوں میں نبی اکرم سرور کائنات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ سے برمحل مثالیں دی ہیں۔

پیغمبر عالم ﷺ:

تقریر از مولانا عبدالشکور دین پوری' کوئٹہ ۱۹۶۷ء مرتب حافظ محمد صابر علی اختر انبالوی' جامع مسجد جنرل پوسٹ آفس کوئٹہ' تاریخ اشاعت: ۲۳ جمادی الثانی ۱۳۸۷ھ/ ۲۸ ستمبر ۱۹۶۷ء' صفحات: ۱۶

اس کے بارے میں مولانا محمد عبدالقادر آزاد جنرل سیکرٹری اسلامی مشن رجسٹرڈ پاکستان بہاولپور تحریر کرتے ہیں۔ ''کتابچہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ نوخیز' نوطرز خطیب اسلام حضرت مولانا عبدالشکور

صاحب دین پوری کی شعلہ افشاں تقریر کی ایک جھلک ہے' دیکھی ۔ چونکہ ان کا طرز تقریر کسی تعارف کا محتاج نہیں' سمندر کی طغیانی' ہوا کے لطیف جھونکے' شیروں کی گرج' صوفیوں کا مذاق عارفانہ تمام ہی بیان میں موجود ہے۔" اس دلپذیر تقریر کے پڑھنے سے محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوچند ہو جاتی ہے۔

کاشانہ وحدت: مرتب: خان محمد سرور خان' البلاغ پریس ۱۱۹ سرکلر روڈ بیرون شاہ عالم گیٹ لاہور میں چھپی اور مولف نے اسے کوئٹہ سے شائع کیا ۱۹۶۱ء صفحات ۱۸۴۔ اس میں باب دوم سرور کائنات سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وقف ہے۔

طب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم:

مولف: دولت علی نقشبندی' مطبوعہ بولان مسلم پریس جناح روڈ کوئٹہ' ناشر خود مولف' سن اشاعت ندارد۔

اس کتاب کے شروع میں مندرج ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کلونجی میں موت کے سوا ہر مرض کی دوا ہے بعد ازاں مولف نے مختلف بیماریوں میں کلونجی کا استعمال بیان کر کے لکھا ہے کہ یہ ایک مقوی دوا ہے۔ خون کو صاف کرتی ہے۔ بلغمی امراض میں مفید ہے۔ گردہ مثانہ کی پتھری کو خارج کرتی ہے۔ دماغی امراض میں مفید ہے۔

چہل حدیث (مترجم اردو):

مولانا غلام اللہ خارانی' ناشر: مولانا احتشام الحق آسیا آبادی جامعہ رشیدیہ آسیا آباد تحصیل تمپ ضلع تربت مکران' سن اشاعت درج نہیں۔ چالیس حدیثوں کے مجموعے کئی زبانوں میں ترجموں کے ساتھ منظر عام پر آئے ہیں۔ خاران کے عالم دین مولانا غلام اللہ نے بڑے ذوق وشوق کے ساتھ چالیس احادیث مبارکہ مع اردو ترجمہ کو مرتب کیا ہے۔

شمشاد خراماں:

مولف نثار احمد محشر رسول نگری' ناشر: سجاد پبلی کیشنز ۱۹۰ آرٹ سکول روڈ کوئٹہ' مطبوعہ پاکستان پریس جناح روڈ کوئٹہ ۱۹۷۸ء صفحات ۱۴۵۔ اس میں محشر صاحب نے ایک مرد خدا مست ڈاکٹر شمس الدین شمشاد خلف الرشید مرزا لعل دین کے حالات قلمبند کئے ہیں۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم کا

اتباع کرتے ہوئے لوگوں کے دلوں کو پیار، ہمدردی اور حکمت سے موہ لیا۔ ان کے پاس جو مریض آتے وہ جسمانی دوا کے علاوہ روحانی دوا بھی لے جاتے۔ اس تذکرہ میں ہادی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ میں سے بعض واقعات کی جانب توجہ مبذول کرائی گئی ہے۔

درود شریف گنجینا (عربی/اردو)

اسے دولت علی نقشبندی نے چھپوایا۔ مطبع کا نام اور سن اشاعت ندارد، صرف ایک صفحہ پر مبنی۔

محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ پیغام محبت و انسانیت:

مصنفہ: بیگم ثاقبہ رحیم الدین ناشر: مصنفہ خود ہیں ۹ جامی روڈ، راولپنڈی کینٹ پہلا ایڈیشن اکتوبر ۱۹۸۱ء دوسرا ایڈیشن دسمبر ۱۹۹۰ء صفحات ۹۹

اس میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریب سعید میں نہ صرف کوئٹہ بلکہ پشین، نوشکی، مستونگ، سبی، چمن، زیارت، لورالائی، گوادر اور قلات کے دور دراز علاقوں سے خواتین شریک ہوئیں۔ اس میلاد شریف کی ترتیب کچھ یوں تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارک کو مختلف ادوار میں عمر اور واقعات کے اعتبار سے تقسیم کیا گیا۔ حمد و ثنا اور درود شریف کے کئی انداز تھے۔ جن میں جدید ممتاز اور نامور اہل قلم کی تخلیقات شامل تھیں۔ ہر مضمون کے عنوان سے نعت معنوی اعتبار سے منسلک تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک۔ بلوچستان میں:

مصنف: ڈاکٹر انعام الحق کوثر ناشر: اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور، اکتوبر ۱۹۸۳ء صفحات ۴۳۲۔

ترتیب: انتساب، آغاز سخن (پروفیسر انور رومان) حرف نیاز (انعام الحق کوثر)

باب اول (بلوچستان کا جغرافیائی اور تہذیبی پس منظر، اسلام کی آمد اور اس کے اثرات)

باب دوم (براہوئی کتب اور نعت گوئی) باب سوم (بلوچی کتب اور نعت گوئی)

باب چہارم (پشتو کے نعت گو شعراء) باب پنجم (فارسی گو شعراء کا نعتیہ کلام)

باب ششم (اردو نعت گوئی اور چند متعلقہ کتب)

باب ہفتم (بلوچستان میں نعتیہ مشاعرے، عید میلاد النبی کی تقریبات، تعلیمی اور دینی اداروں میں میلاد

کی تقریبات) اخبارات اور رسائل کے سیرت نمبر، ریڈیو ٹی وی پروگرام۔ اختتامیہ، ضمیمہ (بلوچستان میں موجود دینی مدارس، ضلع وار) کتابیات اس کتاب پر دسمبر ۱۹۸۴ء میں صدارتی ایوارڈ ملا۔ کتاب میں جن جن زبانوں کی نعت کے نمونے دیئے گئے ہیں۔ ان کے ساتھ ان کا اردو ترجمہ موجود ہے۔

نیکی کی کلیاں (i تا iii):

مولف: ڈاکٹر انعام الحق کوثر مطبوعہ پیکٹوریل پرنٹرز (پرائیویٹ) لمیٹڈ اسلام آباد، ناشر: ابلاغی اطلاعاتی سروس یونسیف اسلام آباد۔ ملنے کا پتہ سیرت اکادمی بلوچستان کوئٹہ ۱۹۹۱، ۱۹۹۲، ۱۹۹۳ء (تعداد ایک لاکھ کے قریب) صفحات ۲۴ تا ۳۲)

ان کی بنیاد حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ اور اسلام کے بڑے بڑے رہنماؤں کے سچے واقعات پر مبنی ہے۔ جن میں زیادہ تر اخلاقی پہلوؤں پر زور دیا گیا ہے مگر انداز بوریت کے ساتھ نصیحت کرنے والا نہیں بلکہ ان میں ایک خوبصورت اور دلچسپ کہانی بھی موجود ہے۔ الفاظ آسان اور عام فہم ہیں۔

کتاب نمبر i میں دوسری کہانی پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں ہے جس میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ سے ایسے واقعات بیان کئے گئے ہیں جن سے مساوات، خداترسی اور محنت کی عظمت اجاگر ہوتی ہے۔ ان کا انگریزی ترجمہ از پروفیسر انور رومان بعنوان Ever Blooming Virtues۔ ۱۹۹۷ء میں سیرت اکادمی بلوچستان (رجسٹرڈ) کوئٹہ نے یونیسف اسلام آباد کی معاونت سے شائع کیا ہے۔

بلوچستان میں دینی ادب (قلمی):

ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوئی، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء صفحات ۱۲۲۴۔ اس رسالہ دکتری کے ہر باب میں فارسی، اردو، پشتو، براہوی اور بلوچی کتب کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اس کے مندرجات ہیں

۱۔ عرض حال ۔۔۔ ۲۔ مقدمہ (تاریخ وجغرافیہ بلوچستان)

۳۔ باب اول تراجم وتفاسیر قرآن مجید ۔۔۔ ۴۔ باب دوم قرأت وتجوید

۵۔ باب سوم حدیث وشروح حدیث واصول حدیث وغیرہ ۶۔ باب چہارم فقہ و اصول فقہ و

میراث:

۷۔ باب پنجم فتاویٰ ۸۔ باب ششم سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۹۔ باب ہفتم تاریخ وتذکرہ ۱۰۔ باب ہشتم تصوف واخلاقیات، مواعظ خطبات

۱۱۔ باب نہم عقائد کلام مناظرہ وغیرہ ۱۲۔ باب دہم اوراد وظائف، عملیات وغیرہ

۱۳۔ باب یازدھم علم صرف ونحو فلسفہ منطق وغیرہ ۱۴۔ باب دوازادھم متفرقات

۱۵۔ اسمائے کتب ۱۶۔ مصنفین معہ تصانیف ۱۷۔ کتابیات

پشتو میں سیرت نگاری:

پروفیسر صاحبزادہ حمید اللہ، ناشر [نادر ٹریڈرز مستونگ مقام اشاعت: قلات پریس رستم جی لین کوئٹہ، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء صفحات ۲۰۴

عنوانات:

۱۔ پشتون اور اسلام ۲۔ سیرت پر پشتو کتب

۳۔ قلمی کتب سیرت ۴۔ نورنامہ

۵۔ تفسیر سورہ والضحیٰ و معجزات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۶۔ معجزات کبیر

۷۔ قصیدہ بردہ ۸۔ پشتو شعراء اور نعت گوئی

۹۔ قندہاری نعت گویان ۱۰۔ گلشن نوروز

۱۱۔ جدید نعت گویان ۱۲۔ مقالات سیرت ۱۳۔ کتابیات

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم: سیما گل مگسی ناشر: نارو ٹریڈرز مستونگ، ۱۹۸۹ء صفحات ۲۵

یہ کتاب عقیدت کے پھول، حضور پاک کی ابتدائی زندگی، حضور پاک کا بچوں کے ساتھ حسن سلوک اور اخلاق اور حضور پاک کی احادیث پر مشتمل ہے زبان و بیان سادہ اور اثر پذیر ہے۔

نجاشی کا دربار: شاہدہ بخاری، طابع فائن بکس پرنٹرز لاہور، ناشر: دعوۃ اکیڈمی اسلام آباد ۱۹۹۳ء صفحات ۱۶

یہ چار کہانیوں (۱) نجاشی کا دربار (۲) دنیا کی سچی خاتون حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا (۳)

عدل وانصاف۔ ہسپانیہ کے بادشاہ عبدالرحمٰن کا واقعہ (۴) حضرت ابوبکر صدیق کا ایثار پر مشتمل ہے۔ سیرت پاک ﷺ کا پرتو موجود ہے۔ کہانیاں سچے واقعات پر مبنی ہیں۔ انداز بیان سلیس، دلچسپ اور اثر انگیز ہے۔

سرور کائنات بحیثیت داعی امن واخوت:

ڈاکٹر انعام الحق کوثر، طابع 'ادرہ تحقیقات اسلامی پریس اسلام آباد' ناشر دعوت اکیڈمی بین الاقوامی اسلام یونیورسٹی اسلام آباد ۱۹۹۳ء صفحات ۲۰، سلسلہ کتاب نمبر ۱۶۳۔

اس میں صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے واقعات کے ذریعے بتایا گیا ہے کہ کس طرح ایسے وقت میں جب مسلمان اپنے دشمن پر ہر طرح غالب تھے لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار کو نیام میں رکھا اور زمین کو انسان کے خون سے رنگین ہونے سے بچا کر انسانیت کو امن کا درس دیا۔

اسلامی فلاحی مملکت چند عملی تجاویز:

ڈاکٹر انعام الحق کوثر، طابع ادارہ تحقیقات اسلامی پریس اسلام آباد، ناشر، دعوت اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد سن اشاعت ندارد صفحات ۲۵ سلسلہ کتاب نمبر ۱۷۱ اس میں ایک اسلامی مملکت کے خدوخال اجاگر کرنے کے لئے حیات طیبہ سے مختلف واقعات چن چن کر بیان کئے ہیں اور واضح کیا ہے کہ نظام مصطفیٰ کے اصولوں پر قائم ایک اسلامی فلاحی مملکت ہی ایک جدید ریاست کے تقاضوں کو پورا کر سکتی ہے۔

سیرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو:

ڈاکٹر انعام الحق کوثر، ناشر: سیرت اکادمی بلوچستان (رجسٹرڈ) مکتب شال، سٹیلائٹ ٹاؤن کوئٹہ ۱۹۹۳ء ۱۹۹۶ء (بمناسبت پاکستان گولڈن جوبلی) صفحات ۱۶۴

اس میں انتساب، پیش لفظ (پروفیسر ڈاکٹر سلطان الطاف علی) محسن انسانیت اور ہم پروفیسر محمد انور رومان) حرف عقیدت (مصنف) کے علاوہ گیارہ مضامین ہیں۔ تفصیل یوں ہے۔

۱۔ احترام بچہ　　　۲۔ رسول مقبول کی شخصیت تاجر کی حیثیت سے

۳۔ رسول اکرم کی حکمت، اصلاح معاشرہ کا ایک گوشہ عفو و درگزر

۴۔ انسانی حقوق اور تعلیمات نبوی

۵۔ سرکائنات بحیثیت داعی امن واخوت

۶۔ نبی پاک سرورکائنات کا نظام عدل

۷۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت امن عالم کے نقیب

۸۔ اسلامی فلاحی مملکت اوراس کے قیام کے لئے عملی تجاویز

۹۔ داعیان الی الخیر کی شخصیت' کرداراوراوصاف

۱۰۔ موجودہ حالات میں نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نفاذ اور عملی تجاویز

۱۱۔ سیرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضان بلوچستان میں۔

سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی مہک بلوچستان میں:

ڈاکٹر محمد انعام الحق کوثر' ناشر: سیرت اکادمی بلوچستان (رجسٹرڈ) کوئٹہ' مطبع: یونائٹڈ پرنٹرز' کوئٹہ ۱۹۹۷ء بمناسبت پاکستان گولڈن جوبلی' صفحات ۴۵۸

ضابطہ کی تفصیل یوں ہے: نعت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم آیات قرآن حکیم: سید حسن مثنیٰ ندوی' فضائل وفوائد درود شریف: نرجس رضوی' ڈاکٹر محمد طفیل

انتساب' پیش لفظ: محترم حکیم محمد سعید' حرف نیاز: ڈاکٹر انعام الحق کوثر (یہ سات حصوں پر مبنی ہے۔

پہلا باب: براھوئی کتب اور نعت گوئی۔ دوسرا باب: بلوچی کتب اور نعت گوئی

تیسرا باب: پشتو کے نعت گوشعراء چوتھا باب: فارسی گوشعراء کا نعتیہ کلام

پانچواں باب: اردو نعت گوئی اور چند متعلقہ کتب چھٹا باب: بلوچستان میں نعتیہ مشاعرے' عید میلاد النبی کی تقریبات سیرت پاک سے متعلق تقاریب' اخبارات ورسائل کے سیرت نمبر' ریڈیو' ٹی وی پروگرام' سیرت اکادمی بلوچستان (رجسٹرڈ)' مختلف صاحبان اور دیگر متعلق انجمنوں کی کارکردگی۔

ساتواں باب: بلوچستان میں دینی مدارس' کتابیات

چہل حدیث صلوٰۃ وسلام:

مرتبہ محمد اقبال مدینہ منورہ' ماخوذ از فضائل درود شریف مولفہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی

قدس سرہ'ناشر: سیرت اکادمی بلوچستان (رجسٹرڈ) کوئٹہ ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء صفحات ۶۵

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ:

درود شریف ایسا ورد ہے جو فرش زمیں پر پڑھا جاتا ہے اور عرش بریں پر سنا جاتا ہے۔ ناشر سیرت اکادمی بلوچستان (رجسٹرڈ) کوئٹہ ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء'۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء صفحات: ۴۸

(ا) نعتیہ شاعری

قندیل خیال: یعنی مجموعہ کلام شعرائے بلوچستان جو بمعہ جون ۱۹۱۵ء بمقام لورالائی پڑھا گیا' زیر ترتیب سردار محمد یوسف یوسف سیکرٹری مشاعرہ باستعانت لالہ ہرکرن داس ہرکن' باہتمام لالہ ٹھاکرداس صاحب اینڈ سنز پرنٹر دلی پرنٹنگ ورکس دھلی میں چھپا' بار اول تعداد طبع ۲۵۰' ۱۹۱۶ء صفحات ۴۰ سرورق پر سب سے پہلے درج ہے الشعرا تلامیذ الرحمٰن پھر تحریر ہے۔

بہ سرپرستی جناب خانصاحب عزیز الدین خان صاحب اکسٹرا اسٹنٹ کمشنر بہادر۔

۷ جون ۱۹۱۵ء کو لورالائی میں منعقدہ مشاعرہ میں جن شعراء نے نعتیہ کلام پیش کیا تھا ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

۱۔ مولوی عبدالحنان احقر عرائض نویس درجہ اول لورالائی

۲۔ بابو عنایت اللہ خان آیاغ' میر مشاعرہ اسٹنٹ اکاؤنٹنٹ دفتر ضلع لورالائی

۳۔ جناب نبی بخش اسد' نائب تحصیلدار لورالائی

۴۔ سردار محمد یوسف خان پوپلزئی یوسف تحصیلدار لورالائی۔

اب ان کا ترتیب وار ایک ایک نعتیہ شعر ملاحظہ فرمائیے۔

تمنا ہے کروں میں صاف گلیاں اپنی پلکوں سے
شہر یثرب ! اگر پہنچائے قسمت تیرے مسکن تک

ایاغ راوق عرفاں ہوں مجھ کو گنبد نیلی
سرور کیف میں لے چل اسی بے خار گلشن تک

رسائی ہو کہیں یا رب شہر یثرب کے مدفن تک
کہ گلخن سا، جدائی سے ہوا جاتا ہے گلشن تک
شفیع المذنبین ہے رحمۃ للعالمین ہے تو
میں چھوڑوں کس طرح داماں تیرا محشر کے دامن تک

گلزار عابد:

سید عابد شاہ عابد بلوچستانی (۱۸۸۸۔۱۹۴۹ء) مطبع قاسمی واقع دیوبند، ماہ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ / اکتوبر ۱۹۱۵ء صفحات ۴۸۔ اس مجموعہ کلام میں نعتیہ اشعار موجود ہیں۔

دیوان ناشط (خطی)

ڈاکٹر محمد اسحاق صدیقی ناشط (۱۸۹۱ء۔۱۹۴۰ء) ۳۰ جولائی ۱۹۳۱ کو فورٹ سنڈیمن (ژوب) میں قیام کے دوران مولوی غلام نقشبند خاں کی فرمائش پر جو نعتیہ شعر کہے تھے وہ "بلوچستان میں اردو" ڈاکٹر انعام الحق کوثر، (لاہور ۱۹۶۸ء پنڈی ۱۹۸۶ء ۱۹۹۴ء ص ۳۶۰) میں درج ہیں۔

مکاتیب یوسف عزیز مگسی (۱۹۰۸ء......۱۹۳۵ء)

مرتبہ: ڈاکٹر انعام الحق کوثر مطبع: زرین آرٹ پریس لاہور، ناشر: مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۷۸ء صفحات ۱۱۵

اس میں ایسے اشعار اور واقعات کا تذکرہ ملتا ہے۔ جن سے یوسف عزیز کی حضور پاک سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے گہری عقیدت کا اظہار ہوتا ہے ایک شعر یہ ہے۔

گاندھی و مالوی کے واعظ دھرے رہ جائیں
میں اگر قول محمد کو نمایاں کر دوں

رحیل کوہ:

میر محمد حسین عنقا، کراچی ۱۹۳۴ء صفحات ۱۰۰، "فریاد" پیارے نبی کی پیاری جناب میں موجود ہے۔

سلام والتجا:

(بحضور سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) نبی بخش اسدؔ۔ اس کے چار بند اور تیس شعر ہیں۔

مخمسات زیب (اردو، خطی):

سردار گل محمد زیب مگسی (۱۸۸۳ء۔۱۹۵۳ء) کاتب کا نام اور سال درج نہیں۔ اندازاً ۶۰،۶۵ سال پہلے کا نسخہ ہے اس میں ایسے مخمسات دستیاب ہیں۔ جن سے وجہ تخلیق کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے گہری عقیدت کا اظہار ہوتا ہے۔ آپ یوسف عزیز مگسی کے بڑے بھائی اور فارسی کے تین دیوانوں کے تخلیق کنندہ ہیں۔

نقش جمیل (خطی) : غلام محمد جمیل (۱۹۰۷ء......۱۹۶۲ء)۔ اس میں نعتیہ اشعار موجود ہیں۔

بربط ناہید:

قیوم راشدہ القریشی، پیش کردہ حلقہ ارباب ادب کوئٹہ ۱۹۴۸ء صفحات ۶۴۔ اس میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور قیوم راشدہ کے گلہائے عقیدت کا اظہار ہوتا ہے۔

دست سبو:

سید صغیر اصغر انبالوی، ناشر: بزم ارتقائے ادب کوئٹہ ۱۹۶۰ء صفحات ۱۶۰۔ اصغر کا یہ مجموعہ کلام نعت اور منقبت کے علاوہ زیادہ تر غزلیات پر مشتمل ہے۔

تیغ و قرآن: نثار احمد محشر رسول نگری، ملنے کا پتہ اسلامیہ سٹیشنری مارٹ قندھاری بازار کوئٹہ، سنا شاعت ندارد صفحات ۹۸۔ اس کے سرورق پر یہ شعر درج ہے:

اک ہاتھ میں شمشیر ہو اک ہاتھ میں قرآن
اے مومن جانباز تری شان یہی ہے

اس کے بعض نظموں کے عنوانات یہ ہیں: فقر و جہاد، حسین رضی اللہ عنہ اور اسلام، آزادی، اسلامی حکومت، مرد مجاہد، جواہر اسلام، اسلامی نظریہ جنگ، عید قربان کا پیغام، محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

تین شعر ملاحظہ فرمائے:

کرنی پڑے گی عدل پہ قربان قومیت
مکر و دغا نہیں یہ سیاست خدا کی ہے
دامن تاریخ ملت میں کمی کس شے کی ہے

اسوۂ فاروق رضی اللہ عنہ بھی ہے مسلک شبیر رضی اللہ عنہ بھی

نفس انساں بھیڑیا ہے خوف عقبیٰ کے بغیر

ہے تن بے روح ہر قانون تقویٰ کے بغیر

مثنوی صحیفۂ فطرت (حصہ اوّل)

نثار احمد محشر رسول نگری۔ طابع و ناشر میاں افتخار یوسف' پاکستان پریس کوئٹہ' ۱۹۵۷ء صفحات ۹۵

یہ مثنوی اس دور میں لکھی گئی جب محشر صاحب کی زندگی ''قال'' سے ''حال'' کی منزل میں داخل ہو چکی تھی۔

محشر رسول نگری کے نزدیک ملت اسلامیہ کے لئے عظیم ترین مقصد رضائے الٰہی ہے اس مقصد کے حصول کے لئے حق سے غیر معمولی عشق بھی ضروری ہے۔ جس کی بہترین اور مکمل مثال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے مل سکتی ہے۔

بقول محشر:

عشق کیا ہے؟ اتباع مصطفیٰ

عشق کیا ہے؟ صبر و تسلیم و رضا

اللہ تعالیٰ کے قرب کے لئے انسانوں کی دلداری اور درد کے ماروں کی غمخواری کرنے کی ضرورت ہے۔

فخر کونین صلی اللہ علیہ وسلم (حصہ اوّل)

نثار احمد محشر رسول نگری' کوئٹہ' بار اول ۱۹۶۱ء صفحات ۱۹۲ بار دوم ۱۹۶۲ء مطبوعہ پنجاب بک ڈپو سرکلر روڈ لاہور = اشعار کی تعداد ایک ہزار چار سوستر' مقدمہ از مختار صدیقی۔ اس حصے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے ہجرت تک کے واقعات کا مفصل جائزہ لیا گیا ہے۔

فخر کونین صلی اللہ علیہ وسلم (حصہ دوّم)

نثار احمد محشر رسول نگری' طابع و ناشر میسرز پاکستان پریس جناح روڈ کوئٹہ' ۱۹۶۴ء صفحات ۲۵۵۔ اشعار کی تعداد ایک ہزار سات سو چھبیس' مقدمہ از ڈاکٹر فرمان فتح پوری۔ اس میں ہجرت سے فتح مکہ تک کے واقعات خاصی تفصیل سے آ گئے ہیں۔

فخرِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم (حصہ سوم)

نثار احمد محشر رسول نگری' طابع زمانہ پریس جناح روڈ کوئٹہ' ناشر: میسرز پاکستان پریس کوئٹہ ۱۹۷۰ء صفحات ۱۳۶۔ اشعار کی تعداد ایک ہزار اٹھاون ہے۔ پیش حرف از مولانا غلام رسول مہر'' درہ بولان کے اس پار'' از ڈاکٹر نصیر احمد ناصر۔ تیسرے حصے کی ابتدا ''نوائے شوق'' کے بعد غزوہ حنین ومحاصرہ طائف سے ہوتی ہے۔ پھر غزوہ تبوک' قیام احد' حکمت تبلیغ' عدی بن حاتم کا اسلام' اصلاح نفس' پیغام آخرین (حجۃ الوداع کا خطبہ) اور سفر آخرت کا بیان آتا ہے۔ یوں اس حصے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کا بیان تاریخی تسلسل کے اعتبار سے اختتام پذیر ہوا۔

فخر کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور سے پیشتر ارمغان رحمت' حدیث دلبری' حقیقت ایمان اور مقام عبودیت سے اجاگر ہوتا ہے کہ یہ فقط منظور سیرت ہی نہیں بلکہ ایک دلپذیر دعوت اسلام بھی ہے جس میں اس دین کے اساسی حقائق بڑے ہی متاثر کن انداز میں پیش کئے گئے ہیں۔

تینوں حصوں میں مجموعی طور پر اشعار کی تعداد چار ہزار دوسو ترپن ہے۔ اور اس لحاظ سے فخر کونین صلی اللہ علیہ وسلم اردو ادب کا سب سے طویل مسدس ہے۔ جو قرآن وحدیث اور سیر وتواریخ کے مستند ماخذات پر مبنی ہے۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے اس مسدس کی سب سے بڑی خوبی یہ بتائی تھی کہ کسی جگہ بھی شاعرانہ مبالغے اور غلو سے کام نہیں لیا گیا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا الطاف عام ملاحظہ فرمائیے:

انسانیت ملے گی یہیں کائنات میں
تکمیل پا چکی ہے محمدؐ کی ذات میں
تیری نظر سے قسمت انساں بدل گئی
روح حیات اک نئے سانچے میں ڈھل گئی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت یوں بیان کی گئی:

ہیبت سے کانپتا تھا جو ملتا تھا پہلی بار

ہوتا تھا جب قریب تو بنتا تھا جاں نثار

اس کے پہلے حصے کا ترجمہ انگریزی میں از ملک مقصود عالم' بعنوان: Pride here and here after (God's Blesings and peace be upon him)

لاہور سے چھپا ہے۔ سن اشاعت ندارد صفحات ۲۴۶۔ عبدالصمد شاہین نے ''فخر کونین'' کا منظوم براہوئی ترجمہ کیا ہے۔ جو چھپ چکا ہے۔

مسدس فخر کونین کے تینوں حصے اکٹھے بھی شائع ہو چکے ہیں۔ زیر اہتمام سجاد پبلی کیشنز ۹۔ آرٹ سکول روڈ کوئٹہ' مطبع سلمان آرٹ پریس لمیٹڈ لاہور' طبع دوم ۱۹۸۱ء صفحات: ۶۲۲

محشر رسول نگری کا نعتیہ کلام اور آپ کی تقاریر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور اسلامی موضوعات سے متعلق ہوتی تھیں۔ ریڈیو پاکستان کے تمام سٹیشنوں سے نشر ہوتی ہیں۔

چشمہ کوثر:

پروفیسر آغا صادق حسین صادق' سید الیکٹرک پریس ملتان سے طاہرہ نقوی ناشرہ نے چھپوایا۔ ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء صفحات ۹۲۔

یہ نعت ومنقبت کا مجموعہ ہے۔ آٹھ طرحی نعتوں کے دوسرے عنوانات ہیں: زمزمہ نعت' میلاد اعظم' شب معراج' رموز نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم' نعت مقتبس' نعت سہل ممتنع۔

رموز نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا اور آخری بند ملاحظہ فرمائے۔

میم کہتا ہے کہ محبوب کا جلوا ہوں میں
حجت '' ح '' ہے کہ وحدت کی تمنا ہوں میں
دوسرا '' میم'' مصر ہے کہ مدینہ ہوں میں
دعویٰ '' دال'' کہ دلدار سراپا ہوں میں
چاند بھی دیکھ کے اس نور کو شرماتا ہے
کوئی نقطہ نہیں بے داغ نظر آتا ہے

میم سے کاش مسلماں بھی مسلماں ہو جائے
ح الحمد کی قندیل فروزاں ہو جائے
میم سے مرکز اسلام کا سماں ہو جائے
دال سے دہر کی تقدیر درخشاں ہو جائے
چاند بھی دیکھ کے اس نور کو شرماتا ہے
کوئی نقطہ نہیں بے داغ نظر آتا ہے

متاع بردہ:

عبدالرحمٰن غور، ناشر مکتبہ بلوچی دنیا، ملتان، ۱۹۶۷ء صفحات ۱۲۴۔
"نذرانہ عقیدت" کے تحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہوئے ہیں۔

خارگل:

ڈاکٹر عبدالحمید کاکڑ، ناشر بزم ثقافت کوئٹہ ۱۹۶۹ء صفحات ۱۱۹۔ گلہائے عقیدت حضور پاک سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش کئے ہیں۔

ابیات باہو معہ ترجمہ و شرح:

بتحقیق و شرح سلطان الطاف علی، ناشر حاجی محمد اشفاق قادری، کریم پارک لاہور، ۱۹۷۵ء صفحات بڑی تقطیع ۶۳۶ شارع نے ص ۱۴۱ پر منبع خیال، کے تحت واضح کیا ہے۔ "تمام تر ابیات کسی نہ کسی آیت قرآن یا احادیث رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر مبنی ہیں اور کوئی فکر و خیال رموز دین و عرفان سے باہر نہیں کیونکہ مصنف علیہ الرحمۃ عاشق حقیقی اور مادرزاد ولی ہونے کی حیثیت سے مبلغ قرآن و حدیث ہیں ابیات اپنے مخصوص انداز اور سچائی کے پیغام سے دل کی گہرائیوں میں اسلام کی روح پھونکتے ہیں۔ ان سے صفائی باطن اور عمل صالح کی حقیقت واضح ہوتی ہے۔"

حریم وحجاب:

فضل اکبر کمال، زیر اہتمام انجمن و بستان بولان کوئٹہ، مطبع: قلات پبلشرز کوئٹہ ۱۹۸۵ء صفحات

۲۲۸۔گلہائے عقیدت بحضور سرورکائنات دستیاب ہیں۔

عرفان و آگہی:

ناگی عبد الرزاق خاور، زیر اہتمام انجمن و بستان بولان کوئٹہ، مطبع : شہزاد پرنٹنگ پریس، ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۵ء صفحات ۱۴۴۔ اس میں نعتیہ اشعار موجود ہیں۔

آداب سفر:

نور محمد ہمدم، ناشر: بک سپاٹ کوئٹہ، مطبع معراج دین پرنٹرز لاہور۔ ۱۹۸۸ء صفحات ۲۲۔ اس میں گلہائے عقیدت بحضور سرور کونین ملتے ہیں۔

نعتیہ کلام حافظ مسمیٰ بہ "نور غذائے روح" (قلمی):

حافظ قاری محمد ابراہیم حافظ خلف الرشید حاجی مہتاب الدیدی (۱۰ اگست ۱۸۹۶ء...... ۲۷ فروری ۱۹۹۲ء۔ پہلا صفحہ پر حافظ محمد ابراہیم ۱۴/۳۲۔ ۲ مسجد روڈ کوئٹہ درج ہے۔ عام کاپی کے ۶۶ صفحات ہیں۔

قوس عقیدت:

سہیل اختر، ناشر: امداد نظامی وجدان پبلی کیشنز، سنٹر بلڈنگ مسجد روڈ، کوئٹہ مارچ ۱۹۸۴ء صفحات ۱۶۰
یہ مجموعہ کلام حمد و نعت نقبت اور وطن کی ارض مقدس سے عقیدت کا مظہر ہے۔ پیش لفظ ڈاکٹر محمد سعود اور تقریظ پروفیسر جلیل احمد صدیقی نے تحریر کی ہے۔ سرورق کی پشت پر ڈاکٹر انعام الحق کوثر کی رائے درج ہے۔

منتخب نعتیہ کلام: مرتبہ ڈاکٹر انعام الحق کوثر، شاعر کردہ ادارہ نصابیات و مرکز توسیع تعلیم بلوچستان کوئٹہ یکم محرم الحرام ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۵ء تا ۱۹۹۱ء (پانچ بار چھپا) صفحات ۴۲

مدرجات: حرف آغاز (ڈاکٹر انعام الحق کوثر) حمد اور ریاض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اردو ے مختلف شعرائے کرام کے نعتیہ کلام میں سے انتخاب کیا گیا ہے۔ یہ انتخاب بلوچستان بھر میں بچوں، بچیوں، طلبہ، طالبات اور اساتذہ کرام کے حسن قرأت اور سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ علمی و تعلیمی مقابلوں میں بطور انعام دیا جاتا تھا۔

نعت حبیب صلی اللہ علیہ وسلم:

مرتبہ: ریاض ندیم نیازی، ناشر: مکتبہ امتیاز راجپوت مارکیٹ اردو بازار لاہور صابری دارالکتب قذافی مارکیٹ اردو بازار لاہور سن اشاعت درج نہیں۔ صفحات ۹۶

ابتداء مظفر وارثی کی حمد سے ہوتی ہے بعد میں مختلف جدید و قدیم عقیدت گزاروں کی نعتیں درج ہیں۔ امید فاضلی کے صلوٰۃ وسلام (ایسے قرآن پیکر پہ لاکھوں سلام) پر یہ انتخاب ختم ہوتا ہے۔

محبوب صلی اللہ علیہ وسلم:

صوفی جاوید اقبال معصومی، ناشر: انجمن دبستان بولان کوئٹہ بہ اشتراک انجمن خدام خواجگان معصومیہ کوئٹہ، مطبع این اے اے پرینٹرز، ناظم آباد نمبر ۲ کراچی، ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۷ء صفحات ۱۶۰۔ صوری و معنوی اعتبار سے دیدہ زیب۔

صوفی جاوید اقبال معصومی صاحب کتاب نعت گو شاعر ہیں۔

مجموعہ کلام کا آغاز حمد باری تعالیٰ اور حمد یہ قطعہ سے ہوتا ہے۔ بعد ازاں گلہائے عقیدت ہی عقیدت ہیں۔ جو مختلف پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں: صوفی جاوید اقبال معصومی حمد باری تعالیٰ میں گویا ہوتے ہیں:

توفیق کی ہے بات تجھے کیا سے کیا لکھوں
چلتا رہے قلم تیری حمد و ثناء لکھوں

چند نعتیہ اشعار ملاحظہ فرمائیے:

یہ آقا ﷺ کی عنایت ہے کہ مجھ کو
شناسا کر دیا ہے بندگی سے
بھولے نہ کبھی اپنی امت کو مرے آقاؐ
افسوس کہ امت نے یاد ان کی بھلا ڈالی

گنبد خضرٰی (منتخب نعتیں):

مرتبہ: ریاض ندیم نیازی، ناشر: یکے از مطبوعات غلام دستگیر اکادمی بہ اشتراک ناشاد پبلشرز کوئٹہ/

لاہور ۱۹۹۶ء صفحات ۱۲۵۔ انتساب' آرا' پیش لفظ (سلطان ارشد القادری) کچھ اپنی زباں میں (ریاض ندیم نیازی۔مرتب) اور حمد باری تعالیٰ (میرے رب کہاں پہ نہیں ہے تو؟۔سید ریاض الدین سہروردی) کے بعد نعت بحضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت نئی اور پرانی نعتوں کا انتخاب دیا گیا ہے۔احمد ندیم قاسمی کے الفاظ میں ''انتخاب بڑی محنت سے کیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ مجموعہ نعت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پرستاروں میں مقبول ہوگا۔''

سوغات:

مؤلفین: پروفیسر محمد انور رومانی' پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد' پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق کوثر' ناشر: سیرت اکادمی بلوچستان (رجسٹرڈ) کوئٹہ ۹۷۔۱۹۹۶ء صفحات ۶۴۔

انور رومان صاحب نے 'انتساب' میں انوکھا انداز اختیار کیا ہے۔ایک ماسٹر صاحب اور ایک بچے کے مابین اس (بچے) کے نام سے متعلق گفتگو بیان کر کے لکھا ہے ''یہ انتخاب اس بچے کے نام منسوب ہے۔''

انور رومان ہی نے 'تعارف' میں اس انتخاب کی ضرورت یوں بتائی ہے: ''یہ انتخاب بالخصوص نوجوانوں کے لئے کیا گیا ہے۔تا کہ انہیں نام مصطفیٰ' احترام مصطفیٰ' مقام مصطفیٰ' نظام مصطفیٰ اور دوام مصطفیٰ کا شعور حاصل ہو سکے۔''

ماہنامہ ہمدرد صحت' کراچی دسمبر ۱۹۹۸ء) میں مندرج ہے'' یہ مختصر انتخاب اردو نعتیہ شاعری کا پوری طرح احاطہ کرتا ہے۔''

منتخب نعتیہ کلام:

مجلس ادارت: پروفیسر انور رومان' پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق کوثر' راجہ نثار احمد' جناب محمد رفیق اور جناب محمد مشتاق باجوہ' ناشر: سیرت اکادمی بلوچستان (رجسٹرڈ) کوئٹہ' مطبع یونائیٹڈ پرنٹرز کوئٹہ ۱۹۹۸ء صفحات ۶۴۔

پہلے صفحہ پر حضرت علی مرتضیٰؓ کی روایت کردہ حدیث ہے جس میں ہادی برحق کی حیات طیبہ کے مطمع ہائے نظر کا ذکر ہے۔دوسرے صفحہ پر قرآن پاک کی روشنی میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔تیسرا صفحہ پر درود شریف کے فضائل اور فوائد رقم کئے گئے ہیں۔دیباچہ ڈاکٹر انعام الحق کوثر کا تحریر کردہ ہے

اور انتساب معروف دانشور اور صاحبفکر ونظر اسکالر پروفیسر انور رومان نے لکھا ہے جو عمیق علم اور لطافت بیان کا مظہر ہے۔ انتخاب کا آغاز حمد سے ہوتا ہے۔ اس میں برصغیر کے معروف شعراء کی نعتیں شامل کی گئیں ہیں۔

مطلع الفجر (اردو نعت' سلام):

سعید گوہر' زیر طبع ہے۔ علاوہ ازیں بلوچستان کے متعدد جدید وقدیم معروف اور نامور عقیدت مندوں کی اردو نعتیں "سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی مہک بلوچستان میں" ڈاکٹر محمد انعام الحق کوثر' ناشر: سیرت اکادمی بلوچستان (رجسٹرڈ) کوئٹہ۔ مطبع: یونائیٹڈ پرنٹرز' زونکی رام روڈ' کوئٹہ ۱۹۹۷ء میں ۲۵۷ تا ۳۵۶۹ میں شائع کی گئی ہیں۔ ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

" محمد صادق شاذ' ارشد امروہوی' علامہ عیش فیروز پوری' اخگر سہارنپوری' اثر جلیلی' رشید نثار' صادق نسیم' عابد رضوی' ظفر خاں نیازی' عیاض محمد عیاض' امداد نظامی' ملک محمد رمضان بلوچ' مقبول رانا' ریاض قمر' نسیم احمد نسیم' سعید جعفر طاہر' خورشید افروز' قاضی محمد عالم ضمیر' سعید گوہر' سرور سودائی' رب نواز مائل' چودھری فضل حق' ماہر افغانی' آغا محمد علی فرحت' محمود احمد محور' سلطان محمود نیاز' عرفان الحق صائم' مرزا حسین قدیری' محمد حنیف کاشف' عرفان احمد بیگ' حسن جاوید' سائرہ خان سارا' سلطان ارشد القادری' ڈاکٹر میر رئیسانی' سیدہ نجمہ واحد' پیر سلطان حامد نواز القادری' عابد شاہ عابد' شبنم شکیل' مذاق الغنی شعور رضوی' سلطان غلام دستگیر القادری ناشاد' حضرت تراب گوالیاری' فقیر بخش مسلم بگٹی' غلام سرور جاوید' بشیر تمنا' اوریا مقبول جان' محمد علی اختیار' کرن حیدر' صلاح الدین ناسک' عبد الغفور مینگل' حبیب اللہ حبیب' نادرہ ضمیر پرواز' ڈاکٹر ابو یحییٰ عینی' عاصمہ جعفری' صدف چنگیزی' رشید انجم' پروفیسر شرافت عباس' ڈاکٹر ولایت حسن عسکری' امین صباء' نیاز خلجی' آصف حسن' نذر حسین نیر' محمد نواز ناظر۔"

بلوچستان میں اردو سیرت نگاری (نثر اور نعتیہ شاعری) کے حوالے سے ایک مختصر سا جائزہ پیش کیا گیا۔

علاوہ ازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا برکات ساری انسانیت کے لئے ایک کسوٹی ہے۔ چنانچہ جب اس کسوٹی کے ناطے سے اپنے احوال پر نظر ڈالی جاتی ہے۔ تو یہ جائزہ بھی نعت کے ضمن

میں آجاتا ہے= شاعر اپنے نعتیہ اشعار میں انسانوں کی توجہ زندگی کی اعلیٰ ترین اقدار کی جانب منعطف کراتا ہے۔ اور اس طرح زندگی اور انسانی معاشرے کو زندہ تر اور پائندہ تر بنانے کی سعی بلیغ کرتا ہے۔ یوں ہر دور میں نعت کی اہمیت' ضرورت اور افادیت اجاگر ہوجاتی ہے۔

بلوچستان کے نعت گو شعراء متذکرہ بالا کسوٹی پر اپنے آپ کو پرکھتے ہوئے گلہائے عقیدت صفحہ قرطاس پر منتقل کرتے ہیں۔ وہ قرآن و احادیث سے استدلال کرتے ہوئے غیر معتبر اور غیر مصدقہ روایات سے بچنے کی پوری پوری کوشش کرتے ہیں۔ وہ سلام و درود کی برکات سے اچھی طرح آگاہ ہیں مگر عقیدت کشی میں حزم و احتیاط ضروری ہے

ناسک قدم تو رکھ ہی دیا پل صراط پر
حد درجہ احتیاط ' کہ نعت رسول ہے

وفا کی شیکی گہرائی و گیرائی سے لیس حرم پاک اور مسجد نبوی کی طرف گامزن دکھائی دیتا ہے۔ محشر رسول نگری کے الفاظ ہیں:

اے تشنہ کام جذبہ پنہاں سے کام لے
ساقی کے ہاتھ سے مئے عرفاں کا جام لے
اٹھ اور دامن شہِؐ لولاک تھام لے
ہر گام پر خدائے محمدؐ کا نام لے
سیرت مرے حضور کی سرِّ حیات ہے
انسانیت کی آج اسی میں نجات ہے
دستگیر عاپشت و پناہ بے کساں
دلنواز عاشقاں خستہ حالاں کو سلام
(نبی بخش اسد)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک بلوچستان میں، ڈاکٹر انعام الحق کوثر لاہور، ۱۹۸۳ء ص ۱۳ تا ۱۶

بنگلہ زبان میں سیرت نگاری کا ارتقاء

ڈاکٹر محمد مجیب الرحمٰن *

بنگلہ ایک ایسی زندہ وجدید تر زبانوں میں سے ہے جو ان دنوں تقریباً ۱۲ کروڑ آبادی پر مشتمل پورے بنگلہ دیش کی سرکاری قومی زبان ہے۔ یہ زبان اپنی جغرافیائی حدود کو پار کرتی ہوئی اپنے ہمسایہ ممالک یعنی مغربی بنگال، آسام، تریپورہ برما واراکان کی سرزمین میں بھی یکساں طور پر رائج ہے۔ گویائی ونطق یعنی بول چال کے اعتبار سے اس زبان کو دنیا کی غالباً پانچویں اہم زبان کی حیثیت حاصل ہے۔ ساری کائنات میں اس وقت کوئی بھی مفروضہ، فلسفہ یا نظریہ مروج نہیں ہے جو کہ بنگلہ زبان میں منتقل ہو کر شائع وذائع نہ ہوا ہو۔ خصوصاً بنگلہ دیش اور مغربی بنگال کے قدیم وجدید مسلم وغیر مسلم ادباء اور تعلیم یافتہ طبقہ نے متعدد علوم و فنون اور دانش وآگہی کو اس زبان میں مسلسل ترجمہ کے جامہ پہنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس زبان میں فصاحت وبلاغت، سلاست وروانی اور استعارہ وکنایہ وغیرہ کا یہ عالم ہے کہ اس زبان کے قارئین اور اس میں وعظ وپند کے سامعین پر بسا اوقات محویت اور وارفتگی طاری ہو جایا کرتی ہے چنانچہ عربی، فارسی اور اردو وغیرہ مشرقی زبانوں میں جس طرح سیرت نگاری کی بہتات اور فراوانی ہے۔ عین اسی طرح بنگلہ زبان بھی اپنی افتادِ طبع کے باعث قطعاً ان کے پیچھے نہ رہ سکی ہے اور نہ ہی اس میں رنگ لائے بغیر چین سے بیٹھ سکی۔ بلکہ وہ مذکورہ بالا زبانوں کے ساتھ ساتھ قدم بقدم اپنی ارتقائی منازل طے کرنے کی ہر ممکن کاوش کرتی رہی۔ ادھر نصرتِ خداوندی بھی اس کے قدم چومتی رہی اور اس طرح یہ کاوش و جانفشانی کارآمد وبارآور ثابت ہوئی۔

یہاں ایک تلخ حقیقت اگر اجاگر کی جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ وہ یہ کہ سرزمین بنگال میں اسلامی بنگلہ زبان وادبیات کو عام طور پر فروغ دینے میں ہمعصر ہندوؤں نے بڑے روڑے اٹکائے اور اس راہ میں وہ سدّ سکندری بن کر حائل ہو گئے۔ مزید برآں انھوں نے بنگلہ زبان کو ناروا وممنوع قرار دیتے ہوئے اپنے معاصر ائی ایشیوں کی طرف سے فتوی بھی صادر کروایا کہ سنسکرت کو چھوڑ کر بنگلہ کی ترویج وآبیاری میں توجہ مرکوز

* پروفیسر راجشاہی یونیورسٹی: نزیل نیویارک

کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں۔ چنانچہ جو اس زبان کی خدمت میں منہمک و مستغرق ہوگا۔ اسے لامحالہ رورنگ، نامی ایک اتھاہ دوزخ کے پیندے میں جھونک دیا جائے گا۔ کیونکہ یہ زبان اور بولی جو روز افزوں ترقیاں کر رہی تھی رجعت قہقری اور ترقی معکوس میں تبدیل ہو کر رہ گئی۔ اس سے کچھ مدت تک مسلمان علماء اپنی مادری زبان چھوڑ کر عربی یا فارسی اور آگے چل کر پھر اردو میں بھی سیرت نگاری کے کام انجام دیتے رہے۔ اگرچہ وہ کام ترغیب اور حوصلہ افزائی نہ ہونے کی وجہ سے غیر معیاری اور ناقابل ستائش ہی کیوں نہ ہوں۔(۱)

بعد ازاں سلطان حسین شاہ جب بنگال کے شاہی تخت پر جلوہ افروز ہوئے تو سنسکرت کو چھوڑ کر پھر دوبارہ مادری بنگلہ زبان کو اپنانے نیز اسے فروغ دینے کا شاہی فرمان بانگ دہل جاری کر دیا۔ چنانچہ صرف بنگال ہی کے طول وعرض سے ہی نہیں بلکہ اراکان، برما، آسام، تریپورہ سے بھی اس زبان کے علماء فضلاء و دانشور رکشاں کشاں حسین شاہی دربار میں بازیاب ہو کر بنگلہ ادب کی ترویج میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے۔ حسین شاہ کی انتہا کی داد و ہش، سخاو جود اور قابل تحسین زر پاشیوں سے ان کی زندگیاں بڑی فارغ البالی سے گزرتی تھیں۔ البتہ اس دور کی یہ اسلامی بنگلہ زبان غریب شاہی، دوبھاشی یا پونتھی کی منظوم زبان کے نام سے معروف تھی۔ کیونکہ اس میں عربی فارسی کا حسین امتزاج و آمیزش بہت زیادہ تھی۔ اس زمانہ کو دور متوسط یا ''مدھیا جوگ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ منثور بنگلہ زبان وادب کا رواج شروع ہونے نہیں پایا تھا۔ اس دور میں بنگال کے طول وعرض، گوشہ گوشہ بلکہ چپے چپے میں نیک نفس و متدین مسلمانوں کے پڑھنے پڑھانے کے لئے پونتھی کی یہی منظوم زبان رائج تھی۔ ایسی منظوم زبان نے ان کے روزمرہ کی زندگیوں میں انقلاب عظیم برپا کر دیا تھا۔

ویسے تو سینکڑوں دانشور سیرت نگاری پر اپنے شاہکار منصہ شہود پر لائے۔ مگر یہ مختصر سا مضمون بسط و تفصیل کے ساتھ ان تمام فہرستوں کا حامل کہاں اور کیسے ہوسکتا ہے؟ بنا بریں Chronological order یعنی واقعہ نگاری یا متن و تاریخ کے اعتبار سے ایک سرسری سا جائزہ درج کیا جاتا ہے جس سے بخوبی یہ اندازہ ہو جائے گا کہ سیرت نگاری پر بنگلہ میں کیا کیا خدمات سرانجام دی گئیں۔

۱۔ مولانا ذوالفقار احمد قسمتی: بنگلہ زبان میں تراجم وتفسیر: قرآن نمبر سیارہ ڈائجسٹ

سب سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لفظ سیرت پر ہی ایک سرسری روشنی ڈالی جائے قرآن نے لفظ ''سیرت'' (سورۃ ۲۰، پارہ ۱۶، آیت ۲۱) کا استعمال کیا ہے جو عصائے موسیٰ کے معجزہ ہونے کے سلسلہ میں ہے کیونکہ ان کی لاٹھی جب اژدھا کا روپ دھار کر دوڑ نے لگی تو وہ سہمے ہوئے نظر آئے۔ اللہ نے فرمایا: خوف نہ کھایا کرو میں ابھی اسے اس کی پہلی حالت پر کیے دیتا ہوں۔ چنانچہ یہاں ''سیرت'' کے معنی حالت وکیفیت کے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ لفظ اور بھی کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ (۲) ذیل میں سیرت نگاری پر پوتھی کی چند منظوم کتابوں کے نام ہم درج کیے دیتے ہیں۔

	نام مصنف یا شاعر	نام کتب
۱۔	محمد زین الدین	رسول بجئی یعنی فتوحات رسول اللہ ﷺ (۳)
۲۔	سید سلطان	وفات رسول ﷺ وشب معراج (دونوں الگ الگ ضخیم کتابیں ہیں)۔
۳۔	سید سلطان	''رسول پریت'' بنگلہ زبان میں پریت کے معنی سیرت کے ہیں۔
۴۔	''	بنی بنگسو (بنگلہ زبان میں بنگسو، خانوادہ یا خاندان کو کہتے ہیں۔
۵۔	''	رسول بجئی یعنی رسول اللہ کی فتح اور ظفر مندی (۴)۔
۶۔	نصر اللہ خان سیّد	''نورنامہ وجنگ نامہ'' یہاں نور سے مراد خود رسول اکرم ﷺ کی ذات ستودہ صفات ہے۔
۷۔	میر محمد شفیع	''نورنامہ'' یہاں بھی ایک ہی نام وعنوان سے کئی شاعروں نے اپنے اپنے شاہکاروں کو مرتب کرتے ہوئے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر طبع آزمائی کی
۸۔	شاہ برید خان	''نورنامہ'' (۵)

۲۔ مثلاً سفر وسیاحت شکل وشباہت، طور طریقہ، داستان، قدیم قوموں کی تواریخ، سوانح وغزوات نبویہ۔

۳۔ زین الدین اپنے ہم عصر بادشاہ یوسف شاہ کے دربار میں بڑے نامور شاعر گزرے ہیں اور وہ کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں

۴۔ ایک ہی نام وعنوان پر کئی ایک شاعروں نے اپنے اپنے شاہکاروں کو مرتب کیا ہے۔

۵۔ اس کتاب کا دوسرا نام رسول جئی بھی ہے۔ لسانیات کی کسوٹی پر جانچ پڑتال کرتے ہوئے اہل لسان نے اسے قدیم ترین قرار دیا

۹۔ شیخ چاند و شیخ پران ''نور نامہ'' و رسول بجئی یعنی فتوحات رسول اکرم ﷺ

۱۰۔ قاضی حیات محمود ''فرمودات ابنیاء و نبی نامہ(۶)

۱۱۔ عبدالکریم ''نور نامہ'' (۷)

۱۲۔ تاج الدین محمد قصص الانبیاء

۱۳۔ قاضی شفیع الدین قصص الانبیاء

۱۴۔ منشی حیات علی و امیر علی قصص الانبیاء

۱۵۔ منشی الٰہی بخش و منشی خاطر محمد خلاصہ قصص الانبیاء (دیوان)

۱۶۔ منشی صادق علی سلہٹی حالت النبی ﷺ

۱۷۔ منشی فصیح الدین طریقہ محمدیہ (۸)

۱۸۔ دوست محمد چوہدری و منشی جناب علی جنگ خیبر و دیگر غزوات

۱۹۔ میر مشرف حسین (۱۸۴۸۔۱۹۱۱) اپنے زمانہ کے نامور ادیب، شاعر، ناول نگار اور ڈرامہ نگار بھی تھے۔ سیرت نگاری میں ان کی مشہور و معروف تصنیف ''فخر مدینہ'' ہے۔ علاوہ ازیں آپ نے بالواسطہ بھی کچھ سیرت نگاری کی ہے۔ مثلاً آپ کے دیگر شاہکار ام المؤمنین خدیجۃ الکبریٰ وحضرت حسینؓ وغیرہ میں بھی بالواسطہ کچھ نہ کچھ سیرت نگاری کی گئی۔ علاوہ ازیں اس ضمن میں آپ کا سب سے بڑے اور اہم کارنامے کا نام ہے۔ ''بشاد سندھو'' (۹) یہ ضخیم کتاب ایک کامیاب ناول کی شکل میں تین جلدوں میں قلمبند کی گئی۔ پہلی

ہے۔ یہاں بنگلہ زبان میں جئ و بجئی دونوں لفظوں کے معنی فتح وظفر کے ہیں۔

۶۔ مظہر اسلام نے حیات محمود کی سوانح عمری، علمی خدمات پر ایک تحقیقی مقالہ لکھا جس پر راجشاہی یونیورسٹی نے انہیں ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفویض کی ہے۔ نیز اس مقالہ کو زیور طباعت سے آراستہ کیا۔ تفصیل کے لیے مقالہ مذکورہ ملاحظہ ہو۔

۷۔ نور نامہ کا دوسرا نام جنگ نامہ بھی ہے۔ آنحضرت ﷺ کی ذات ستودہ صفات جس طرح نور ہدایت تھی اسی طرح سراپا جنگجو یعنی مجاہد اعظم بھی تھی۔ بنابریں اس عنوان سے سیرت نگاری کا ذکر پہلے بھی آیا اور بعد میں بھی آئے گا۔

۸۔ اس کے علاوہ یہ اور بھی کئی کتابوں کے مصنف ہیں تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو پروفیسر منصور الدین احمد 'بنگلہ ادب میں مسلمانوں کی خدمات' ج ۲، ص ۱۷۔۲۷، قاضی دین محمد: تاریخ بنگلہ ادب، خ (ڈھاکہ سٹوڈنٹ ویز ۱۹۶۸ء) ص: ۶۔۱۷۔

۹۔ یہ نام دو لفظوں سے مرکب ہے اس کے معنی ہیں ''غم واندوہ اور الیمہ کا سمندر'' صحیح معنوں میں یہ کتاب میدان کربلا کا منظر پیش

جلد ۱۸۸۵ء میں منظرِ عام پر آئی دوسری جلد ۱۸۸۷ء میں اور تیسری جلد ۱۸۹۰ء میں۔ کہنے کو تو یہ ایک تاریخی بلکہ اسلامی ناول مگر اس میں ضمناً سیرت نگاری بھی آ گئی۔ خصوصاً حضرت فاطمۃ الزہرا، حضرت حسن، حضرت حسین، زین العابدین، علی اصغر وغیرہ کا تذکرہ بھی آ گیا اور یہ سب کے سب خاندان نبویہ کے ہی چشم و چراغ تھے۔ ساتھ ساتھ حضرت معاویہ، یزید، عبید اللہ بن زیاد، شمر ذی الجوشن وغیرہ کا ذکر بھی آیا۔ علاوہ ازیں آپ نے حضرت عمر، حضرت حمزہ، حضرت بلال وغیرہ کی سوانح عمری بھی الگ الگ قلمبند کی ہے۔

بنگلہ زبان و ادب کی تاریخ میں میر مشرف ہی دراصل ایک ایسے ہمہ گیر و سرگرم ادیب، شاعر، ناول نگار و ڈرامہ نگار واقع ہوئے نیز ہر صنف ادب اور علم و آگہی کے وسیع و عریض میدان میں بروقت ایسی جولانی و جادہ پیمائی کرتے رہے کہ آپ نے کسی صنف سخن کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ اس کے بعد پھر چند ملکی شعراء نے بھی اپنی منظوم پونتھی کی زبان میں اس موضوع پر اپنے اپنے کارنامے پیش کیے مگر افسوس کہ ہمیں ان سیرت نگاری کی اشاعت یا چھپائی کے سن تاریخ کا پتہ نہیں چلا۔ ان میں سے چند ایک کے نام درج ذیل ہیں۔

۲۰۔ کووی فیض الدین — معراج النبی ﷺ

۲۱۔ شاہ زبید علی — معراج نامہ

۲۲۔ مولوی عبدالسبحان — کرامات احمد ﷺ

۲۳۔ صحیح کلاں ''رحمت عالم'' اور جنگ بدر، جنگ احد، جنگ احزاب وغیرہ (۱۰)

کرتی ہے Journal of the anthropological Society, Bombay No.4,1900pp216-217 میں بھی میر مشرف صاحب کی تصنیفات پر مزید روشنی دستیاب ہو سکتی ہے۔ جناب منیر چوہدری نے ۱۹۶۰ء Bangla Academy Journal کے صفحہ ۴۵۔۶۵ میں میر صاحب کی تصنیفات پر سیر حاصل بحث وتذکرہ کیا ہے۔ مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو: ڈاکٹر وکیل احمد: ''سلطانی عہد میں بنگلہ زبان و ادب (ڈھاکہ سٹوڈنٹ ویز 1968) ص ۳۔۱۵۔

نذیر الاسلام محمد سفیان: ''بنگلہ زبان کی تاریخ جدید'' (ڈھاکہ بوگڑا مطبع چھاپا پتھی بدون تاریخ Prof.A.K.M Yaqub Ali"Aspect of Society & Culture of Barind, 1200-152 unpublished Ph.D راجشاہی یونیورسٹی میں شعبہ بنگلہ کے پروفیسر ڈاکٹر عبدالاول نے لندن پہنچ کر وہاں کی یونیورسٹی سے میر مشرف صاحب پر تحقیقی مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ اب یہ انگریزی و بنگلہ دونوں زبانوں میں چھپ گیا ہے۔

پوری صحت اور تعین کے ساتھ اس کے مصنف کا سراغ ابھی تک نہیں مل سکا۔ مگر اس کی مقبولیت ہر دل عزیزی کا یہ عالم ہے کہ

۱۷۵۷ء میں پلاسی کی جنگ کے بعد مسلمان ادباء وفضلاء جنگ آزادی میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ یہی وجہ ہے کہ بنگلہ زبان وادب کی طرف اپنی ساری توجہات مبذول کرنے سے وہ قاصر رہے۔ لیکن ۱۸۵۷ء یعنی سوسال بیت چکنے کے بعد ماضی کی بھول بھلیوں اور تیرہ وتار ظلمت کی گہرائی سے چھلانگ لگا کر پھر انہوں نے اپنی کروٹیں بدل کر نئی انگڑائیاں لینا شروع کیں۔ پھر اپنی طویل خواب غفلت سے چوکنا و بیدار ہوکر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے پہلے زلزلے کے فوراً ہی بعد سب نے مل کر نئے سرے سے اپنی قلمی طبع آزمائی شروع کردی۔

بعدازاں پھر مسلمان تو مسلمان، غیر مسلموں کے دل کی پہنائیوں میں بھی یہ مقدس سیرت نگاری اپنا سکہ بٹھائے اور اپنا سماں باندھے بغیر نہ رہ سکی۔ سیرت پیغمبر اسلام کا یہ میدان کس قدر وسیع وعریض ہے! چنانچہ اس میں خامہ فرسائی وطبع آزمائی کرنے والے مسلمان بھی ہیں۔ ہندو بھی، عیسائی بھی ہیں، یہودی بھی۔۔۔۔۔ پاکستانی بھی ہیں، ہندوستانی بھی، عربی بھی ہیں، عجمی بھی، مصری بھی ہیں، ترکی بھی، عالم بھی ہیں، مسٹر بھی، شاعر بھی ہیں، خطیب بھی، سیاست دان بھی ہیں گوشہ نشین بھی۔

۲۴۔ ہر قوم، ہر ملت و مذہب کے دانشوروں کی طرف سے سیرت نویسی کی بوقلمونی، رنگارنگی اور بڑھتی ہوئی دلچسپیوں کو دیکھ کر سرزمینِ بنگال کے ایک ہندو ادیب بھی اس طرف آگے بڑھنے لگا۔ اس کا نام ہے اتول کرشن مترو، اور اس کی کتاب کا عنوان ہے ''دھرم بیر کد'' (۱۱) کلکتہ شہر کے بنو بدھان برہمن سماج نے بڑے ذوق وشوق سے اس کتاب کو (سنہ ۱۸۸۵ء) میں زیور طباعت سے آراستہ کیا۔

۲۵۔ ایک سال کے بعد ہی پھر گریس چندر سین (۱۸۳۵۔۱۹۱۰) نامی ایک اور ہندو ادیب نے سیرت نگاری پر ایک کتاب مزید قلمبند کی۔ اس کا نام ہے۔ ''محمد جیون چریت'' سنہ ۱۸۸۶ء میں بنو بدھان برہمن

بیسویں صدی کی عین آغاز میں اس کے کئی ایڈیشن نکل گئے تھے۔ پھر مدتوں بعد یعنی ۱۹۵۹ء کے لگ بھگ اسلامک اکادمی بیت المکرم ڈھاکہ نے اس کے افادی پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کے کئی ایڈیشن شائع کیے۔ واضح رہے کہ ڈھاکہ اسلامک فاؤنڈیشن کا موجودہ نام ۱۹۷۴ء سے پہلے تک اسلامک اکادمی ہی تھا۔ پھر حکومت کے بدلنے سے اکادمی، کا نام بھی فاؤنڈیشن سے تبدیل ہوگیا۔

۱۱۔ بنگلہ زبان میں ''دھرم بیر'' کے معنی ہیں ''اسلام کا سچا مجاہد''

سماج مذکور نے اسے شائع کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ پھر اسی مطبع سے گریس چندر سین کے قلم سے فن سیرت پر دوسری کتاب منظرِ عام پر آئی۔ اس کا پورا نام ہے۔''مہاپورس محمد وتا نر پروبرتینو اسلام دھرم'' (۱۲) اس ہر دل عزیز کتاب کے دوسرے ایڈیشن کا سن اشاعت ۱۹۰۱ء ہے۔

۲۶۔ منشی شیخ عبدالرحیم صاحب (۱۸۵۹۔۱۹۳۱ء) نے ''رسول محمد کی جیون چریت اور دھرم بنتی'' کے عنوان سے ایک بہترین کتاب تحریر کرتے ہوئے۔ سنہ ۱۸۸۸ء میں کلکتہ سے شائع فرمایا۔ دیباچہ فہرست ضمیمہ وغیرہ کو شمار نہ کرتے ہوئے بھی یہ کتاب ۶۶۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں آپ نے رسولِ عربی کے سیرت مبارکہ اور بالخصوص ان کے خالص توحیدی مشن کو پوری طرح اجاگر کرنے کی پیہم کاوشیں کیں۔ اس طرح سے سیرت نگاری کے متعلق معلوماتی مواد فراہم کر کے انہیں ترتیب دیتے ہوئے منشی عبدالرحیم صاحب بنفس نفیس بھی شہر کی بدعات سے قطعی طور پر کنارہ کش ہو کر قرآن وسنت اور نیز توحید خالص و رسالت کے پرزور نقیب اور حامی بن گئے۔ (۱۳)

شیخ عبدالرحیم صاحب ضلع ۲۴ پرگنہ تحصیل بشیر ہاٹ کے ایک دور افتادہ گاؤں محمد پور کے باشندہ

۱۲۔ اس کا اردو ترجمہ یوں ہوسکتا ہے کہ ''محمد کی عظیم شخصیت اور ان کی پرچار کردہ اسلامی شریعت'' واضح رہے کہ عام پنڈتوں کی طرح ان دونوں نے بھی خود بڑے بننے اور بڑوں سے باز یاب ہونے کی خاطر پہلے تو خوب فارسی زبان کو اپنانا شروع کیا کیونکہ اس دور سے پہلے بھی درباری زبان فارسی ہی رہی۔ پھر انہوں نے اپنے مرشد کیشب چندر کے ایماء پر قرآن مجید و کتب سیرت کو بنگلہ میں منتقل کرنا شروع کیا۔ اس طرح سے وہ بالکل ہی غیر ارادی طور پر اسلام کی طرف مائل ہوتے چلے گئے لیکن اپنے مرشد کی طرف سے سخت رکاوٹ کی بنا پر بالآخر وہ مشرف باسلام ہوئے۔ بہر کیف ان کی حیات، خدمات پورے عقائد پر میں نے سیر حاصل بحث کی ہے۔ نیز ان غلطیوں اور لغزشات کی بھی میں نے پوری طرح نشان دہی کی ہے۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو'' بنگلہ بھاشائی قرآن چرچا'' اسلامک فاؤنڈیشن، بیت المکرم، ڈھاکہ: اگست ۱۹۸۶ء ص ۳۷۔۵۶، نیز ملاحظہ ہو میرا تحقیقی مقالہ بعنوان'' بنگلہ زبان میں گریش بابو کا قرآن ترجمہ'' بنگلہ اکاڈمی تحقیقی پتریکا'' ششماہی یعنی جنوری تا جون ۱۹۷۱ء: اردو میں ''پتریکا'' کے معنی مجلّہ و جریدہ کے ہیں۔ نیز ملاحظہ ہو ندیرا اسلام محمد سفیان: بنگلہ زبان وادب کی تاریخ جدید: (۱۲۰۰۔۱۷۰۰ء) ڈھاکہ: بنگلہ دیش مطبع چھاپا بیتھی ص ۱۷۔۲۵)۔

۱۳۔ مگر ان کے پوتے پروفیسر ڈاکٹر انیس الزمان صاحب نے ہندوستان کے ضلع ۲۴ پرگنہ بشیر ہاٹ سے ہجرت کرتے ہوئے ڈھاکہ بنگلہ دیش میں رہائش اختیار کی۔ پھر اعلیٰ تعلیم اور ڈاکٹریٹ کی ڈگری بھی حاصل کی۔ ڈھاکہ یونیورسٹی میں شعبہ بنگلہ زبان وادب کے پروفیسر بنے مگر تاہم شرک و بدعات اور دہریت کے داعی ونقیب ہی بنے رہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ڈاکٹر محمد مجیب الرحمٰن: '' بنگلہ بھاشائی قرآن چرچا'' اسلامک فاؤنڈیشن: بیت المکرم ڈھاکہ سنہ ۱۹۸۶ء، ص: ۸۹)۔

تھے۔ سیرت و سنت سے متعلق کئی تصنیفات کے علاوہ ''مہر'' اور سدعا کر'' نامی اس زمانہ کے دو معیاری ماہناموں کے مدیر مسئول بھی تھے (۱۴)۔

۲۷۔ بیسویں صدی کے عین آغاز میں ادب وفن سیرت پر ادبا، ومصنفین بنگال نے نمایاں حصہ لیا۔ چنانچہ ان میں سے محمد عبدالعزیز نامی سیرت الرسول ﷺ کے ایک سچے شیدائی نے متوسط درجہ کی ایک کتاب قلمبند کرتے ہوئے کشٹیا ضلع کمار کھالی تحصیل سے ۱۹۰۱ء میں شائع کیا۔ کشٹیا کمار کھالی ان کا اپنا علاقہ تھا۔ مقدمہ، ضمیمہ، فہرست وغیرہ کے علاوہ کتاب ہذا کے کل صفحات کی تعداد ۱۶۰ ہے۔ (۱۵)

ضلع کومیلا کے اور بھی ایک عبدالعزیز صاحب تھے جو کہ اول الذکر عبدالعزیز کے ہی ہمنام تھے۔ انہوں نے بھی سیرت نگاری کے علاوہ ترجمہ وتفسیر قرآن پر کام کیا جسے ان کے ایک ہندو ہمعصر گانیس چندر بھوڈک نے اس سے متاثر ہوکر بڑے ذوق شوق واہتمام سے شائع کرنے کی کوشش کی۔ لیکن گانیس چندر کی یہ اشاعت اس وقت نہیں بلکہ آئندہ چل کر ۱۹۳۱ء میں منظرِ عام پر آئی۔ کہتے ہیں کہ یہ گانیس چندر بھوڈک بعد میں مشرف بہ اسلام ہوگیا۔

۲۸۔ ۱۹۰۳ء میں ضلع ندیا شانتیپور کے ایک نامور و شہرہ آفاق بنگالی شار مزمل حق صاحب (۱۸۶۵۔۱۹۳۳) نے آنحضرت ﷺ کے نام سے ۱۹۴ صفحات پر مشتمل مختلف قافیوں میں ایک منظوم کتاب لکھ کر شائع کی۔ یہ شاہکار زیور طباعت سے آراستہ ہوتے ہی تعلیم یافتہ ہمعصروں نے دل کھول کر اس کی مدح سرائی کی۔ مسلمان تو مسلمان ہندو معاصروں نے بھی اس کی تعریف وتوصیف میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا حتی کہ اس کی قافیہ بندی کو دیکھ کر ہندو ادیب نے تو اسے مہرشی بلمیکی کے ایپک (Epic) راماین مہابھارت سے بھی قریب تر کہہ کر تشبیہ دی ہے۔ (۱۶)

۱۴۔ ایضاً

۱۵۔ افسوس کہ ان کے حالات وخدمات سے متعلق مجھے مزید معلومات حاصل نہ ہوسکیں اور اپنے وطن مالوف سے دور شہر نیو یارک میں رہائش پذیر ہوکر معلومات فراہم کرنا بھی مشکل ہے۔ ویسے مجھے اتنا پتہ ضرور لگا کہ کمار کھالی کے عبدالعزیز صاحب کا برابر تعلق ورابطہ کلکتہ عالیہ مدرسہ سے رہا۔ جب گریش چندرسین نے قرآن مجید کا بنگلہ ترجمہ شائع کیا تو انہوں نے گریش بابو کو ایک اہم و تاریخی خط لکھ کر بھیجا جو ان کے ترجمہ قرآن کے دیباچہ میں اشاعت پذیر ہوا۔

۱۶۔ پروفیسر منصور الدین، بنگلہ ادب میں مسلمانوں کی خدمات،

اس منظوم سیرت الرسول کی سلاست وروانی کا یہ عالم ہے کہ ماضی بعید میں یہ راقم عاجز بھی اسے فطری جذبات کے رو میں بہہ کر جھوم جھوم کر زبانی پڑھتا اور گنگنا تا رہا۔ بہر کیف فلسفہ واسلام کا یہ ترجمان اور کاروانِ ملت کا یہ حدی خوان ورہنما شاعرعبقری مزمل حق مذکور اس سیرت نگاری کے علاوہ اور بھی کافی منظوم ومنشور کتابوں کے مصنف ہیں مگر اس مختصر مقالہ میں ساری تفصیلات کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔

۲۹۔رام پران گپتا (۱۸۶۹۔۱۹۲۷ء) نامی اک ہندو ادیب ڈھاکہ کے حوائی شہر میں سکونت پذیر تھے۔ انہوں نے ۱۹۰۴ء میں ''آنحضرت محمدؐ'' کے عنوان سے ایک کتاب تالیف کی۔ مسلم ہوں خواہ غیر مسلم مختلف مذاہب کے دانشوروں کے اہم اقتباسات کو جو پیغمبر اسلام کی زندگی سے تعلق رکھتے ہوں انہوں نے اس کتاب میں شامل کر دیئے۔ چنانچہ قلیل عرصہ ہی میں یہ کتاب اس قدر ہر دل عزیز اور مقبولِ خاص و عام ثابت ہوئی نیز اطراف واکناف میں اس کی چاہت اس قدر بڑھ گئی کہ اس کے تیرہ ایڈیشن نکل گئے۔(۱۷)

پہلے ہی بتایا جاچکا ہے کہ پاک وہند اور بنگلہ دیش کے کیا ہندو، کیا عیسائی ہرکس وناکس نے اپنے مختلف فرسودہ وبدترین اغراض ومقاصد کے پیش نظر سیرت نگاری کے وسیع وعریض میدان میں قدم دھرتے ہوئے اچھی خاصی بلکہ نمایاں مسابقت ومسارعت شروع کردی۔ اس طرح صاف وشفاف سیرت النبیؐ کو داغدار، بدنما اور بھونڈا کرنے کی غرض سے ان دشمنانِ اسلام نے چاروں طرف سے عملی، تقریری وتحریری طور پر پیہم اور تابڑتوڑ یورش ویلغار شروع کردی۔ نیز اسے ناکام بنانے کی جانفشانی وکاوشوں میں کوئی کسر بھی باقی نہیں رکھی۔

چنانچہ پادری سی، بی، پی، فانڈر، پادری صفدر علی، جان مرشمین (۱۷۶۸۔۱۸۳۷)، پادری جان منرو، پادری جیکوب، ڈاکٹر ولیم کیری (۱۷۶۱۔۱۹۳۴ء) مسٹر پوئیل ولیم وارڈ (۱۷۶۹۔۱۸۳۷) روکرنڈ ولیم گولڈسیک (۱۸۶۱۔۱۹۵۰) ایچ، جی، راؤس، پادری جارج سمتھ شری فلیپ بسواس وغیرہ اسی سلسلہ کی

۱۷۔ ماہنامہ ''آگروپتھیک'' (بنگلہ) سیرت النبیؐ کے خصوصی نمبر جولائی ۱۹۸۶ء، اسلامک فاؤنڈیشن ڈھاکہ: جناب خالق بن زین الدین کا بنگلہ مضمون بعنوان ''سرزمین بنگلہ دیش میں سیرت نگاری کی اشاعت، ص۱۶۴: ڈاکٹر مجیب الرحمٰن: ''بنگلہ بھاشاتی قرآن چرچا، اسلامک فاؤنڈیشن ڈھاکہ مذکورہ بالا مہنامے کے ساتھ ساتھ اردو ماہنامے وتفاسیر بھی ملاحظہ ہوں مثلاً علامہ احسان الٰہی ظہیر کے زیرادارت ماہنامہ ''ترجمان الحدیث'' میں جناب اختر راہی کا مضمون لاہور اگست، ۱۹۷۱ء۔

مخصوص کڑیاں بن کر بے عیب سیرت النبیؐ کو داغدار اور بھونڈا کرتے ہوئے اپنی اسلام دشمنی میں مرتے دم تک پیش پیش رہے۔

مسٹر اے، ایچ ایر لے بھی انہیں مین سے ایک ہیں۔ اپنی پہلی زندگی میں اسلام اور رسولِ اسلام کے جانی دشمن تو وہ تھے ہی۔ مگر کچھ آگے چل کر وہ اس قدر شیداو فریفتہ رسول بن گئے کہ اپنی جان ہی ان کے سپرد کر دی۔ پھر اپنے علم و عمل میں مزید ترقیوں کے زینے عبور کرتے ہوئے وہ مولانا سراج الدین احمد کے نام سے مشہور و معروف ہوئے۔ بعد ازاں وہ پیغمبر اسلام کی حمایت میں ڈاکٹر مربشن کے ساتھ کبھی تقریری ورکبھی تحریری بحث میں مصروف رہے۔ بعد میں پھر کتابی شکل دے کر ان مشنری وعیسائی مبلغوں نے اسلام کے مقدس رسول کو بدنام کرتے ہوئے ان کی سوانح عمریاں لکھیں اور کبھی سر راہ پیہم تقاریر کے ذریعہ اہل اسلام کو دین سے برگشتہ کرتے ہوئے عیسائیت کی طرف مائل کرنے کی لگا تار جدوجہد کی۔ ان کی تحریف شدہ یہ سوانح عمریاں ہزاروں ولاکھوں کی تعداد میں ہر جگہ مفت تقسیم کی جاتی رہیں۔

اس طرح سے برطانوی ہندوستان British India کے گوشے گوشے اور چپے چپے میں ان عیسائیوں نے رسول اسلام کی تردید اور مخالفت میں جھوٹ موٹ کتب و رسائل کے دام تزویر بچھائے اور اپنے مکر وفریب کا ڈھونگ رچایا دراصل پیغمبر اسلام سے ان کی انتہائی عداوت نے ہی اس قسم کے فرضی وجعلی کتابچوں کو منظرِ عام پر لانے کے لئے انہیں اکسایا۔ ان عیسائی مبلغین میں سے کچھ تو بدیشی تھے مگر اکثر و بیشتر دیشی مقامی بھی تھے۔ ان جدید عیسائیوں نے کبھی تو خطیر رقم کے لیے لالچ اور کبھی محض اقتدار ہی کی ہوس میں عیسائیت قبول کر لی۔ پھر لطف کی بات ہے کہ الٹے اثرات کے طور پر بعض بدیشی و بیرونی عیسائی مبلغین آگے چل کر اسلام کی رواداری اور اندرونی حسن و جمال سے پوری طرح متاثر ہو کر پھر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے ان میں سے سطور بالا میں ہم نے ابھی صرف سراج الدین مسلم کا ذکر کیا ہے۔ (۱۸)

اس ضمن میں پادری سی، سی، پی فانڈر سمتھ کی تحریف کردہ کتاب میزان الحق ''طریق الحیات'' ''حل الاشکال'' اور ''مفتاح الاسرار'' پادری ایچ، جی راؤس کی تحریفی تصنیف ''پیغمبر عیسیٰ ومحمدؐ'' پادری صفدر علی

۱۸۔ ڈاکٹر مجیب الرحمٰن: بنگلہ بھاشاتی اور قرآن چرچا: ص۸۵۔۸۷۔

کی ''تحقیق الایمان'' اور ''نیاز نامہ'' پادری گولڈسیک کی کتاب ''اسلام میں محمدؐ'' اوراسی طرح ٹھاکر داس کی کتاب ''سیرت محمدؐ'' وغیرہ تحریف کردہ کتابیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اس طرح سے عیسائی مبلغین نے اپنے مذہب کو پھیلانے کے جنون میں اس قسم کے تحریف کردہ و مسخ شدہ ان گنت رسائل، کتابچے اور فرضی کتابیں شائع کیں ان کتابوں کا دندان شکن اور ترکی بہ ترکی جواب مسلم قلمکاران بنگال نے اسی وقت واضح الفاظ میں بجا طور پر دے دیا تھا۔ گوان مسلمانوں کے ہاں نہ تو کوئی شاہی طاقت تھی اور نہ دیگر مادی وسائل ہی دستیاب تھے۔

اس ترکی بہ ترکی جواب دینے کے سلسلہ میں جن حضرات نے عیسائیت کے تبلیغی سیلِ رواں کی روک تھام کے لئے سب سے بڑھ چڑھ کر نمایاں حصہ لیا تھا۔ ان میں سے مولوی ریاض الدین احمد مشہدی (۱۹) منشی شیخ عبدالرحیم (۲۰)، معزالدین (۲۱) احمد المعروف بہ صوفی مدھومیاں، مولانا علاؤالدین احمد (۲۲) منشی ضمیرالدین (۱۸۷۰۔۱۹۳۰ء) نام خصوصاً قابل ذکر ہیں۔

۱۹۔ ''سدھارکار'' نامی معیاری مجلّہ کے ایڈیٹر تھے مولوی مشہدی صاحب اسی مجلّہ کے صفحات میں عیسائیوں کی ریشہ دوانیوں کے تحریری جواب دیا کرتے تھے لیکن عیسائیوں نے پھر انتقام لیتے ہوئے انہیں ایک مقدمہ میں پھنسایا اور پھر مولانا وحیدالدین اور شیخ عبدالرحیم صاحب نے تحریری جواب کی ذمہ داری اپنے ہاتھوں لے لی۔ اس طرح یہ قلمی جہاد رواں دواں رہا۔

۲۰۔ بنگلہ زبان میں آپ کا شاہکار سیرت نگاری پر اولین مرحلہ میں ہی شائع ہوا تھا ہم نے اس سے قبل ہی ۔ س شاہکار پر روشنی ڈالی ہے۔ آپ مغربی بنگال کے ضلع ۲۴ پرگنہ تحصیل بشیر ہاٹ کے باشندے تھے۔ اس زمانہ میں چوٹی کے انشاء پرداز اور موحد تھے۔

۲۱۔ آپ نے عیسائیوں کے مقابلہ اور سیرت النبیؐ کی حمایت میں اپنی زندگی وقف کر دی تھی۔ اسی غرض وغایت میں آپ نے ''تفسیر حقانی'' کے مقدمہ کو بنگلہ میں منتقل کیا تھا صرف یہی نہیں بلکہ حفاظت نبوی اور ردعیسائیت میں ایک ضخیم کتاب بھی قلم بند کی اس کا نام ''شانتی کرتا'' ہے۔ اس کے اردو معنی ہیں' پیکرامن وچین'' رد تثلیث اور حفظانِ سیرت النبیؐ پر آپ کی تصنیف کردہ کتابیں اور بھی ہیں۔ اسی مقصد کے پیش نظر آپ نے اپنے دورافتادہ گاؤں اعظم پور کو خیرباد کہہ کر ہاوڑہ صدر میں سکونت اختیار کی تھی۔ پیغمبر اسلام کی سیرت پر دشمنوں کی پیہم یورش ویلغار کی روک تھام اور مقابلہ کے لئے آپ نے اپنے متعلقین اور حلقہ احباب میں سے نوجوان طبقوں کی ایک مخصوص ٹیم تیار کی تھی جنہوں نے آپ کی وفات کے بعد رسول اکرم ﷺ کی سیرت کی مہم جوئی جاری رکھی تھی' بائبل میں محمدؐ'' کے نام سے آپ کی اور بھی ایک کتاب قابل ذکر ہے۔ ڈ۔ م۔ ڈ۔ م رحمان ''رحمۃ للعالمین''۔

۲۲۔ آپ پنبہ ضلع کی تحصیل سیراجگنج کے قریب چوہان نامی گاؤں کے باشندہ تھے۔ سرکاری ضلع سکول کے فارسی کے ٹیچر تھے اور اسی تعلیم و تدریس کے دوران جو فرصت کے لمحات میسر ہوا کرتے دشمنان اسلام کے خلاف تقریری وتحریری جہاد میں مصروف رہتے۔ چنانچہ تفسیر حقانی کے بعض حصوں کا بنگلہ ترجمہ آپ نے بھی کیا تھا۔ سیرت النبیؐ کی حمایت اور تفسیری خدمات میں آپ کی تصنیفات اور بھی ہیں۔

مئوخر الذکر یعنی منشی شیخ ضمیر الدین کی تو بات ہی کچھ اور ہے۔ آپ کلکتہ کے پاس جمع ندیا کے باشندہ تھے۔ بہت ہی ذہین، ہوشمند اور کچھ افتادہ طبع مالک تھے۔ اپنی جوانی کے عالم میں چند پادریوں کی تقاریر و تصانیف سے اس قدر متاثر ہوئے کہ فوراً عیسائیت قبول کر لی پھر اس مذہب کی تبلیغ، پرچار اور سربلندی کی خاطر جان توڑ اور پیہم جانفشانی شروع کر دی۔ لگا تار کئی سال اسی عالم میں گذر جانے کے بعد جب عیسائیت کا بھوت گریز پا ہو گیا تو وہ (ضمیر الدین) پھر اسلام کے خنک سایہ تلے پناہ گزین ہو کر اس کے سچا شیدائی و دلدادہ بن گے۔

اس کے فوراً بعد ہی آپ نے اپنی برجستہ تقاریر اور تصانیف کے ذریعہ خدا جانے کتنے غیر مسلموں کو مسلمان بنایا۔ پورے ۸ سال تک عیسائیوں کے دامِ تزویر میں پھنس کر انہیں یہ تلخ تجربہ ہوا کہ مذہب واقعی کس قدر کھوکھلا، بے مغز اور فرسودہ ہے۔ عوام الناس میں تو آپ مولانا پادری کے نام سے مشہور تھے ہی ادھر علمی حلقوں میں بھی آپ کی شہرت و نیک نامی دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ آپ نے ایک دلچسپ آپ بیتی قلمبند کی۔ اس کا عنوان تھا ''دین عیسوی میں میرے ۸ سال کی طویل مدت'' اس میں آپ نے عیسائیت کا تمام پول کھول دے نیز ان کی زار سربستہ سے بھی پردہ اٹھایا۔ ترتیب وار براہین قاطعہ اور دلائل ساطعہ سے یہ ثابت کر دکھایا کہ اس دین کی عمارت کتنے مکر و فریب پر قائم ہے اور کس قدر طلسم و شعبدہ پر انہوں نے اس کی داغ بیل ڈالی ہے۔ اس طرح سے منشی ضمیر الدین نے ایک طرف عیسائیت کی بڑی مخالفت کی اور دوسری طرف رسول اکرم کی حقانیت کو کماحقہ ثابت کر دکھایا۔

چنانچہ بنگلہ زبان میں ان کا ایک اور شاہکار بعنوان ''معصوم مصطفیٰ'' ہے یہ کتاب بنگلہ سن ۱۳۳۵ء میں کلکتہ سے پہلی بار منظر عام پر آئی۔ اس میں ضمیر الدین نے پانی پت اور امرتسر کے اسلام دشمن پادری ڈ، ڈی لا بیج اور عماد الدین کی ''تواریخ محمدی''، ''ھدایۃ المسلمین''، ''نغمہ سوری'' وغیرہ کتابوں کی بڑی سخت تردید کرتے ہوئے دندان شکن جواب دیا۔ بلاشبہ بنگال میں ''معصوم مصطفیٰ'' کو وہی حیثیت حاصل رہی جو پنجاب میں ''مقدس رسول'' کو ہوئی تھی جو کہ مولانا ثناء اللہ امرتسری المتوفی ۱۹۴۸ء نے ''رنگیلا رسول'' کے جواب میں لکھی تھی۔ (۲۳)

۲۳۔ مولانا ابوالوفا ثناء اللہ کی خودنوشت سوانح حیات: ''اخبار اہل حدیث'' امرتسر مجریہ ۲۲ جنوری ۱۹۴۲ء

مئوخر الذکر کتاب یعنی ''نغمہ سوری'' کا ایک اور جواب مولانا سید محمد علی ۔نے بھی اردو میں لکھا تھا۔ اس کا نام تھا ''ترانہ حجاز'' راجشاہی یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق صاحب نے اس کا بنگلہ ترجمہ شائع کیا تھا (۲۴) اس طرح سے عیسائیوں کی تمام ریشہ دوانیاں نیز ان کی خرافات و واہیات کی بھرپور تردید کرتے ہوئے اور ان کے مدلل جوابات دیتے ہوئے ضمیر الدین نے جو چھوٹی بڑی کتابیں شائع کیں ان میں سے مندرجہ ذیل خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

۱۔ ''اسلام کی حقانیت اور عیسائیت کی شکست وریخت'' ۱۹۰۰ء میں شائع ہوئی۔ (۲۵)

۲۔ ''عیسائیت کے خلاف اسلامی تقاریر کا مجموعہ: دیباچہ کے علاوہ ۵۸ صفحات کی یہ کتاب ۱۹۱۵ء میں شائع ہوئی تھی۔ (۲۶)

۳۔ نبی محمدؐ کی برتری اور پادری کی فریب کاری: ۱۱۰ صفحات کا شاہکار ۱۹۱۶ء میں منظر عام پر آیا۔ اس میں ایک طرف تو رسول اکرم ﷺ کی خوبیوں کو اور دوسری طرف عیسائی پادریوں کی ریشہ دوانیوں کو واضح الفاظ میں اجاگر کیا گیا۔

۴۔ ''میرا قبولِ اسلام میری آپ بیتی'' تقریباً دو سو صفحات پر مشتمل اس کتاب میں آپ نے اپنی زندگی کے مختلف ادوار و مراحل پر روشنی ڈالی ہے۔ اس کی مقبولیت اور ہر دلعزیزی کا بین ثبوت یہ ہے کہ عرصہ قلیل ہی میں چار ایڈیشن نکل گئے ہمعصر قلمکاروں نے ان کتابوں کے بہترین تبصرے قلمبند کیے جو ہم عصر ماہناموں و مجلّات کی زینت بنتے رہے۔ ان رسائل و جرائد میں سے رنگپور کے ماہنامہ ''باسونہ'' (۲۷) کلکتہ کے ماہنامے ''اسلام پرچارک'' (۲۸) ''پرچارک'' اور کھرسیٹان بندھوب' نیز کلکتہ کے ماہنامہ

۲۴۔ ذ۔م۔م۔رحمان: ''بنگلہ بھاشا کی قرآن چرچا'' ایضاً ص: نیز ''رحمۃ للعالمین'': ترجمہ ذ۔م۔م رحمان راجشاہی ۱۹۹۷ء

۲۵۔ پروفیسر منصور الدین احمد: بنگلہ ادب میں مسلمانوں کی خدمات (ڈھاکہ رتن پبلشرز ۱۹۶۵ء) ج۱ ص ۲۹، ۳۲

۲۶۔ ایضاً۔

۲۷۔ مندرجہ بالا کتابوں کے علاوہ ضمیر الدین کی اور ایک کتاب ''برنباس انجیل کی پیش گوئی'' بھی ہے۔ علاوہ ازیں ہمعصر ماہناموں میں تثلیث (trinity) سے متعلق شائع شدہ آپ کے مختلف فکر انگیز مضامین بھی پائے جاتے ہیں۔ ان جرائد و مجلّات میں سے رنگپور کے ماہنامہ ''باسونہ'' (بمعنی منشاء و مقصد) وہاں کے نامور شاعر و ادیب شیخ فضل الکریم صاحب کے زیر ادارت چھپتا تھا۔ اس دور کی ادبی سرگرمیوں میں اس معیاری پرچہ کو بڑا دخل رہا ہے۔

''سدھکار''(۲۹) خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں (۳۰)۔

ہم نے یہاں ضمیر الدین کی صرف ان علمی خدمات وتصنیفات پر ہی روشنی ڈالنا مناسب سمجھا جو فقط سیرت سے متعلق ہیں۔ اسی طرح سیرت پاک کو عیسائیوں نے متعدد زاویوں سے جن الائشوں کے ساتھ ملوث وآلودہ کرنے کی جو نا کام جدوجہد کی اور علمائے بنگال نے ان کے منہ توڑ جواب دے کر کثیر تعداد میں جو کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ہم نے ان دانشور مصنفین میں سے یہاں صرف چند ایک ہی کا ذکر کیا ہے۔

اس سلسلہ کی تقریباً ساری کتابیں ۱۸ویں صدی کی اواخر کی تخلیقات ہیں۔ یہ سلسلہ بنگال کی طرح پنجاب اور شمالی وجنوبی ہند کی سرزمین میں بھی جوں کی توں جاری وساری بلکہ پورے جوبن پر تھا۔ ان میں سے غالباً رحمت اللہ کیرانوی المتوفی ۱۳۰۸ھ (مدرسۃ صولیۃ مکہ معظّمہ کے بانی) کا نام سرفہرست ہے (۳۱)۔

۳۰۔ کوئی (شاعر) شیخ فضل الکریم صاحب (۱۸۸۲ء۔۱۹۳۶ء) نے ''آنخضرت تیرجیون'' یعنی

۲۸۔ عربی واردو میں اس کی معنی ہیں مبلغ اسلام، ۱؎ ماہنامہ کے علاوہ اس دور کا ایک اور پرچہ کا نام ''پرچارک'' بھی ہے۔ دونوں کے جوائنٹ اڈیٹر معز الدین مدھ میاں ہوا کرتے تھے۔ ''مدھومیاں'' ان کا علمی نام ہے۔ اس نام کو غالباً وہ اس لئے بھی استعمال کر۔ تے ہونگے کہ عام قارئین کی آنکھوں سے اپنی ذات کو اوجھل رکھنا چاہتے تھے۔ یہ ایک وقت میں کئی پرچوں کے مدیر مسئول بھی تھے۔ ''تاریخ ترکستان'' کے نام سے ایک بہترین کتاب بھی لکھ کر آپ نے شائع کی تھی۔ آپ کی مخالفت میں پھر عیسائیوں نے بھی اپنا پرچہ ''گھریستاں بندھوب'' کے نام سے نکالا اس کے اردو معنی عیسائیوں کے گہرے دوست ہیں۔

۲۹۔ اردو میں اس کے معنی ہیں خوشگوار اور لذیذ خوارک۔ اس کے جوائنٹ اڈیٹر منشی عبدالرحیم صاحب تھے۔ یہ معیاری پرچہ ۱۸۹۲ء میں کلکتہ شہر سے جاری ہوا تھا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ڈ۔ انیس الزمان: ''مسلم بنگال کے ہمعصر جرائد و رسائل'' ص ۱۴۰: پروفیسر ڈ۔ ایم مجیب الرحمٰن: ''رحمۃ للعالمین'' اشاعت محمدیہ، راجشاہی ۱۹۹۷ء

۳۰۔ باقیوں کو سردست نظر انداز کرتے ہوئے مستقبل کا ہی میں بیقرار نگاہوں سے منتظر ہوں کیونکہ یہ مختصر سا مضمون کہاں اور کب تفصیلات کا حامل ہوسکتا ہے؟ ویسے تو مختصراً اتنا ہی جان لینا کافی ہے کہ سرزمین بنگال کے طول وعرض سے تقریباً سینکڑوں خطباء و قلمکاروں نے تقریری وتحریری طور پر اسلام دشمن عیسائیوں اور آریہ سماجوں کی بے تحاشا اور بے دھڑک تردید کی تھی۔

۳۱۔ انہوں نے نہ صرف اپنا عربی شاہکار ''اظہار الحق'' کے ذریعہ سی۔ سی۔ پی فانڈر کو زک پہنچائی بلکہ اسے بری طرح رسوا کرتے ہوئے گریز پا ہونے پر مجبور کیا۔ اسی طرح سرزمین ہندو بیرونِ ہند کے آریہ سماج ومتعدد عیسائی پادری مجلس مناظرہ ومباحثہ سے عاجز آکر بالآخر تلملا اٹھے اور پھر دم دبا کر فرار بھی ہو گئے۔ اس عربی شاہکار ''اظہار الحق'' کا پہلا ایڈیشن ۱۸۶۴ء میں شائع ہوا۔ بعد ازاں پھر عربی، اردو اور انگریزی وغیرہ میں ایڈیشن شائع ہوتے رہے۔ محمد ولی الرضاء صاحب نے اسے مکمل طور پر انگریزی کا جامہ پہنایا جو کہ کئی جلدوں پر مشتمل ہیں۔ ان کے چند شاگردانِ رشید نے جواب بھی دہاں تعلیم وتدریس میں مصروف ہیں اس شاہکار کو چھپوانے

''حیاتِ پیغمبرِ خدا'' کے عنوان سے ایک بہترین سوانح عمری لکھ کر ۱۹۰۴ء میں کلکتہ سے شائع فرمایا۔ موصوف ضلع رنگپور میں ایک دور افتادہ گاؤں ککینہ کے باشندہ تھے۔ اس سے قبل بھی میں نے یہ بتایا تھا کہ موصوف اسی گاؤں سے باسونہ (منشاؤ نامی ایک معیاری ماہنامہ اپنے زیر ادارت شائع کیا کرتے تھے) کافی کتابوں

کی ترغیب دلائی۔ چنانچہ ان کی اس ترغیب کا ہی لازمی نتیجہ ہے کہ ۱۹۹۲ء میں سعودی عرب کے (WAMY) یعنی (World Assembly of Muslim Youth نے اسے چھپوانے کا بیڑا اٹھا کر طہٰ پبلیکیشن لندن سے شائع کیا۔

بعد ازاں پھر بی، سی، فانڈر کے ساتھ مولانا کی سہ روزہ بحث و مباحثہ میں مولانا نے انہیں بڑی تیزی سے بائبل کی تقریباً ۸/۹ جگہوں میں واضح اور صریح جعلسازی دکھائی۔ اور پادری نے ایسی شکست کھائی کہ وہ بالآخر دُم دبا کر بھاگنے پر مجبور ہوگئے۔ اس کے بعد پھر مدت قلیل ہی گذرنے پائی تھی کہ مولانا کیرانوی صاحب فانڈر کی کتاب کی تردید میں ''ازالۃ الخفاء'' نامی ایک ضخیم کتاب لکھ ڈالی۔ مگر اپنی تہی دستی کی بنا پر اسے چھپوانے سے قاصر رہے۔ پھر مسودہ ہاتھ میں لے کر اپنے گھر سے نکلے تو آگرہ پہنچ کر دم لیا۔ اعیانِ آگرہ نیز وہاں کے سربرآوردہ لوگوں نے اپنے اخراجات سے کتاب مذکور کو بڑے شاندار طریقہ سے چھپوانے کا انتظام کیا۔ ۱۲۴۵ھ میں ربیع الاول کا مہینہ تھا کہ پادری فرنچ اور دیگر پادریوں کا مولانا کیرانوی کے ساتھ اس علاقہ کے وسیع و عریض میدان میں زبردست مناظرہ ہوا۔ مناظرہ کا موضوع تھا ''تحریف انجیل'' دوسری بحث ۱۸۵۴ء مورخہ اپریل ۱۰۔۱۲ میں ہوئی۔ اس میں پادریوں نے ہر چند اصرار کیا کہ مباحثہ مخفی طور پر اندرونِ خانہ میں ہو۔ مگر ڈاکٹر وزیر خان کی یہ حکمت عملی تھی کہ بجائے اندرونِ خانہ کے کھلے میدان میں ہزاروں سامعین کے رو برو مباحثہ ہوا (تفصیل کے لئے دیکھئے ڈاکٹر مجیب الرحمٰن: ''بنگلہ بھاشا قرآن چرچا'' اسلامک فاؤنڈیشن ڈھاکہ ص ۸۳) اب پوری اسلامی دنیا مولانا کا لوہا مان چکی تھی حتیٰ کہ سلطنت عثمانیہ کے سلطان عبدالحمید صاحب نے بڑی گرمجوشی سے ان کی آؤ بھگت کرتے ہوئے اپنے ہاں دعوت دی۔

لیکن ادھر ہندوستان میں فرنگی حکومت کے پیہم برداشت ظلم و ستم اور جبر تشدد سے تنگ آکر بالآخر آپ نے مکہ معظمہ کے لئے رختِ سفر باندھ لیا۔ مولانا وحید الزماں کیرانوی غالباً آپ ہی کی چشم و چراغ تھے۔ اس ضمن میں یو، پی، فتح پور اور جہان آباد کے مولانا قاسم و مولانا ابوالحسن متوفی ۱۲۸۷ھ کی تصنیفی و تبلیغی خدمات اور سرگرمیاں قابل ذکر اور درخور اعتناء بھی ہیں۔ مولانا امداد صابری بھی ان دنوں اسی میدان تصنیف میں فروکش ہوکر اور اپنا جوہر دکھائے بغیر نہیں رہ سکے۔ اس سلسلہ میں ان کے شاہکار بعنوان ''فرنگیوں کے جال'' نے تو عیسوی قلعوں میں ایک زبردست زلزلہ پیدا کر دیا اور ایک بھرپور ہلچل بھی مچادی۔ اسی طرح مولانا ابوالحسن مذکور نے بھی دریدہ دہن عیسائی پادریوں کی کارستانی و بدعنوانی کے خلاف سینہ سپر ہو گئے۔ ان دنوں وہ جہاں آباد میں ہی منصف (Judge) تھے مگر اللہ کا کرشمہ دیکھئے کہ یکا یک آگرہ میں ان کا تبادلہ ہوگیا پھر اہالیان آگرہ کے اقتصادی تعاون سے انہوں نے ''استفسار'' کے نام سے ۸۰۰ صفحات پر مشتمل ایک ضخیم کتاب شائع کی۔ اس کتاب کے جوابات اسقدر مدلل و دندان شکن تھے کہ عیسائیوں کی بڑھتی ہوئی سرگرمیاں ماند پڑ کر رہ گئی (اختر راہی: ماہنامہ ترجمان الحدیث، لاہور: اگست ۱۹۷۱ء: ڈاکٹر قاضی عبدالمنان: ''جدید بنگلہ ادب و خدمت مسلم'' ڈھاکہ ۱۹۶۹ء ص ۸) اس ضمن میں اور بھی ایک جید عالم اور نامور ہستی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ وہ ہیں مولانا ہاشم ولی اللہ لاہوری ۱۲۵۱ھ۔ ۱۲۹۶ھ اپنے بڑے بھائی شیخ صدیق کے ہمراہ کشمیر سے لاہور آکر انہوں نے میاں سنگھ قلعہ کے معروف دانشور مولانا غلام رسول کے ہاں زانوئے تلمذ تہ کر دیا۔ پھر اس عہد کے کہنہ مشق

کے مصنف تھے اور ملک وملت کے نامور وغمخوار شاعر بھی ۔ چنانچہ برسوں کی ترتیب اور حساب سے سیرت نگاروں کا جائزہ لیتے ہوئے بنگلہ زبان کے یہ مایہ ناز سپوت بیسویں صدی عیسوی کی ابتداء میں ہمیں سرفہرست نظر آتے ہیں ۔ (۳۲)

عالم مولانا احمد دین بغوی اور مولانا نور احمد کھوئی کوٹلی کے ہاں بڑی تندہی سے خوشہ چینی کی ۔ اپنی طالبعلمی کے دوران وہ مولانا محمد حسین بٹالوی المتوفی ۱۹۶۰ء کے بھی کلاس فیلو تھے ۔ اپنی عملی زندگی میں وہ لاہور میں وزیر خان مسجد اور شاہی مسجد کی درسگاہوں کے استاد بھی رہ چکے تھے ۔

رسول اکرم کو بدنام اور معرض دشنام گردانتے ہوئے عیسائیوں کی ریشہ دوانیاں اور بڑھتا ہوا سیلاب کی بروقت روک تھام اور قلع قمع کیلئے ولی اللہ لاہوری کی مندرجہ ذیل تصنیفات بالخصوص قابل ذکر ہیں ۔ ا ۔ صیانۃ الانسان ۔ ۲ ۔ ابحاث ضروریہ ۳ ۔ رموز الشیاطین ۴ ۔ مراھیس دینیہ ۔ ان کتابوں کی ترتیب وتالیف میں ڈپٹی برکت علی نے ان کی معاونت کی اور ہاتھ بٹایا ۔ (ڈ ۔ مجیب الرحمٰن : '' بنگلہ بھاشائی قرآن پرچار '' ص ۷ ۔ ۸' شیخ عبدالحق محدث دہلوی : '' اخبار الاخیار '' اردو ترجمہ کراچی ۱۹۵۳ء ڈاکٹر عبدالحق : '' قاموس الکتب '' ڈاکٹر انیس الزمان : مسلم منش اور بنگلہ ادب : ڈھاکہ ۱۹۶۴ء ص : ۳۰ ۔ ۲۲۱ فہرست بنگلہ لائبریری : دوسرا سہ ماہی تربیتی نمبر ۱۲ ۔ ۷) ۔

پیغمبر اسلام کے خلاف اپنی گھناؤنی اغراض کے فرسودہ و من گھڑت پروپیگنڈہ ایک طرف اگر عیسائی پادریوں کی جانب سے تھا تو دوسری طرف آریوں کی شدھی تحریک اور قادیانی کی جھوٹی نبوت کا دعویٰ و پروپیگنڈہ بھی کسی طرح کم نہیں تھا ۔ آگے چل کر ان تینوں تحریکات کی فوری روک تھام کیلئے فوراً ہی اس وسیع وعریض اور گھمسان کی رزمگاہ میں علمائے وقت اپنی تصنیف' تقریر اور مناظرہ کا پرچم اپنے آزمائے ہوئے بازوؤں میں لہرا کر نمودار ہو گئے ۔ ان میں سے منجھے ہوئے اہلِ علم وفن مناظرہ کے پیشوا' چوٹی کے عالم مولانا ثناء اللہ امرتسری (۱۹۴۸ء) مولانا سید نذیر حسین دہلوی' مولانا بشیر سہسوانی' مولانا عبدالسنان وزیر آبادی' مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی' قاضی سلیمان منصور پوری (۱۸۶۷ ۔ ۱۹۳۲ء) وغیرھم کے نام جلی حرفوں میں سرفہرست ہیں ۔

اول الذکر تو ماشاء اللہ مذکورہ بالا تینوں اسلام دشمن جتھوں کے خلاف اپنی پوری طاقت وبساط کے مطابق محاذ قائم کرتے ہوئے سینہ سپر بھی ہوئے نیز مرتے دم تک برسرِ پیکار بھی رہے ۔ دین اسلام کے خلاف مذکورہ بالا تینوں جتھوں کے جہاں بھی مناظرے ہوا کرتے تھے ۔ مسلمانوں کے نمائندہ بن کر آپ فوراً ایک طرف تو کوہ ہمالیہ تو دوسری طرف خلیج بنگال تک رواں دواں رہتے تھے ۔ رسول پاکؐ کی مقدس سیرت کو بھونڈ کرنے کی غرض سے جس نے بھی زبان کھولی یا قلم گھسیٹا' آپ کا اشہب قلم فوراً اس کی روک تھام اور بیخ کنی کیلئے شمشیر بے نیام بن کر چل نکلا' قلم گوید کہ من شاہِ جہانم ۔۔۔۔۔'' ۔

آپ نے اپنی پوری حیات مستعار اسی مجاہدانہ وسپاہیانہ خدمت کیلئے وقف کر دی تھی ۔ سیرت نگار پر آپ کا انمول شاہکار یہی ہے کہ آریہ سماج کی طرف سے ایک مردود نے جب '' رنگیلا رسول '' شائع کی تو آپ نے اس کے دندان شکن جواب میں فوراً '' مقدس رسول '' جیسی ضخیم ومدلل کتاب لکھ ڈالی جس پر نہ صرف تاریخ بلکہ آنے والی نسل بھی ہمیشہ ناز کرتی رہے گی ۔ (سید سلیمان ندوی : '' یادرفتگان' ۱۹۸۳ء کراچی' ص ۳۷۰ : '' ماہنامہ محدث '' ' ج ۳' شمارہ ۲ فروری ۱۹۹۹ء : عبدالرشید صفحہ ۵۴ ۔ ۵۶' عبدالمجید خادم : '' سیرت ثنائی '' مسلمان کمپنی گوجرانوالہ : علامہ احسان الٰہی ظہیر : '' القادنیت '' بنگلہ ترجمہ ۱۹۹۴ء ادارہ ابحوث العلمیہ' ریاض سعودی عربیہ) ۔ دشمنان اسلام جب چاروں طرف سے سیرت النبی پر بدنما دھبہ لگانے پر تلے ہوئے تھے ایسے آڑے وقت میں زمانہ کے اس نازک ترین بڑھتے ہوئے تقاضوں کو نباہتے ہوئے عرصہ قلیل میں ایسی

۳۱۔ شہرہ آفاق ادیب و نامور ناول نویس و افسانہ نگار خان بہادر قاضی امداد الحق صاحب ۱۸۸۲۔۱۹۲۶ء نے بھی ''نبی کہانی'' کے نام سے ایک شاندار و جاندار سوانح حیات لکھ کر ۱۹۱۰ء میں کلکتہ سے شائع کیا۔(۳۳)

۳۲۔ بنگلہ زبان وادب کے نامور مورخ، مولف ومصنف شیخ عبدالجبار صاحب (۱۸۸۱ء۔۱۹۱۸ء) ضلع مئومن شاہی غفور گاؤں کے ایک مشہور ومعروف فرد تھے۔ سیرت نگاری پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے ایک طرف جہاں انہوں نے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی تاریخ لکھی تو دوسری طرف آنحضرت جیونی (حیات رسولؐ) لکھ کر کلکتہ شہر سے تقریباً ۱۹۱۵ء کے لگ بھگ شائع کیا۔ ان کی یہ کتاب کلکتہ یونیورسٹی کے محکمہ تعلیم نے کالجوں کی ااویں جماعت کے مسلمان طلباء کی درسی کتابوں میں شامل کردی ہے۔ اسلامی ادبیات پر ان کی مہارت کا کما حقہ اعتراف کرتے ہوئے ۱۹۱۷ء میں جامعہ کلکتہ نے انہیں جماعت مذکورہ کے آخری امتحانات کے ممتحن کا عہدہ بھی پیش کیا جسے وہ پوری ذمہ داری، تندہی اور حسن وخوبی کے ساتھ نباہتے رہے۔(۳۴)

۳۳۔ مولانا محمد سعید ابراہیم پوری (۱۸۹۲۔۱۹۵۲ء) ضلع چاند پور ڈاکخانہ نرسنگپور کے ایک دور افتادہ گاؤں ابراہیم پور کے باسی تھے۔ والد بزرگوار نے گھر میں اتالیق رکھ کر ابتدائی تعلیم کا انتظام کیا۔ پھر چاند پور، چاٹگام وغیرہ شہروں میں رہ کر بھی سلسلہ تعلیم جاری رکھتے ہوئے عرفان وآگاہی میں کمال دستگاہ حاصل کی۔ بالآخر اپنی عملی زندگی میں بھی تعلیم وتعلم کے پیشے کو ہی ترجیح دی۔ بعد ازاں پھر مدارنی پور جونیئر مدرسہ میں ہیڈ کے عہدے پر فائز ہوئے (۳۵)۔

انمول تصنیف قلمبند کرنا کوئی معمولی خدمت نہیں تھی۔ رسولِ رحمتؐ کے خلاف عیسائیوں، آریہ سماج اور قادیانیوں کی تاڑتوڑ یورش کے ہر وقت مقابلہ کے سلسلہ میں مولانا قاضی سلیمان منصور پوری کی نمایاں خدمات بھی ہم نے بیان کی ہیں۔ موصوف کی انمول تصنیف ''رحمۃ اللعالمین'' اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔ اس شاہکار تصنیف کی تینوں جلدوں کو بنگلہ کا جامہ پہناتے ہوئے ڈھاکہ سے میں نے شائع کیا۔

۳۲۔ ڈاکٹر قاضی دین محمد: ''بنگلہ ادب'' ج، ڈھاکہ سٹوڈنٹ ویز، ۱۹۶۸ء، ص:۱۸۶: نذیر الاسلام محمد سفیان: ''بنگلہ زبان کی تاریخ جدید: (ڈھاکہ وبوگڑا اچھایا بیتھی)۔

۳۳۔ ڈاکٹر عبدالمنومن: ماہنامہ ''آگرہ پتھیک''، خصوصی سیرت نمبر: جولائی ۱۹۹۶ء ڈھاکہ: ص ۱۸۳۔

۳۴۔ پروفیسر منصور الدین: ''بنگلہ زبان میں مسلمانوں کی خدمات''؛ ج ۲ ص ۴۵۔۲۴۳: نیا پلٹن ڈھاکہ۔

۳۵۔ سیرت نگاری اور قرآنیات پر ان کی تصنیفات پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے اس راقم عاجز نے بنگلہ مجلّہ ''سوغات'' میں روشنی

اس مدرسہ میں تعلیم و تدریس کے دوران انہوں نے سیرت نگاری پر اپنا شاہکار ''تواریخ محمدی'' لکھ کر کئی جلدوں میں شائع کیا۔ سن اشاعت غالباً ۱۹۱۰ء ہے۔ ''تواریخ محمدی'' میں مصنف نے اپنی مختصر سی سوانح عمری بھی درج کی ہے۔ بنگلہ نظم میں انہیں اس قدر دلچسپی و دلبستگی تھی کہ جوں ہی ''تواریخ محمدی'' کی اشاعت سے فارغ ہوئے تو فوراً ہی مکمل قرآن مجید کا منظوم ترجمہ و تفسیر لکھنا شروع کر دی۔ ۱۹۵۲ء میں ایک طرف تو ان کی یہ منظوم تفسیر اور دوسری طرف ان کی حیات مستعار بھی اختتام پذیر ہوگئی۔ ''ان للّٰه وانا الیه راجعون''۔ (۳۶)

اس طرح سے مولانا محمد سعید ابراہیم پوری کی دیرینہ تمنا ان کی زندگی میں بر نہیں آئی یعنی سات جلدوں میں مکمل اپنی تفسیر کو شائع کرنے سے وہ قاصر رہے گئے۔ پھر ان کے انتقال پر ملال کے ۱۷ سال بعد ان کے خیر خواہ یارانِ کہن نے ۱۹۶۸ء میں ڈھاکہ کے مطبع مرشد سے ان مسودوں کو منظرِ عام پر لانے کا بیڑا اٹھایا۔ ان مخلص و خیر اندیشوں کے نام نامی مولوی غلام حسین اور مولوی عبدالخالق ہیں جنہوں نے بنگلہ بازانِ پیاری داس اور ڈھاکہ میں ایک مکتبہ بھی قائم کیا قرآن محل کے نام سے (۳۷) ''بہشت و دوزخ'' جیسی موصوف کی دیگر کتابوں کو بھی انہوں نے زیورِ طباعت سے آراستہ کرنے کا بیڑا اٹھایا۔

۳۴۔ بنگلہ زبان و ادب کے اور ایک تسلیم شدہ افسانہ و ناول نگار اور مانے ہوئے سیرت نگار جناب یعقوب علی چودھری ۱۸۸۶ء۔ ۱۹۳۸ء (سرتاج انسانیت) نامی سیرت النبیؐ کا پہلا ایڈیشن ۱۹۱۶ء میں کلکتہ سے چھپ کر منظرِ عام پر آیا۔ اس کا اولین ناشر تھا ''بنگیو مسلم ساھیتیہ سمیتی''، ہمعصر قارئین میں اس قدر مقبولیت و ہر دل عزیزی حاصل ہوئی کہ سب نے ہاتھوں ہاتھ لے لیا اور دل کھول کر تبصرہ بھی کیا پھر دیکھتے ہی دیکھتے قلیل سی مدت میں اس کے کئی ایڈیشن نکل گئے۔

ڈالی تھی تیس سال قبل (دیکھئے ماہنامہ ''سوغات'' شمارہ ۱۹۷۱ جنوری، ص ۳۵۴)۔

۳۶۔ پروفیسر منصور الدین: شانتی نگر ڈھاکہ ۱۹۶۴ء ج ۲، ص ۲۲۷ پل ویل پریس نیا بلٹن ڈھاکہ۔

۳۷۔ دونوں حضرات سے اس راقم عاجز کی بارہا ملاقات ہوئی تھی۔ ان کے مکتبہ قرآن محل میں جو کہ بنگلہ بازار، پیاری داس روڈ ڈھاکہ میں واقع ہے۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو محولا بالا حصہ)۔

برصغیر پاکستان و ہند میں سیرت نگاری

(دوسری صدی تا بارہویں صدی ہجری)

* ڈاکٹر سفیر اختر

برصغیر پاکستان و ہند و بنگلہ دیش میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت نگاری کے موضوع پر متعدد اہل علم نے دادِ تحقیق دی ہے۔(۱) بعض نے اسے مستقل بالذات موضوع بناتے ہوئے کسی ایک زبان کے حوالے سے اپنے نتائج غور و فکر پیش کیے ہیں۔(۲) اور بعض نے ایک خاص عہد' ایک خاص خطے کے سرمایۂ

* ادارہ تحقیقات اسلامی / بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی ، اسلام آبادZ

۱۔ لغت کی رو سے سیرت کے معنی طور طریقے اور چال چلن کے ہیں' تاہم اصطلاحاً کسی فرد کے حالات زندگی کو سیرت کہا جاتا ہے۔ اسی مفہوم میں عوانہ بن حکم کلبی (م ۱۴۷ھ/ ۷۶۴ء) کی کتاب' سیرة معاویه وبنی امیه '' اور ابوعبداللہ محمد بن عمر واقدی (م ۲۰۷ھ/ ۸۲۳ء) کی کتاب '' سیرة ابی بکر ووفاته' کے عنوانات میں لفظ سیرت استعمال کیا گیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات زندگی کو بھی ابن اسحاق (م ۱۵۱ھ/ ۷۶۸ء) اور ابن ہشام (م ۲۱۳ھ) نے عمومی اصطلاحی مفہوم میں سیرت کہا ہے۔

اردو میں بھی یہ لفظ عربی زبان کے اہل قلم کے تتبع میں کسی کے احوال و آثار کے بیان کے لیے اس کے نام کی اضافت کے ساتھ مستعمل ہے۔ ''سیرت خلفائے راشدین'' (محمد عبدالشکور لکھنوی) ''سیرت عائشہ'' (سید سلیمان ندوی)، ''سیرت ابوذر غفاری'' (محمد رضی کاظمی فتح پوری)، ''سیرت سجاد'' (سید قائم رضا نسیم امروہوی)، ''سیرت عمر بن عبدالعزیز'' (عبدالسلام ندوی)، ''سیرۃ النعمان'' (علامہ شبلی نعمانی)، ''سیرت سید احمد شہید'' (سید ابوالحسن علی ندوی)، ''سیرۃ شبلی'' (اقبال سہیل)، ''سیرت محمد علی'' (رئیس احمد جعفری) اور ''سیرت اقبال'' (محمد طاہر فاروقی) چند معروف کتابیں ہیں، تاہم آج جب کسی مضاف الیہ کے بغیر لفظ ''سیرت'' بولا جاتا ہے تو اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہی مراد ہوتی ہے۔

۲۔ برصغیر کی چند زبانوں:- اردو' بلوچی، براہوئی، بنگالی، پشتو، پنجابی، سندھی- کے ساتھ عربی و فارسی میں علمائے برصغیر کے سرمایہ سیرت نگاری کے لیے دیکھیے۔ اردو۔ نصیر الدین ہاشمی، قدیم اردو (دکھنی) میں سیرۃ النبی کا ذخیرہ،'' دکھنی (قدیم اردو) کے چند تحقیقی مضامین'' دلی: آزاد' کتاب گھر (۱۹۶۳ء)' صفحات ۲۲-۵۰' انور محمود خالد،'' اردو نثر میں سیرت رسول'' لاہور: اقبال اکادی پاکستان (۱۹۸۹ء)، محمد مظفر عالم جاوید صدیقی،'' اردو میں میلاد نامے: تحقیق۔تنقید، تاریخ'' لاہور: فکشن ہاؤس (۱۸۸۹ء)

بلوچی و براہوی:۔ انعام الحق کوثر' ذکر رسول : بلوچی و براہوئی ادب کے آئینے میں' فکر و نظر (اسلام آباد) جولائی ۔ دسمبر ۱۹۹۲ء صفحات ۹۷۔۱۰۸ سرور کونین کی مہک ۔ بلوچستان میں' کوئٹہ: سیرت اکادمی بلوچستان (۱۹۹۷ء

بنگالی:۔ وفا رشدی، بنگلہ زبان میں سیرت نگاری، سیارہ لاہور شمارہ ۱۸ مارچ ۱۹۸۴ء

پشتو:۔ سعید اللہ قاضی' پشتو میں سیرت کی کتابیں ''الحق'' (اکوڑہ خٹک)، جون ۱۹۷۸ء، صفحات ۳۷۔۴۵' جولائی ۱۹۷۸' صفحات

سیرت کا جائزہ لیا ہے۔(۳) ان متخصیصن کے ساتھ کچھ دوسرے اہل قلم نے وسیع تر تناظر میں برصغیر کے سرمایۂ علم و دانش کی فہارس مرتب کرتے ہوئے سیرت پر کتابوں کا تعارف لکھا ہے،(۴) تاہم جوں جوں خطی ذخیرہ ہائے کتب کی فہرستیں شائع ہوتی جارہی ہیں' سرمایۂ سیرت سے متعلق ہماری معلومات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ بعض کتابیں جن کے اکا دکا نسخے ہی دستیاب تھے اور جن تک رسائی بوجوہ آسان نہ تھی' اب ان کے متعدد دوسرے نسخوں کا انکشاف ہو چکا ہے اور ان کے مطالعے سے صحیح تر معلومات سامنے آرہی ہیں۔ اس حوالے سے سرمایۂ سیرت کے پیش رو جائزہ نگاروں کے مقالات میں اضافہ و ترمیم کی گنجائش پیدا ہو گئی ہے، اور میری گزارشات کی ایک وجۂ جواز یہ بھی ہے۔

پہلی صدی ہجری کے آخر میں محمد بن قاسم کی فتح سندھ (۹۳ھ/ ۷۱۱ء) سے بہت پہلے مسلمان

۳۵_۴۲' ستمبر ۱۹۷۸ء صفحات ۴۳_۴۸' اکتوبر ۱۹۷۸ء صفحات ۱۳_۲۳۔

پنجابی:۔ سلیم خان گمی، پنجابی میں سیرت نگاری۔، (المعارف لاہور) دسمبر ۱۹۸۳ صفحات ۱۳_۲۳

فارسی:۔ رحیم بخش شاہین کتاب شناسی فارسی سیرت النبی درشیعہ قارۃ دانش (اسلام آباد) مئی، ۱۳ صفحات ۹۴_۹۹

سندھی:۔ غلام مصطفیٰ قاسمی' سندھ میں علم سیرت کی ابتداء اور ارتقاء' ''المعارف'' (لاہور) دسمبر ۱۹۷۹ء صفحات ۵-۱۲ (مکرر اشاعت' جولائی۔اگست ۱۹۸۵' صفحات ۲۲۵_۲۳۲) کریم بخش خالد' سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ سندھ کے ادبی سرمائے کا جائزہ'' ''المعارف'' (لاہور)' اگست ۱۹۸۰ صفحات ۳_۱۱' گل حسن لغاری' سندھ میں علم سیرت کا ارتقاء' المعارف (لاہور) جنوری ۱۹۸۱' صفحات ۳_۱۰) میمن عبدالمجید سندھی' آزادی کے بعد سندھ میں دینی ادب کی اشاعت' سیرت پاک پر کتابیں' ''نگارشات سندھ'' لاڑکانہ / سندھی ادبی اکیڈمی (۱۹۹۲ء) صفحات ۱۰۹_۱۳۴

عربی:۔ محمد یٰسین مظہر صدیقی' ہندوستان میں عربی سیرت نگاری' آغاز و ارتقاء، ''تحقیقات اسلامی'' (علی گڑھ) اکتوبر۔دسمبر ۱۹۸۴ء صفحات ۳۶۹_۳۸۱' محمد صلاح الدین عمری' ہندوستان میں عربی سیرت نگاری۔ ایک جائزہ'' تحقیقات اسلامی'' اپریل۔ ۱۹۹۷ء، صفحات ۳۴-۴۸

فارسی:۔ رحیم بخش شاہین' کتاب شناسی فارسی سیرت النبی درشبہ قارہ دانش اسلام آباد' شمارہ ۱۳' صفحات ۹۴_۹۹،

۳۔ حکیم محمد عمران خان فن سیرت اور ٹونک برہان (دہلی)' فروری ۱۹۶۸ صفحات' مارچ ۱۹۶۸' صفحات صاحبزادہ شوکت علی خان (مرتبہ) قصر علم: ٹونک کے کتب خانے اور ان کے نوادر' ٹونک' عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ (راجستھان ۱۹۸۰' صفحات: ۲۶۶_۲۹۲

۴۔ زبید احمد, The Contribution of India to Arabic Litreature لاہور: شیخ محمد اشرف (۱۹۶۷ء)

سید عبدالحی' الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند' دمشق: المجمع العلمی العربی اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں (ترجمۃ الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند' ترجم ابو العرفان خان ندوی) اعظم گڑھ۔ دار المصنفین زبید احمد' احمد نزدی فہرست مشترک نسخہ ہای خطی فارسی پاکستان' اسلام آباد: مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان۔ جلد دہم اسلام آباد ۱۹۸۸ء

برصغیر کے ساحلی علاقوں میں آمد و رفت رکھتے تھے، اور ایک روایت کے مطابق حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں جب ۱۵ھ/ ۶۳۶ء میں حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی (م بہ اختلاف روایت ۵۱ھ/ ۶۷۱ء یا ۵۵ھ/ ۶۷۵ء) کو بحرین اور عمان کا گورنر مقرر کیا گیا تو بعد الذکر نے اپنے بھائی حضرت حکم بن ابی العاص کو تھانہ (نزد موصبائی) پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کیا تھا۔ (۵)

مگر حضرت عمر فاروق کو یہ مہم جوئی پسند نہ آئی۔ حضرت عمر فاروق کی احتیاط پسند طبیعت کے خلاف تھا کہ کسی ایسی مہم کا خطرہ مول لے لیا جائے جس میں مجاہدین اسلام کو مسلسل کمک بہم نہ پہنچائی جاسکتی ہو۔ بلادِ ہند کے بارے میں حضرت عمر فاروق کی اسی پالیسی پر عمل جاری رکھا گیا۔ اس لئے خلافت راشدہ اور بعد ازاں اموی خلافت کے ابتدائی پچاس برسوں میں برصغیر کے کوئی علاقہ اسلامی خلافت میں تو شامل نہ ہو سکا، البتہ بلوچستان، سندھ اور گجرات میں انفرادی طور پر مسلمانوں کی آمد و رفت جاری رہی۔ متعدد صحابہ کرام اور تابعین اس عرصے میں برصغیر میں وارد ہوئے اور اکادکا یہیں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ (۶)

محمد بن قاسم کی فتح سندھ کے ساتھ اس خطے میں مسلم معاشرہ کی باقاعدہ تشکیل ہوئی، مذہبی ضروریات کے لئے جگہ جگہ مساجد تعمیر کی گئیں، شہروں میں خطیبوں اور قاضیوں کا تقرر ہوا اور اس عہد کے مطابق مکاتب و مدارس کی بنیاد رکھی گئی۔ پڑھنے، لکھنے اور حساب کتاب سیکھنے کے ساتھ مسلم نظام تعلیم میں قرآن مجید کے حفظ اور روزمرہ معاملات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو مرکزی اہمیت حاصل تھی۔ ابتداءً یہ خدمت محمد بن قاسم کے ساتھ آنے والوں (مثلاً ابو شیبہ جوہری، امیر دیبل و نیرون، زیاد بن حواری، ابو قیس زیاد بن رباح قیسی، قطن بن مدرک کلابی، قیس بن ثعلبہ، کہمس بن حسن بصری اور موسیٰ بن یعقوب ثقفی وغیرہ) اور اس کے جانشینوں (مثلاً یزید بن ابی کبشہ) نے ادا کی۔ وقت کے ساتھ جب سندھ

۵۔ تفصیلات کیلئے دیکھئے۔ قاضی اطہر مبارک پوری، فاتحین ہند حضرات عثمان و حکم اور مغیرہ بنو ابو العاصی ثقفی رضی اللہ عنہ اسلامی ہند کی عظمت رفتہ، دہلی: ندوۃ المصنفین (۱۹۶۹ء)، صفحات ۲۷۔۹۰

۶۔ دیکھئے: قاضی اطہر مبارک پوری العقد الثمین فی فتوح الهند و من ورد فيها من الصحابة و التابعین مومبائی ۱۹۶۸ خلافت راشدہ اور ہندوستان، سکھر: فکر و نظر پبلی کیشنز (۱۹۸۶ء) صفحات ۲۲۷۔۲۸۰، محمد اسحاق بھٹی برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ ۱۹۹۰ء

میں مسلم معاشرہ مضبوط بنیادوں پر قائم ہو گیا تو مثالی مسلمانوں میں اہل علم پیدا ہونے لگے۔

سندھ اور گردونواح کے خطے پر عربوں کا اقتدار کم وبیش پونے چار سو سال قائم رہا۔اس عرصے میں جو خود مختار اور آزاد' امارتیں وجود میں آئیں ان میں قاضی اطہر مبارک پوری کی تحقیق کے مطابق سنجان (۷) کی امارت ماہانیہ (از درود ۱۹۸ تا حدود ۲۲۷ھ) منصورہ (۸) کی امارت ہباریہ (از حدود ۲۴۷ھ تا ۴۱۶ھ) ملتان کی امارت سامیہ (از حدود ۲۸۰ء تا حدود ۰۷۔۳۶۰ھ)' مکران کی امارت معدانیہ (از حدود ۲۴۰ھ تا حدود ۴۷۱ھ) اور قصدار (خضدار) طوران کی امارت متغلبہ (از حدود ۲۴۰ھ تا حدود ۴۷۱ھ) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

تیسری اور چوتھی صدی ہجری کا زمانہ خلافت اسلامیہ کی کمزوریوں کے باوجود ایک حد تک اسلامی تہذیب کا دور عروج تھا۔آزاد اور خود مختار امارتیں وجود میں آ رہی تھیں' جن کی باہمی چپقلشوں نے ''مثالی اتحاد'' کو مجروح کر دیا تھا تاہم خلافت کے ساتھ ان امارتوں کی وابستگی نے عالم اسلام کے بڑے حصے میں

۷۔ قاضی اطہر مبارک پوری' ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں' کراچی مکتبہ عارفین (س۔ن)' ص ۲۱

۸۔ شہداد پور (ضلع سانگھڑ) کے مہذب مشرق میں تقریباً ۸ میل کے فاصلے پر دریائے سندھ کی پرانی گزر گاہ اور جمراؤ نہر کے بائیں کنارے پر اونچے نیچے ٹیلوں کی شکل میں منصورہ کے آثار موجود ہیں۔منصورہ کی بنیاد محمد بن قاسم کے فرزند عمرو نے ۱۱۰ھ/ ۷۲۸ء اور ۱۲۰ھ/ ۷۳۷ء کے درمیان رکھی تھی۔امارت ہباریہ کا مرکزی شہر تھا مقدسی بشاری نے امارت ہباریہ کے زوال سے تقریباً چالیس سال پہلے احسن التقاسم فی معرفۃ الاقالیم (تالیف ۳۷۵) میں اپنے مشاہدات قلمبند کئے تھے۔اس کے بیاں کے مطابق منصورہ اقلیم سندھ کا سب سے بڑا شہر ہے جس کی وسعت دمشق کے برابر ہے۔یہاں کے باشندوں میں بڑی شرافت ومروت اور اصلاحی معاملات میں بڑی تازگی ہے۔علم اور اہل علم کی کثرت ہے۔لوگ فہیم وذکی ہیں' صدقات وخیرات سے کام لیتے تھے یہاں کی تجارت نفع بخش ہے۔ساتھ ہی یہاں حسن اخلاق بھی پایا جاتا ہے۔

ہباریوں کے مخالف ہمسایوں کی یلغار اور سب سے بڑھ کر جغرافیائی تبدیلیوں یعنی دریائے سندھ کے رخ بدلنے سے اس کی آبادی نقل مکانی کر گئی۔منصورہ کی شان وشوکت کم ہو گئی اور آخر قصہ ماضی بن گیا۔آج مقامی آباد منصورہ کے آثار کی جگہ کو ''داور'' کے نام سے پکارتی ہے۔تفصیلات کیلئے دیکھیے: قاضی اطہر مبارک پوری' ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں' حوالہ مذکورہ' صفحات 77-168 ایم۔ایچ۔پٹھان Arab Kingdom Of Al/ Mansurah In Sind. جامشورہ: انسٹی ٹیوٹ آف سندھالوجی' یونیورسٹی آف سندھ ۱۹۷۳ء محکمہ آثار قدیمہ حکومت پاکستان نے منصورہ میں کھدائیاں کی ہیں' اور امارت ہباریہ کی متعدد یادگاریں برآمد کی ہیں۔دیکھیے: احمد نبی خان' Al-Munsurah: A Forgotten Areb Metropolis in Pakistan کراچی' محکمہ آثار قدیمہ وعجائب گھر' حکومت پاکستان (۱۹۹۰ء)

ادارتی یک رنگی قائم کر رکھی تھی۔ اس دور میں بلاد ہند کے شہر کچھ' دیبل' منصورہ' خضدار علم دانش کے بڑے مراکز تھے' اور بالخصوص ''دیبل اور منصورہ تو عراق کے شہر کوفہ اور بصرہ کی ہمسری کر رہے تھے۔(۹)

اس دور کی تاریخ و رجال کی کتابوں میں ان شہروں کے اہل علم و دانش کے تذکرے اسی انداز میں ملتے ہیں' جس طرح سمرقند و بخارا' دمشق و بغداد اور بلاد مصر کے علماء کے تذکرے موجود ہیں۔ بلاد ہند و سندھ کے طلبہ عالم اسلام کے دوسرے مراکز میں استفادہ کے لئے جانے جاتے تھے اور متعدد سندھی نژاد اہل دانش نے اپنے وطن سے دور خراسان' عراق' شام' مصر حتی کہ اندلس میں نام پیدا کیا۔

وطن سے دور مقیم سندھی علماء' محدثین تو طبقات نگاروں کی نظر میں آ گئے اور ان کے مجمل حالات انساب' تاریخ اور طبقات کی کتب میں درج ہو گئے مگر سندھ اور بلاد ہند میں رہ کر جن اہل علم و فن نے خدمات انجام دیں' ان کے بارے میں کسی مقامی مورخ و مصنف نے کچھ نہ لکھا۔'' اس غفلت کے نتیجے میں ہندوستان کی علمی تاریخ کے نقوش نہ ابھر سکے۔ اور اگر ان کے کچھ دھندلے نقوش باقی رہ گئے تھے تو بعد کے عجمی و عقلی علوم وفنون کا سیلاب ان کو بھی بہالے گیا ورنہ صرف فقہاء و محدثین کے نام اور کام ضائع ہوئے' بلکہ اس دور کے ادباء و شعراء' حکماء' فلاسفر' متکلمین اور دیگر اہل علم و فن گوشہ گمنامی کی نذر ہو گئے۔(۱۰)

اس افسوس ناک صورت حال کے باوجود رواں صدی کے اہل علم میں سے ڈاکٹر محمد اسحاق' (۱۱) قاضی اطہر مبارک پوری (۱۲) اور بعض دوسرے اہل علم نے غیر ہندی مآخذوں سے ریزہ ریزہ چن کر محدثین' فقہاء' مفسرین و قراء اور قضاۃ و معدلین کے احوال قلمبند کئے ہیں۔

حدیث اور علم و حدیث سے قطع نظر خالص سیرت نگاری کے حوالے سے ابومعشر نجیح بن عبدالرحمٰن

۹۔ قاضی اطہر مبارک پوری' ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں مذکورہ بالا ص ۱۸

۱۰۔ قاضی اطہر مبارک پوری۔ خلافت عباسیہ اور ہندوستان' سکھر: فکر و نظر پبلی کیشنز اپریل ۱۹۸۶ء صفحات ۳۹۷۔۳۹۸

۱۱۔ ڈاکٹر محمد اسحاق' India's Contribution to the Study of Hadith literature ڈھاکہ: یونیورسٹی آف ڈھاکہ (۱۹۵۵ء)

۱۲۔ قاضی اطہر مبارک پوری ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں' مذکورہ بالا صفحات ۱۴۹۔۱۶۵' ص ۲۷۷' صفحات ۲۹۹۔۳۰' صفحات ۳۲۲۔۳۲۳' خلافت امیہ اور ہندوستان، دھلی ندوۃ المصنفین ۱۹۷۵ء' ص ۶۴۰۔۶۵۸

خلافت عباسیہ اور ہندوستان' سکھر: فکر و نظر پبلی کیشنز (۱۹۸۶ء) صفحات ۳۹۴۔۵۰۷

سندھی مدنی (م ۱۷۰ھ) کی ''مغازی'' پر ایک کتاب کا ذکر ملتا ہے۔ (۱۳)

امام عبداللہ حمید بن نصر کسی مسند کے مصنف ہیں۔ ان سے امام مسلم اور امام ترمذی نے روایت کی ہے۔ امام بخاریؒ نے اپنی ''الجامع الصحیح'' میں تعلیقاً ان کی ایک روایت درج کی ہے۔ اکثر علمائے طبقات ورجال نے انہیں وسطی ایشیاء کے شہر ''کش'' (نزد سمرقند) کی جانب منسوب کر دیا ہے۔ (۱۴)

مگر یاقوت حموی نے واضح کیا ہے کہ ان کا تعلق ''ارض ہند کے شہر'' کس (کچھ) سے ہے۔ (۱۵)

ابوجعفر محمد بن ابراہیم دیبلی (م ۳۲۲ھ) مکہ مکرمہ چلے گئے تھے وہاں فوت ہوئے انہوں نے حضرت عمرو بن حزم سے مروی نبی اکرم ﷺ کے ۲۵ مکاتیب جمع کئے تھے۔ اگرچہ ان سے پہلے ابوالحسن علی بن محمد بن عبداللہ بن ابی سیف المدائنی (م ۲۱۵) نے مکاتیب اور معاہدات نبی ﷺ پر حسب ذیل تحریریں مرتب کی تھیں۔ (۱۶)

☆ کتاب عهود النبی صلی اللّٰه علیه وسلم

☆ کتاب رسائل النبی صلی اللّٰه علیه وسلم

☆ کتاب کتب النبی صلی اللّٰه علیه وسلم الی الملوک

☆ کتاب صلح النبی صلی اللّٰه علیه وسلم

☆ کتاب من کتب له النبی صلی اللّٰه علیه وسلم کتاباً و اماناً

سخاوی (م ۹۰۲ھ) نے عمارہ بن زید کی کتاب ''مکاتبة صلی اللہ علیہ وسلم للاشراف

۱۳۔ محمد بن اسحاق ندیم' الفہرست' بیروت: مکتبہ خیاط' س۔ن' ص ۹۳

(۱۴) فواد محمد سزگین نے امام عبد بن حمید بن نصر کسی کو ''کش'' کا باشندہ قرار دیتے ہوئے ان کے علمی آثار کے بارے میں اطلاع دی ہے کہ ''المسند'' کیبعض انتخابات کے خطی نسخے مراکش' ہندوستان اور ترکی کے کتب خانوں میں موجود میں جو پانچویں سے ساتویں صدی ہجری کے لکھے ہوئے ہیں۔ ایک اور منتخب ''الثلاثیات الواقعہ فی منتخب المسند'' کے چند اوراق کتاب کانہ ایا صوفیہ (ترکی) اور قاہرہ میں موجود ہیں جو ساتویں صدی کے اوائل کے متوبہ ہیں۔ ایک اور انتخاب ''احادیث عوامل من ستۃ قاہر میں محفوظ ہے۔
ابن حجر عسقلانی نے ''الاصابۃ'' میں عبد بن حمد بن نصر کسی کی ''التفسیر'' کے اقتباسات دیئے ہیں۔ (تاریخ التراث العربی'')

۱۵۔ یاقوت حموی' معجم البلدان' بیروت: دار صادر (۱۹۷۷ء)' جلد 4' ص ۴۶۰

۱۶۔ محمد بن اسحاق ندیم' الفہرست' حوالہ مذکورہ' ص ۱۰۱

والملوک ولغیرھم '' کا ذکر کیا ہے(۱۷) مگران میں سے آج کوئی دستیاب نہیں۔ حافظ شمس الدین محمد بن علی ابن طولون (م ۹۵۳ھ) نے جب '' اعلام السالکین عن کتب سید المرسلین '' مرتب کی تو اس کے آخر میں ابوجعفر دیبلی کا '' جزو مکاتیب النبی '' نقل کر دیا۔ اس طرح یہ کتاب محفوظ ہو گئی۔ ابوجعفر دیبلی کی کتاب کے مترجم جناب محمد عبدالشہید نعمانی کی تحقیق کے مطابق مکاتیب (النبی) کے موضوع پر دستیاب باقاعدہ کتابوں میں ان (ابوجعفر محمد بن ابراہیم دیبلی) کی کتاب کو اوّلین کتاب کی حیثیت حاصل ہے۔(۱۸)

جب سندھ اور ملحق علاقوں میں مسلم امارتیں رو بہ زوال ہوئیں اور اسماعیلی اثرات بتدریج بڑھتے چلے گئے تو محسوس ہوتا ہے کہ اہل سنت علماء نے تعلیم وتدریس کا جو نظام قائم کیا تھا وہ برقرار نہ رہ سکا۔ قرآن اور مطالعہ حدیث کے ضمن میں سیرت سے جو دلچسپی تھی، علمی سطح پر کمزور پڑ گئی۔ اس دور کا سندھ (اور آج کا سندھ و پنجاب) عباسی خلفاء اور فاطمیین مصر کی مذہبی، سیاسی مخاصمت کا ایک میدان بن گیا۔ نتیجتاً اہل سنت آبادی کو نقصان برداشت کرنا پڑا۔ کہا جاتا ہے کہ امارت سامیہ کے خاتمے (حدود ۳۶۰ھ۔ ۳۷۰ھ) جو جب اسماعیلی اقتدار قائم ہوا تو جہاں ایک طرف فاطمی خلیفہ کے نام سے خطبہ جاری ہوا وہیں ملتان میں محمد بن قاسم کی تعمیر کردہ مسجد بند کر دی گئی تھی۔ ملتان کے حاکم ابوالفتح داؤد نے لاہور کے راجہ پال کو سلطان محمود غزنوی کے خلاف عسکری امداد فراہم کی تھی، کیوں کہ سلطان محمود غزنوی، خلیفہ بغداد کے وفادار کی حیثیت سے سندھ و پنجاب سے اسماعیلی اقتدار ختم کرنے کے درپے تھا، اور آخر الامر غزنوی نے ہی یہاں سے اسماعیلی اقتدار کا خاتمہ کیا۔(۴۰۱ھ)

سلطان محمود غزنوی کی جولان گاہ یوں تو برن (بلند شہر) اور سومنات تک کے علاقے تھے مگر سلطان نے پنجاب اور سندھ کے علاقوں کو غزنی کی سلطنت میں شامل کیا تھا۔ سلطان محمود غزنوی کی وفات (۴۲۱ھ) کے ساتھ غزنویوں کی قوت کمزور پڑ گئی، تاہم تقریباً پونے دوسو برس تک اس خطے پر ان کا اقتدار قائم رہا۔ غزنویوں کے بعد غوریوں نے اقتدار کا پرچم لہرایا اور جب شہاب الدین محمد غوری پنجاب کے

۱۷۔ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی، الاعلان بالتوبیخ لمن ذم اھل التاریخ ترجمہ محمد یوسف لاہور: مرکزی اردو بورڈ ۱۹۶۸ء، ص ۱۹۸

۱۸۔ محمد عبدالشہید نعمانی (مترجم) فرامین نبوی ترجمہ وشرح مکاتیب النبی، کراچی۔ الرحیم اکیڈمی (۱۹۸۶ء)، ص ۱۱

شورش پسند کھوکھروں کو تنبیہ کرنے کے بعد غزنی واپس جا رہا تھا تو ۶۰۲ھ/۱۲۰۶ء میں جہلم کے کنارے شہید کر دیا گیا اسی برس قطب الدین ایبک نے برصغیر میں مسلم سلطنت کی داغ بیل ڈالی جو ۱۲۷۴ھ تا ۱۸۵۷ء تک سرد و گرم رہتے اور نشیب و فراز سے گزرنے کے بعد سات سمندر سے پار آنے والے انگریزوں کے ہاتھوں ختم ہوئی۔

ساڑھے چھ صدیوں پر محیط اس طویل عرصے میں مسلمانوں نے برصغیر میں علم و دانش کے چراغ جلائے۔ لاہور، دہلی اور ملتان جیسے شہر اپنے مدارس، مساجد، خانقاہوں کی بدولت اور نزدیک مشہور ہوئے۔ ''صاحب تاج المآثر'' نے ساتویں صدی ہجری کے ربع اوّل میں لاہور کو 'مطلع خورشید ارباب یقین و منشاء اصحاب فضل وفتوی، مأمن زہاد و عباد و مسکن اقطاب واوتاد' قرار دیا تھا (۱۹)' لاہور میں علم و دانش کی جو خیرات بٹ رہی تھی اس کے لئے ایک دوسرے مورخ کے الفاظ میں

جوق در جوق تشنگان علوم از سائر بلاد ہند و ولایت ہائے کاشغر و
ماوراالنہر و عراق بخارا، سمرقند و خراسان و غزنی و غیر ذالک ازاں
خیر امنیع تشفع می شدنہ چندانکہ آبادانی در حدود لاہور پدید آمد (۲۰)

''سیر الاولیاء'' کے مصنف کے بقول شیخ فرید الدین گنج شکر (ولادت ۵۶۹ھ) کے زمانہ طالب علمی میں ''ملتان قبۃ الاسلام'' عام بود و فحول علماء آنجا حاضر بودندر (۲۱) یہی مؤلف دہلی کے بارے میں اطلاع دیتے ہیں کہ:۔

''شہر دہلی کہ قبۃ الاسلام گیتی است و بندگان خدائے تعالیٰ از مشائخ در مقامات و کرامات می زنند و می کشادند و علما در غوامض معانی باریک استنباط می کردند (۲۲) کم وبیش یہی کیفیت دوسرے شہروں کی تھی

۱۹۔ محمد بن حسن نظامی تاج المآثر، بحوالہ خلیق احمد نظامی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، دہلی: ادارہ ادبیات، (۱۹۸۱ء)، ص ۹۴۔ بعض دوسرے اہل قلم نے بھی ''تاج المآثر'' کے خطی نسخوں سے لاہور کے بارے میں یہ اقتباس نقل کیا ہے، خطی نسخوں کے باہمی اختلاف کے سبب اقتباس کے بعض الفاظ کم وبیش یا مختلف ہیں۔

۲۰۔ تاریخ سلاطین آل غزنین، منقولہ از شیخ محمد اکرام، آب کوثر، لاہور فیروز سنز (۱۹۷۱ء)، ص ۶۵

۲۱۔ سید محمد بن مبارک علوی کرمانی معروف بہ ''میر خورد'' سیر الاولیاء، اسلام آباد، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان (۱۹۷۸ء)، ص ۷۰

۲۲۔ ایضاً ص ۶۷

جہاں مسلم اقتدار کی جڑیں جم چکی تھیں۔(۲۳)

سلاطین دہلی (۶۰۲ھ۔۹۳۲ھ) کے بارے میں یہ معلوم ہے کہ ''وہ مساجد تعمیر کرتے تھے۔امام موذن اور مذکر مقرر کرتے تھے اور ان کو وظائف دیتے تھے اور شیخ الاسلام اور صدر الصدور کے ذریعہ مذہبی طبقہ سے تعلق قائم کرنے کی کوشش کرتے تھے۔مذہبی کاموں کے لئے اوقاف قائم کئے جاتے تھے۔مذہبی تہواروں بالخصوص عیدین اور شب برات کے موقعوں پر خاص اہتمام کیے جاتے تھے اور کئی کئی دن تک عام دادودہش جاری رہتی تھی۔شب برات میں آتش بازی چھوڑنے پر بعض علماء و مشائخ سخت اعتراض کرتے تھے، لیکن عوام کے جذبات کا ساتھ دیتے ہوئے سلاطین اس کو جاری رکھتے تھے۔فیروز شاہ کی طرف سے چراغان اور آتش بازی کا جو اہتمام ہوتا تھا اسے دیکھنے کے لئے دور دور سے لوگ آتے تھے اور ہندو بھی اس میں شریک ہوتے تھے۔رمضان کے مہینے میں بعض سلاطین روزانہ محفلیں منعقد کرتے تھے۔بعض سلاطین وعظ سننے کیلئے خود علماء کے مکانوں پر جاتے تھے۔(۲۴)

سلاطین دہلی کی اس ''اسلامیت'' کے دو امتیازی نشانات تھے، ایک فقہی مسلک میں ان کی حنفیت اور دوسرا تصوف۔نظام تعلیم و تربیت میں ان ہی کو اہمیت حاصل تھی اور اہل قلم کی جولان گاہ بھی فقہ و تصوف ہی تھے اور سیرت نگاری کے ابتدائی نقوش بھی ''افتاء و قضاء'' اور خانقاہوں سے وابستہ صوفیوں نے وضع کئے۔سلطنت دہلی باصلاحیت اور عالی حوصلہ حکمرانوں کے نااہل جانشینوں، ان کی داخلی کشمکش اور منگولوں کے حملوں سے عدم استحکام کا شکار تو ہمیشہ رہی، تاہم اس کے انتشار کا آغاز محمد بن تغلق (۷۲۵-۷۵۱ھ) کے عہد میں ہوا تھا۔اس کے آخری دور میں کئی علاقے مرکز سے علیحدہ ہو گئے تھے ان میں دکن کی بہمنی سلطنت بالخصوص قابل ذکر ہے۔فیروز شاہ نے مرکزی سلطنت کی بالادستی کی کوششیں کیں۔مگر اس کی رحلت، اور امیر تیمور کے حملے (۸۰۱ھ) کے بعد ناگفتہ بہ حالات نے جونپور، مالوہ، گجرات اور خاندیش کے متعلق صوبیداروں کو خود مختاری کا راستہ دکھایا۔اور انہوں نے سلطنت دہلی کے بالمقابل اپنا سکہ جاری کیا اور اپنے

۲۳۔ تفصیلات کے لئے دیکھئے: محمد سعید احمد مارہروی، آثار خیر، آگرہ مطبع عزیزی (۱۳۲۳ھ)، ابوالحسنات ندوی، ہندوستان کی قدیم اسلامی درس گاہیں، لاہور، مکتبہ خاور (۱۹۷۹ء)

۲۴۔ خلیق احمد نظامی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، دہلی: ادارۂ ادبیات (۱۹۸۱ء) صفحات ۵۳۔۵۴

نام کا خطبہ پڑھایا۔نویں صدی/ پندرھویں صدی کے نصف اوّل میں دہلی کی سلطنت اتنی کمزور ہوگئی تھی کہ قریب و جوار کے علاقوں کے علاوہ ہمیں بھی اس کا اقتدار باقی نہ تھا۔سلطنت دہلی کے زوال اور انتشار سے برصغیر کے مسلم معاشرے کو جو نقصان پہنچا تھا سو پہنچا' تاہم اس صورت حال میں علم وفضل کی سرپرستی کے ایک سے زیادہ مرکز وجود میں آ گئے۔ جونپور' احمد آباد اور برہان پور اچھے وقتوں کی دہلی سے آنکھ ملانے لگے۔

سلطنت دہلی کی ابتدائی دو صدیوں یعنی ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری/ تیرہویں اور چودھویں صدی عیسوی میں سیرت نگاروں کے حوالے سے کوئی زیادہ تصانیف ہمارے ہاتھ میں ہیں۔ اہل قلم اپنی تصنیفات کا آغاز حمد و نعت سے ضرور کرتے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مسعود کے برکات کا ذکر کرتے تھے اور مؤرخین اور اپنے دور کے واقعات قلمبند کرنے سے پہلے روایتی انداز میں حضرت آدم سے لے کر اپنے عہد تک کے احوال متقدمین کی کتابوں سے نقل کر لیتے تھے' یا اپنی زبان میں لکھ دیتے تھے۔ قاضی منہاج سراج جوزجانی (م بعد ۶۵۸ھ) نے ''طبقات ناصری'' (تألیف: ۶۵۵ھ۔ ۶۵۸ھ) کے ''الطبقة الاولی'' میں حضرت آدمؑ سے حضرت محمد ﷺ تک انبیاء کا اختصار سے ذکر کیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے اجداد' صفات' معجزات' اسماء' والقاب اور ہجرت تا رحلت کے تمام حالات ۲۴۔۲۵ اختصار میں نپٹا دیئے ہیں ۔ان کا مقصود بالذات ''سیرت النبی'' نہیں۔ بلکہ تاریخ لکھنا تھا' یہی سبب ہے کہ ان کے ماخذ میں سیرت کے حوالے سے ''سنن ابی داؤد'' کے علاوہ کوئی دوسری کتاب ہی نہیں (۲۵)

ایک دوسرے مؤرخ ضیاء الدین برنی (م ۷۸۵ھ) جس کی شہرت '' تاریخ فیروز شاہی'' کے مصنف کی حیثیت سے ہے' اس نے اپنی تصنیفی زندگی کا آغاز سیرت کے موضوع پر کتاب '' ثنائے محمدی'' یا نعت محمد (فارسی) لکھ کر کیا تھا۔ اس میں خصائص نبی' معجزات اور معراج وغیرہ سے بحث کی گئی ہے۔ مگر اس تاحال غیر مطبوعہ کتاب سے علمی سطح پر کوئی '' زیادہ توقع نہیں وابستہ کرنا چاہیے۔ (کہ) برنی (کا) مکمل طور پر اپنی یادداشت پر (انحصار) تھا۔اس کی دسترس میں کسی قسم کی مستند تالیفات نہیں تھیں'' اور واضح ہے کہ '' اس

۲۵۔ قاضی منہاج سراج' طبقات ناصری (بہ مقابلہ وتصحیح وتحشیہ وتعلیقات عبدالحی حبیبی قندہاری) لاہور۔ دانش گاہ پنجاب (۱۹۵۴ء) جلد دوم' صفحات ۷۵۶۔۷۶۷

طرح کی صورت حال میں کوئی عالمانہ کام ممکن نہیں تھا۔(۲۶)

ضیاء الدین برنی کے ہم عصر میر سید علی ہمدانی سے دو صفحات پر مشتمل ''حلیہ مبارک'' (عربی مع فارسی ترجمہ) اور اس کی اسناد (فارسی) ملحق ہیں۔(۲۷) جسے سیرت النبی پر کوئی کتاب یا رسالہ تو قرار نہیں دیا جاسکتا۔ البتہ یہ ایک اچھی یادداشت ہے جس کی تائید دوسرے اہل علم کے بیانات سے ہوتی ہے۔

آٹھویں صدی ہجری میں شیخ رکن الدین دبیر کاشانی نے اپنے مرشد حضرت برہان الدین غریب (م ۷۳۸ھ) کے ایماء پر تصوف کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے اس فن کے بنیادی اصولوں اور آداب پر ایک کتاب ''شمائل الاتقیاء'' (فارسی) تالیف کی اس کے چار ابواب (اقسام) میں سے تیسرا باب (قسم) ''درصفات وذات الٰہی ومتعلقات آن وفضائل خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' ہے (۲۸)

آٹھویں صدی ہجری کے نصف آخر میں نبی اکرم ﷺ کا ذکر خیر طویل نعتیہ قصائد کی شکل میں بھی نظر آتا ہے اضی عبدالمقتدر کندی دہلوی (م ۷۹۱ھ) کا قصیدہ لامیہ (بہ تقلید ''لامیۃ العجم موید الدین اسماعیل بن الحسین ظفرائی م ۵۱۴ھ'') اور شیخ احمد بن محمد تھانیسری (م ۸۲۰ھ) کے ''قصیدہ والیہ'' کی تذکرہ نگاروں اور عربی ادب کے جوہر شناسوں نے بہت تعریف کی ہے۔(۲۹) قاضی عبدالمقتدر کے شاگردوں

۲۶۔ محمد حبیب و بیگم افسر عمر سلیم خان، سلاطین دہلی کا سیاسی نظریہ (مع ترجمہ ''فتاویٰ جہاں داری) نئی دہلی: ترقی اردو بورڈ (۱۹۷۹ء) صفحات ۲۴۰

۲۷۔ ''حلیہ مبارک'' کے متن کیلئے دیکھئے: سیدہ اشرف ظفر، امیر کبیر سید علی ہمدانی لاہور ندوۃ المصنفین (۱۹۷۲ء)

۲۸۔ شمائل الاتقیاء'' صوفیاء اور بالخصوص دکن کے چشتی صوفیاء میں بہت مقبول رہی ہے۔ پروفیسر نثار احمد فاروقی کی اطلاع کے مطابق'' اسے خانقاہوں میں ایک نصابی کتاب کی طرح پڑھا جاتا تھا'' (نقدِ ملفوظات' لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ ۱۹۸۹ء ص ۲۰۹)۔ شمائل الاتقیاء کا فارسی متن ادارہ اشاعت العلوم۔ حیدر آباد دکن نے ۱۳۴۷ھ میں شائع کیا تھا۔ شمائل الاتقیاء'' کو میراں یعقوب دکنی نے ۱۰۷۸ھ میں اردو میں منتقل کیا۔ اس ترجمے کے خطی نسخے دکن کے کتب خانوں میں عام ملتے ہیں۔ (دیکھئے اختر راہی، ترجمہ ہائے متون فارسی بہ زبان پاکستانی' اسلام آباد' مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان ۱۹۸۵ء صفحات ۶۸-۶۹ میں بدیع حسینی نے'' شمائل الاتقیاء'' کا انتخاب شعبہ اردو۔ عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد کی جانب سے شائع کیا ہے۔ ۱۹۶۷ء

۲۹۔ قاضی عبدالمقتدر کے قصیدے اور اس پر تبصرے کیلئے دیکھیے: شیخ عبدالحق دہلوی' اخبار الاخیار' دہلی: مطبع مجتبائی (۱۳۳۲ھ)' صفحات ۱۵۰-۱۵۱' رحمان علی' تذکرہ علمائے ہند (مترجمہ محمد ایوب قادری)' کراچی: پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی (۱۹۶۱ء)' صفحات ۳۲۳۔ سید عبدالحی رائے بریلوی' نزہۃ الخواطر' حیدر آباد: دائرۃ المعارف (۱۹۴۸ء)' جلد دوم' صفحات ۶۷-۷۰' زبید احمد' حوالہ مذکورہ' صفحات ۲۴۰-۲۴۲

میں جن لوگوں نے شہرت پائی، ان میں محمد بن یوسف (م ۸۲۵ھ) جو خواجہ گیسو دراز کے عرف سے حلقہ صوفیاء میں متعارف ہیں، اور جونپور کی شرقی سلطنت کے ملک العلماء شہاب الدین دولت آبادی (۸۴۸ھ) کے نام بہت نمایاں ہے۔ حضرت خواجہ گیسو دراز کے سوانح نگاروں نے ان کے ایک رسالے "سیر النبی" کا ذکر کیا ہے۔ (۳۰)

فیروز شاہ تغلق کے عہد (۷۵۲ھ۔۷۹۰ھ) میں حجاز سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب تین تبرکات کلید کعبہ، موئے رسول اور قدم رسول دہلی لائے گئے تھے۔ فیروز شاہ نے ان تبرکات سے اپنی عقیدت و محبت کا اظہار کیا۔ کلید کعبہ اور موئے رسول کا ذکر تو سیرت "فیروز شاہی" میں ملتا ہے لیکن قدم رسول کے بارے میں کوئی معاصر شہادت دستیاب نہیں۔ (۳۱) تاہم دہلی میں "قدم رسول" فیروز شاہ تغلق کے چہیتے بیٹے فتح خان کی قبر پر نصب ہے (۳۲) عہد سکندری میں قدم رسول پر ہر جمعرات کو مجلس ہوتی

شیخ احمد بن محمد تھانیسری کے قصیدے اور اس پر تبصرے کیلئے دیکھیے: شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار، حوالہ مذکورہ، صفحات ۱۴۴-۱۴۶، تذکرہ علمائے ہند، حوالہ مذکورہ، صفحات ۱۰۲-۱۰۳، سید عبدالحی رائے بریلوی، نزہۃ الخواطر، حیدر آباد: دائرۃ المعارف (۱۹۵۶ء)، جلد سوم، صفحات ۱۳-۸، زبید احمد، حوالہ مذکورہ، ص ۲۴۲، صفحات ۴۸۰-۴۷۹۔

۳۰۔ صباح الدین عبدالرحمٰن، بزم صوفیہ، اعظم گڑھ: دار المصنفین (طبع سوم: س۔ن)، ص ۵۸۴

۳۱۔ خلیق احمد نظامی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، حوالہ مذکورہ، ص: ۴۲۳، ۴۲۳، ۴۲۴

۳۲۔ دہلی کے "قدم شریف" اور درگاہ قدم شریف" کے لئے دیکھئے: سر سید احمد خان آثار الصنادید، بشیر الدین احمد، واقعات دار الحکومت دہلی، دہلی: اردو اکادمی (۱۹۹۰ء) جلد دوم، صفحات ۵۳۷، ۵۴۲، ۵۴۲، سید احمد شہید کی تحریک اصلاح و جہاد کے زمانے میں "قدم شریف" کی اصلیت اور آثار رسول سے توسل کی حقیقت پر غور و فکر کیا گیا۔ مولوی عبدالکریم (م ۱۲۹۱ھ) نے برہان محکم علی خذ وان من نفی اثر القدم اور مولوی فرید الدین نے "سیف المسلول علیٰ من انکر اثر قدم الرسول" کے نام سے قدم شریف کی صحت اور توسل کے اثبات رسائل مرتب کئے۔ جن کا محاکمہ میاں سید نذیر حسن (م ۱۳۲۰ھ) نے "الدلیل المحکم فی نفی اثر القدم"، "فخر المطابع۔ دہلی ۱۲۶۷ھ) میں کیا ہے۔ اس سلسلے کی ایک اور کتاب الاستشفاع و التوسل باثار الصالحین و سید المرسلین حافظ محمد دہلوی عمر عرف سراج الحق بن فرید الدین (خادم اسلام پریس۔ دہلی ۱۲۲۹ھ) سے یادگار ہے۔

قدم رسول کے بارے میں یہ امر دلچسپی کا باعث ہے کہ برصغیر کے طول و عرض میں متعدد ایسے آثار موجود ہیں۔ محمد ایوب قادری نے ایسے ۴۳ زیارتوں کی نشاندہی کے بعد لکھا ہے۔ آنولہ، دیوبند، رام پور، دہلی، لاہور، بدایوں، اور کراچی کے قدم شریف ہم نے خود دیکھئے ہیں۔ لمبائی وچوڑائی، انگلیوں کی ساخت، نقش کی گہرائی، پتھروں کی اقسام کے اعتبار سے ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھے اور زبان حال سے اپنے وضعی و جعلی ہونے کا اعلان کر رہے ہیں۔ (برصغیر میں قدم شریف" کی زیارتیں) ضمیمہ کتاب "حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت"

تھی۔(۳۳) یقیناً اس مجلس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر خیر' بالخصوص خصائص وفضائل کا چرچا رہتا ہوگا۔ یہ قیاس اس لئے کیا جا سکتا ہے کہ تغلق دور میں مصر اور برصغیر کے درمیان آمدورفت میں خاصا اضافہ ہو گیا تھا۔ اور میلاد کی مجلسوں کا رواج برصغیر میں ہونے لگا تھا۔(۳۴) عہد سلطنت میں براہ راست میلاد النبی کے حوالے سے کسی تالیف کا ذکر تو نہیں ملتا' تاہم قاضی شہاب الدین دولت آبادی (م ۸۴۶ھ) کی ایک عبارت حکیم عبدالشکور مرزاپوری نے میلاد کے عدم جواز میں نقل کی ہے(۳۵) دوسرے لفظوں میں تردید کی ضرورت اسی لئے پڑی تھی کہ میلاد کا چرچا ہو رہا تھا۔

سلطنت دہلی کے مدمقابل علاقائی حکمرانوں کے ہاں بھی نعت اور سیرت پر توجہ دی گئی۔ شرقی سلطنت جونپور کے ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی نے اپنے استاد عبدالمقتدر دہلوی کی مجالس میں شعروادب کا جو ذوق پروان چڑھایا تھا' اس کے نتیجے میں ''قصیدہ بانت سعاد'' کی جامع شرح ''مصدق المفصل'' وجود میں آئی۔(۳۶) قاضی شہاب الدین دولت آبادی نے اس شرح میں قصیدہ نگار کعب بن زہیر کے مختصر حالات اور اس کی شعری صلاحیت پر تبصرے کے ساتھ لغت' صرف' نحو' معانی' بیان'

کراچی' ایچ ایم سعید کمپنی اگست ۱۹۷۵ء صفحات ۲۳۱۔۲۴۳

۳۳۔ رزق اللہ مشتاقی' واقعات مشتاقی

۳۴۔ مولانا سید سلیمان ندوی (م ۱۳۷۳ھ) کی رائے میں میلاد کی مجلس کا رواج ''غالباً چوتھی صدی ہجری'' میں ہوا تھا۔ (سیرۃ النبی' کراچی: دارالاشاعت' جلد سوم' ص ۲۶۴)' مگر مورخین میلاد رائے میں اولاً موصل کے ایک نیک سیرت فرد عمر بن محمد نامی شخص نے تخصیص وتعیین تاریخ کے ساتھ ربیع الاول میں مجلس مولد کا اہتمام کیا جس کی پیروی ابوسعید مظفر (م ۶۳۰ھ) سلطان اربل نے کی۔ سلطان اربل کو میلاد النبی کی تقریب منانے سے بدرجہ عشق لگاؤ تھا۔ اور ابوالخطاب عمر بن حسن معروف بہ ابن دحیہ کلبی بلنسی (۵۴۴ھ۔۶۳۳ھ) نے مولود کی پہلی کتاب ''التنویر فی مولد السراج المنیر'' (بعض کتابوں میں اس کا نام ''التنویر فی مولد البشیر والنذیر'' بھی لکھا گیا ہے) اس کیلئے لکھی تھی اور ان دونوں کے معاصر ابن خلکان (م ۶۸۱ھ) صاحب ''وفیات الاعیان'' کے بقول ابن دحیہ کلبی نے سلطان کے سامنے مولود پڑھا اور ایک ہزار اشرفی انعام حاصل کی تھی۔

''میلاد النبی'' کے جواز یا عدم جواز کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا' اور لکھا جا رہا ہے' تاہم یہ حقیقت ہے کہ مسلمان معاشروں میں جزوی طور پر میلاد کی تقریبات کا اہتمام ہوتا رہا ہے' اور ان تقریبات ومجالس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر خیر کے حوالے سے چھوٹی بڑی کتابیں لکھی جاتی رہی ہیں۔ (تفصیل کیلئے دیکھیے: ابن خلکان' وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان' قاہرہ: مکتبۃ النہضۃ المصریہ (۱۹۴۸ء)' جلد ۳' صفحات ۱۲۲-۱۲۱

۳۵۔ حکیم عبدالشکور مرزاپوری' تاریخ میلاد' لکھنو: الفرقان بک ڈپو (۱۹۷۶ء)' ص ۱۱۱' ص ۱۵۹

۳۶۔ قصیدہ بانت سعاد کی یہ شرح حیدر آباد دکن سے ۱۳۲۲ھ میں شائع ہوئی تھی۔

بدیع اورعروض کی روشنی میں ایک ایک شعر کی شرح لکھتے ہوئے ''حاصل'' کے زیرعنوان سے اپنی رائے دی ہے۔ جناب احمد منزوی نے ایک غیر معروف شاعر ''عبدی'' کی منظوم ''سیرۃ النبی'' (فارسی) کے ایک نسخے کا ذکر کیا ہے جو ۸۱۹ھ میں نظم ہوئی تھی۔ شاعر نے اپنی کاوش ''ابراہیم سلطان'' کے نام معنون کی ہے۔ کتاب میں ابراہیم کے ساتھ شہزادوں کی تعریف کی گئی ہے۔ (۳۷) یہ ''سیرۃ النبی'' کس ''ابراہیم سلطان'' کے نام معنون ہے؟ گمان غالب ہے کہ سلطان ابراہیم شرقی ہے جو ۸۰۴ھ سے ۸۴۴ھ تک حکمران تھا۔

جونپور کی شرقی سلطنت کے ساتھ شاہان گجرات بھی اصحاب علم وفضل تھے۔ گجرات میں ابوبکر بن محمد بھروچی (م۹۱۵ھ) نے ۹۱۰ھ میں محمود شاہ اول (م۹۱۷ھ) کیلئے قاضی عیاض اندلسی کی ''الشفاء بتعریف حقوق المصطفی''، کو ''عین الوفا'' کے نام سے فارسی میں منتقل کیا۔ (۳۸) محمود شاہ کا جانشین مظفر شاہ ہوا جو اپنے ذاتی تدین وتقویٰ کے ساتھ اہل علم کا سرپرست تھا۔ اس کے عہد میں یمنی عالم جمال الدین محمد بن عمر مبارک بہ بحرق الحضرمی (۳۹) (م۹۳۰ھ) شاگرد علامہ سخاوی برصغیر آئے۔ مظفر شاہ نے ان سے حدیث کا درس لیا تھا' اور ایک دوسرے نووارد یمنی عالم محی الدین عبدالقادر عیدروس احمد آبادی (م۱۰۳۸ھ) کے بقول بحرق الحضرمی ''علماء الراسخین والائمہ اتجرین'' میں سے تھا۔ بحرق الحضرمی نے اپنے سرپرست مظفر شاہ کیلئے ''تبصرہ الشاہیہ بسیرۃ الحضرۃ النبویہ'' (۴۰) (عربی)'' تالیف کی۔ بحرق

۳۷۔ احمد منوی، فہرست مشترک نسخہ ہای خطی فارسی پاکستان، اسلام آباد: مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان (۱۹۸۶ء)، جلد ہفتم، صفحات ۴۸۶-۴۸۷

۳۸۔ یو۔ ایف آرگل فارسی بر بنای تالیف استوری' تہران: مؤسسہ مطالعات فرہنگی (۱۳۶۲ھ ش)' جلد دوم' صفحات ۷۶۸-۷۶۹ ''عین الوفا'' کا ایک نسخہ محکمہ قضاۃ بھروچ کے کتب خانے میں تھا۔ اس کا تعارف کراتے ہوئے قاضی سید نورالدین حسین بھروچی نے' واللہ اعلم یہ کیوں لکھ دیا ہے کہ اس کا ترجمہ مترجم ابوبکر بن احمد بھروچی نے خود مصنف کے ایماء سے کیا تھا' حالانکہ مصنف اور مترجم کے درمیان چار صدیوں کا فصل ہے۔ ''ضمیمہ۔ گجرات کے کتب خانے'' ''معارف (اعظم گڑھ)' جولائی ۱۹۴۹ء ص ۶۴

۳۹۔ تعارف کیلئے دیکھیے: ظہور احمد اظہر' شیخ جمال الدین بحرق الحضرمی'' ''اورینٹل کالج میگزین (لاہور)' مارچ۔ جون ۱۹۷۲ء' صفحات ۲۱۵۔۲۳۲

۴۰۔ ڈاکٹر ظہور احمد اظہر نے اس کتاب کا نام ''تبصرہ الحضرۃ الشاہیۃ الاحمدیہ بسیرہ النبویۃ احمد'' لکھا ہے۔ ان کی رائے کے مطابق یہ بحرق الحضرمی کی ان کتابوں میں سے ہے جن کے صرف نام ملتے ہیں۔ حوالہ مذکورہ' ص ۲۳۲۔

الحضرمی نے قصیدہ ''لامیۃ العجم'' پرصلاح الدین خلیل بن ایبک صفدی (م۷۶۴ھ) کی مفصل ''شرح لامیۃ العجم'' کواس کے حشو وزوائد سے پاک کرتے ہوئے'اور کچھ اضافات کے ساتھ ایک نئی کتاب ''نشر العلم فی شرح لامیۃ العجم'' کی شکل دی ہے۔کتاب ''نشر العلم فی شرح لامیۃ العجم'' قاہرہ سے ۱۳۰۹ھ میں شائع ہوچکی ہے۔محی الدین عبدالقادر عیدروس (۴۱) کی زیادہ شہرت تو دسویں صدی ہجری کے اہل علم کے تذکرے ''النور السافر عن اخبار القران العاشر'' کی بدولت ہے' تاہم ان سے سیرۃ النبی پر چار مختلف کتابیں یادگار ہیں۔انہوں نے نبی اکرم ﷺ اور عشرہ مبشرہ کے احوال میں ''الحدائق الحضرۃ فی سیرۃ و اصحابہ العشرۃ'' اور سیرۃ النبی پر مختصراً ''اتحاف الحضرۃ العزیزہ لعیون السیرۃ الوجیزۃ'' لکھی ہے۔میلاد النبی پر ''المنتخب المصطفی من اخبار المولد المصطفی'' اور معراج نبی پر ''المنہاج الی معرفۃ المعراج'' ان کی کاوشیں ہیں۔ایک کتاب اصحاب بدر کے بارے میں **''الانموذج اللطیف فی اھل بدر الشریف''** بھی ان سے یادگار ہے۔محی الدین عبدالقادر عیدروس نے سیرت نگاری میں روایات کی چھان پھٹک سے کام لیا ہے۔ان کی سیرت نگاری متصوفانہ رجحانات سے بھی پاک ہے۔

برہان پور (خاندیش) کے اہل علم میں سے ایک محدث علی بن حسام متقی (م۹۷۸ھ) ہیں جن سے ایک رسالہ ''شمائل النبی'' ملتا ہے۔(۴۲) برہان پور کے ہی ایک دوسرے' سندھی نژاد عالم شیخ طاہر بن یوسف (م۱۰۰۴ھ) سے ''المواہب اللدنیہ'' کا انتخاب تیار کیا تھا۔(۴۳)

۴۱۔ احوال و آثار کیلئے دیکھیے: سید عبدالحی رائے بریلوی' یاد ایام یعنی مختصر تاریخ گجرات' لکھنؤ: مجلس تحقیقات ونشریات (۱۹۸۳ء)' ص۱۰۲' حوالہ مذکورہ' صفحات ۱۷۵-۱۸۲' صفحات ۲۷۶-۲۷۷' صفحات ۳۵۵-۳۵۶' صفحات ۳۷۵-۳۷۶' صفحات ۴۴۶-۴۴۷' ص۴۷۱

۴۲۔ عبدالرحیم' لباب المعارف العلمیہ فی مکتبۃ دار الاسلامیہ (پشاور) آگرہ: آگرہ اخبار' (۱۹۱۸ء)' ص۷۶۔ ڈاکٹر زبید احمد نے مولوی عبدالرحیم' اور کتب خانہ علی گڑھ کے فہرست نگار پر انحصار کرتے ہوئے رسالہ ''شمائل النبی'' کو عربی تحریر قرار دیا ہے۔بعض دوسرے فہرست نگاروں نے اسے فارسی کتابوں میں شمار کیا ہے: دیکھیے: منظور احسن عباسی' تفصیلی فہرست مخطوطات فارسیہ پبلک لائبریری۔ لاہور' لاہور (۱۹۶۳ء)' صفحات ۴۱۶-۴۱۷' پنجاب پبلک لائبریری کا نسخہ ایک نمائش میں پیش کی گیا تو نمائش کے فہرست نگار۔نے بھی اسے فارسی کتابوں میں درج کیا۔دیکھیے: فہرست کتب سیرت' لاہور: مجلس اسلامیات' اسلامیہ کالج (۱۹۶۳ء)' ص۱۱

۴۳۔ محمد غوثی شطاری مانڈی' اذکار ابرار ترجمہ گلزار ابرار (مترجمہ فضل احمد جیوری)' لاہور: اسلامک بک فاؤنڈیشن (۱۳۹۵ھ)' ص۴۳۲' سید محمد مطیع اللہ راشد' برہان پور کے سندھی اولیاء حیدر آباد: سندھی ادبی بورڈ (۱۹۸۸ء)' ص۸

گجرات اور یمن کے درمیان آمدورفت کے باعث عربی زبان سے اعتناء میں اضافہ ہوا۔ یمنی اہل علم اپنی مادری زبان عربی میں تصنیف و تالیف کر رہے تھے۔ عربی زبان کی کتابیں برصغیر آ رہی تھیں' اور مقامی علماء کے ہاں بھی ان سے اخذ و استفاد میں اضافہ ہو رہا تھا۔ شیخ محمد بن احمد فاکہی (م ۹۹۲ھ)۔ کے بارے میں کہا جاتا ہے۔ کہ انہوں نے ابن سید الناس اندلسی کی ''نور العیون فی تلخیص سیرۃ الامین و المامون'' حفظ کر رکھی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وعظ و تذکیر میں واقعات سیرت کو کیا حاصل تھا۔

علاقائی حکمرانوں کے ساتھ دہلی اور اس کے گرد و نواح میں بھی کچھ نہ کچھ سرگرمیاں جاری تھیں۔ اس سلسلے میں ''غازی'' تخلص کے ایک شاعر کے فارسی مثنوی بہ عنوان ''سیرت المصطفی'' کے تین نسخے دستیاب ہیں (۴۴) مگر شاعر کے تخلص کے علاوہ کوئی اور معلومات معروف تذکروں میں نہیں ملتیں۔ جناب احمد منزوی نے اسے نویں۔ دسویں ہجری کی تخلیق قرار دیا ہے۔

سکندر لودھی کے دربار سے وابستہ ایک عالم شیخ عبدالوہاب بخاری (م ۹۳۲ھ) تھے۔ انہوں نے ''شمائل النبی'' کے نام سے ایک رسالہ لکھا اور چند نعتیہ قصائد کہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ان کی تفسیر قرآن (تالیف ۹۱۵ھ) کا ذکر ہے۔ شیخ عبدالحق دہلوی کے بقول ''اکثر قرآن بلکہ تمام آں را ارجاع بنعت پیغمبر و ذکر او کردہ ﷺ و لبسیاری از دقائق عشق و اسرار محبت در آن جا درج کردہ است۔ (۴۵)'' شیخ عبدالحق نے ''غالباً غلبہ حال و استغراق'' میں لکھی ہوئی اس تفسیر کے اقتباسات درج کیے ہیں۔ (۴۶)

مولانا مناظر احسن گیلانی کے بقول: ''عوام میں ان (شیخ عبدالوہاب بخاری) کے کام نے بڑی

۴۴۔ احمد منزوی' حوالہ مذکورہ' جلد سوم' صفحات ۶۲۱-۶۲۲

۴۵۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی' حوالہ مذکورہ' ص ۲۱۵' شیخ دہلوی کے شاگرد محمد صادق دہلوی اور دوسرے تذکرہ نگاروں نے عبدالوہاب بخاری حالات اور تفسیر میں کم و بیش ''اخبار الاخیار'' کی عبارت دہرائی ہے۔ دیکھیے: محمد صادق دہلوی' کلمات الصادقین (مرتبہ محمد سلیم اختر)' اسلام آباد: مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان (۱۹۸۸ء) صفحات ۱۰۷-۱۱۰' رحمان علی' تذکرہ علمائے ہند' حوالہ مذکورہ' صفحات ۳۳۳-۳۳۴' سید عبدالحی رائے بریلوی' نزہۃ الخواطر' حوالہ مذکورہ' جلد چہارم' ص ۲۲۴

۴۶۔ سورہ مریم' سورہ طٰہٰ' سورہ انبیاء اور سورہ حج کے جو اقتباسات دیے گئے ہیں۔ انہیں دیکھ کر شیخ عبدالوہاب بخاری کی نکتہ سنجی کی داد تو دی جا سکتی ہے۔ مگر دور از کار تاویلات ان کے دعوے کے ساتھ نہیں دیتیں۔

اہمیت حاصل ہوگی، سارا قرآن پیغمبر کی نعت ہے، عام مسلمانوں کیلئے بہ ظاہر ایک بڑا دلکش فقرہ ہے(۴۷)''
مگر آج اس تفسیر کا کوئی نسخہ دستیاب نہیں۔

شیخ عبدالوہاب بخاری کے ایک معاصر، مگر دہلی سے دور مالا بار کے متوطن شیخ زین الدین (م ۹۲۸ھ) تھے، ان سے ''قصص الانبیاء'' پر ایک کتاب کے ساتھ سیرۃ نبوی پر بھی ایک تالیف ملتی ہے۔

دسویں صدی ہجری کے ابتدائی حصے میں سلطنت دہلی تو برائے نام تھی، ۹۳۲ھ میں مہم جو ظہیر الدین بابر نے لودھیوں کا تختہ الٹ کر ایک نئے ''خانوادہ اقتدار'' کی داغ بیل ڈالی جس نے آہستہ آہستہ جونپور، گجرات اور مالوہ وغیرہ کی علاقائی سلطنتوں کے چراغ گل کر دیے اور صدی کے اختتام تک مغل جاہ و جلال اور قوت وحشمت کے ساتھ علم وفضل کے چرچے بھی دور ونزدیک پھیل گئے۔ شخصی بادشاہت کی جملہ خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ مغل اقتدار اورنگ زیب عالمگیر کی وفات (۱۱۱۸ھ) تک مضبوط رہا، اس کے بعد جہاں مغل حکمرانوں کی گرفت عنانِ اقتدار پر کمزور ہوتی چلی گئی، ویسٹ انڈیا کمپنی اپنی حکمت اور ساز باز سے قدم جماتی چلی گئی۔ مغل اقتدار کے عہد زوال میں شاہ ولی اللہ کی تجدیدی کاوشوں کے تناظر میں علمی سرگرمیوں اور پیش رفت پر بہت کچھ لکھا گیا ہے، اس لیے ہم اپنی بحث اورنگ زیب عالمگیر کی وفات یعنی بارہویں صدی کے ابتدائی حصے تک ہی محدود رکھیں گے۔

سلاطین دہلی کے مقابلے میں مغل حکمران، اورنگ زیب عالمگیر کے استثناء کے ساتھ، من حیث المجموع مذہبی اور دینی زندگی میں کم دلچسپی لیتے تھے۔ اس دور میں غیر مزہبی علمی سرگرمیوں میں خوب اضافہ ہوا۔ شاعری، تذکرہ نگاری اور تاریخ نویسی پر توجہ دی گئی اور معقولات کو فروغ حاصل ہوا۔ اس عرصے میں عمومی تاریخ یا بالخصوص برصغیر کی تاریخ پر جو کتابیں تالیف کی گئی، ان میں اکثر مورخین نے آغاز آفرینش سے اپنے عہد تک اجمالاً تاریخ انبیاء اور نبی اکرم ﷺ کی سوانح پر روشنی ڈالی گئی۔ تاریخ الفی (۸۵۰ھ۔۹۸۴ھ گروہ مولفین)، تاریخ ہمایونی (۹۸۵ھ، ابراہیم بن جریر، از ملازمان ہمایوں)، مجامع الاخبار (۱۰۰۰ھ، محمد شریف وقوعی نیشاپوری)، منتخب التواریخ (۱۰۰۴ھ، عبدالقادر بدایوانی)، احسن تاریخ (۱۰۲۱ھ، حسن بیگ

۴۷۔ مناظر احسن گیلانی، ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت، لاہور: مکتبہ رحمانیہ (س۔ن)، جلد دوم، ص ۳۱۰

خاکی شیرازی)، انفع الاخبار(۱۰۳۶ھ محمد امین بلخی) شاہ جہاں نامہ(۱۰۵۰ھ/مرزا محمد جلال الدین طباطبائی یزدی)، (منتخب التواریخ ۱۰۵۶، محمد یوسف اٹکی) اور متعدد دوسری کتابوں میں اس وقت روایت کا تتبع کیا گیا ہے۔(۴۸)

برصغیر میں مغلوں کے اقتدار کے ساتھ وسطی اور مغربی ایشائی ملکوں کے اہل علم کی ایک بڑی تعداد یہاں آکر مقیم ہوئی۔ بابر کے تقریباً چار سالہ عہد (۹۳۲ھ۔۹۳۷ھ) میں غیاث الدین بن ہمام الدین محمد ملقب بہ خواند میر ۹۳۴ھ میں آگرہ حاضر ہوا تھا۔ خواند میر نے اپنے ماموں ۔۔۔۔ محمد بن خواند شاہ محمود معروف بہ میر خواند ۔۔۔ کی عمومی تاریخ ''روضۃ الصفافی سیرۃ الانبیاء والملوک والخلفاء'' کا اختصار ''حبیب السیر فی اخبار افراد البشر'' کے نام سے تیار کیا تھا' اس پر خواند میر نے تیسری بار نظر ثانی برصغیر آنے کے بعد ۹۳۵ھ میں کی۔ ''حبیب السیر'' کی پہلی جلد میں جہاں ''پادشاہان پیش از اسلام ایران وعربستان'' کا ذکر ہے' وہیں حضرت محمد ﷺ اور اولیں چار خلفاء کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔(۴۹)

ہمایوں کے عہد میں سید عبدالاول بن علاء الحسینی زید پوری جونپوری (م ۹۶۸ھ) نے خانخانان بیرم خان کی فرمائش پر مجد الدین فیروز آبادی (م ۸۱۷ھ) کی ''سفر السعادۃ'' کا فارسی میں خلاصہ تیار کیا۔ دیباچہ میں لکھا ہے کہ ۹۴۱ھ میں لشکر خراسان یعنی لشکر نصیر الدین ہمایوں دہلی سے گجرات جا رہا تھا کہ مرض وفتنہ سے بچنے اور حفظ وامان کی خاطر علم حدیث سے اشتغال کو لازم سمجھتے ہوئے ''سفر السعادۃ'' کا اختصار مرتب کیا گیا۔(۵۰)

اکبر کا عہد (۹۶۳ھ۔۱۰۱۴ھ) مذہبی آزاد خیالی اور فرقہ وارانہ تنوع کیلئے معروف ہے۔ نقطوی' حروفی' روشنیہ اور مہدی خیالات کے پہلو بہ پہلو صوفیائے خام اور بھگتی تحریک کے رہنماؤں کی سرگرمیاں جاری تھیں۔ ''عبادت خانے'' کے مذہبی مباحثوں اور ان میں علمائے سوء کے کردار نے ناخواندہ' مگر استحکام سلطنت کے خواہش مند اکبر کو ایک نئے مذہب کی تخلیق کے راستے پر ڈال دیا تھا۔ اکبر کے دربار سے ایک

۴۸۔ تفصیلات کیلئے دیکھئے: آفتاب اصغر' تاریخ نویسی فارسی ہند و پاکستان: تیموریان بزرگ از بابر تا اورنگ زیب' لاہور: خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران (۱۳۶۴ھ ش)

۴۹۔ ''حبیب السیر'' کے خطی نسخے عام ہیں' نیز یہ کئی بار شائع ہو چکی ہے۔

۵۰۔ پاکستان میں اس کے خطی نسخوں کیلئے دیکھئے: احمد منزوی' حوالہ مذکورہ' جلد دہم' صفحات ۲۱۸-۲۱۹

عرصہ وابستہ رہنے کے بعد مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری (م۹۹۰ھ) اور صدر الصدور عبدالنبی گنگوہی (م۹۹۲ھ) معتوب ہو گئے تھے۔ ان دونوں علماء نے اپنی دینوی کمزوریوں سے قطع نظر، سیرۃ النبی کے مطالعے پر توجہ دی۔ مخدوم الملک کی تالیفات میں ''شرح شمائل النبی'' اور ''عصمۃ الانبیاء'' کا ذکر تو اکثر تذکرہ نگاروں نے کیا ہے، مگر سیرۃ الیوم و اللیلۃ النبویہ پر ان کی ایک مستقل تصنیف ''منہاج الدین'' توجہ حاصل نہیں کر سکی۔ (۵۱) عبدالنبی گنگوہی کی تالیفات میں ''وظائف الیوم واللیلۃ النبویہ'' اور سنن الہدیٰ فی متابعۃ المصطفیٰ '' کے عنوانات ملتے ہیں۔ (۵۲)

اکبر کے عہد میں ''شمائل'' کی جانب مخدوم الملک عبداللہ سلطانپوری کے ساتھ جن دوسرے اہل علم نے توجہ مبذول کی، ان میں مصلح الدین لاری (م۹۷۹ھ)، حاجی محمد کشمیری (م۱۰۰۶ھ) اور محمد حسین حافظ بن باقر ہروی کے نام ملتے ہیں۔ ان سب ہی حضرات نے ترجمہ وشرح کیلئے فارسی زبان استعمال کی ہے۔ مصلح الدین لاری نے شمائل ترمذی کی شرح، (۵۳) اور حاجی محمد کشمیری نے ''ترجمہ'' پر اکتفاء کیا ہے۔ (۵۴) محمد حسین حافظ بن باقر ہروی نے شمائل ترمذی کو فارسی میں ''نثر الشمائل'' کے نام سے منتقل کیا اور شاہزادہ سلیم کے نام معنون کیا، یعنی یہ نورالدین جہانگیر کے تخت نشین ہونے (۱۰۱۴ھ) سے پہلے کی

۵۱۔ سید عبدالباری ''عصمۃ الانبیاء: عہد ہمایونی کا ایک نادر ونایاب نسخہ'' خدابخش لائبریری جرنل (پٹنہ) شمارہ ۲ (۱۹۷۷ء) صفحات ۱۷۷-۱۹۱

۵۲۔ ڈاکٹر محمد اسحاق، حوالہ مذکورہ، ص ۱۳۱

۵۳۔ بعض حضرات نے اسے عربی زبان کی کتاب قرار دیا ہے، بلاشبہ متن عربی میں ہے، مگر شرح فارسی میں لکھی گئی ہے۔ مولانا محمد حسین ہزاروی کی تصحیح کے ساتھ مطبع محمدی۔ لاہور سے ۱۳۱۲ھ میں شائع ہوئی تھی۔

۵۴۔ پاکستان میں ''ترجمہ شمائل النبی'' کے نسخوں کیلئے دیکھئے: احمد منزوی، حوالہ مذکورہ، جلد دہم، صفحات ۱۹۵-۱۹۶۔ حاجی محمد کشمیری نے اپنی تالیف 'شرح حصن حصین'' (فارسی) میں اپنی ''شرح شمائل النبی'' کا ذکر کیا ہے۔ کیا ترجمہ ''شمائل النبی'' اور ''شرح شمائل النبی'' ایک ہی کتاب ہے؟ چونکہ ''شرح شمائل النبی'' کا ذکر کرتے ہوئے ،اجی محمد کشمیری نے ''ترجمہ شمائل النبی'' کا ذکر نہیں کیا، اس لئے ''ترجمہ'' اور ''شرح'' ایک ہی کتاب ہے۔ محمد اسحاق نے بانکی پور۔ پٹنہ کے جس نسخے کا تعارف بطور ''شرح شمائل ابنی'' کرایا ہے (حوالہ مذکورہ، ص ۱۶۱)، برگل نے اسے ''ترجمہ شمائل النبی'' لکھا ہے (حوالہ مذکورہ، جلد دوم، ص ۷۶۶)۔

تاہم جناب صابر آفاقی کی اطلاع کے مطابق حاجی محمد کشمیری کی ''شرح شمائل النبی'' عربی میں ہے جو ۹۹۶ھ میں مکمل ہوئی تھی اور یہ شرح ۱۳۴۹ھ میں مصر سے شائع ہو چکی ہے۔ (دیکھئے صابر آفاقی، جلوہ کشمیر، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء، ص ۴۷)، واللہ اعلم بالصواب

کاوش ہے' بعد ازاں محمد حسین نے ''شمائل'' کو دوبارہ ''نظم الشمائل'' کے نام شعری جامہ پہنایا۔(۵۵)

عہد اکبری کی ایک تالیف ''مغازی النبیؐ'' ہے جو شیخ یعقوب صرفی کشمیری (م۱۰۰۳ھ) کی مشق سخن کا نتیجہ ہے۔ صرفی نے نظامی کے خمسے کے جواب میں بعض دوسرے شعراء کی طرح پانچ مثنویاں لکھی ہیں' مگر صرفی نے عاشقانہ قصے کہانیوں کے بجائے ''سکندر نامہ'' کے جواب میں یہ مثنوی لکھی تھی۔ اس میں صرفی نے اپنی سرگزشت اور سیاحت کے ذکر کے بعد نبی اکرم ﷺ کے بچپن' دعوت دین' ان کی تبلیغی کوششوں اور غزوات پر روشنی ڈالی ہے۔(۵۶)

اکبر کے دور ہی میں شیخ منور بن عبد الحمید لاہور (م۱۰۱۵ھ) نے قصیدہ بردہ کی شرح مکمل کی تھی۔ اکبر کی زندگی ہی میں درباری الحاد اور اباحیت کی اصلاح کیلئے شیخ احمد سرہندی (م۱۰۲۴ھ) کوشاں تھے' تاہم اکبر کے جانشین جہانگیر کے عہد میں انہیں قید و بند سے گزرنا پڑا۔ حضرت سرہندی کے ہاں واقعات سیرت سے استشہاد ملتا ہے۔ مزید برآں انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی نبوت کے اثبات کے تحت نبوت اور معجزے پر اثبات النبوۃ'' میں بحث کی۔ اسی طرح کلمہ طیبہ کی متصوفانہ تشریح کرتے ہوئے ''رسالہ تہلیلیہ'' میں نبی اکرمؐ کے فضائل' معجزات اور اخلاق و اوصاف کا تذکرہ بھی کیا ہے' تاہم جس عالم نے اس دور میں سیرت نگاری کو جامعیت کا رنگ دیا' وہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م۱۰۵۲ھ) ہیں۔ شیخ موصوف کی تالیفات میں سے جذب القلوب الی دیار المحبوب، طریق القویم فی شرح صراط مستقیم (شرح سفر العادۃ) ''مدارج النبوۃ و درجاۃ الفتوۃ'' اور ''مطلع الانوار البہیہ فی حلیۃ النبویہ'' ---- سیرت نبوی سے متعلق ہیں۔ ''جذب القلوب الی دیار المحبوب'' (تالیف ۹۹۸ھ) گو مدینہ منورہ کی تاریخ ہے' مگر مدینہ النبی اور النبی المکرّم کا ذکر لازم وملزوم ہے۔ ''طریق القویم'' میں متن ''سفر السعادۃ'' کے مطابق نبی اکرم ﷺ کے نماز' روزہ' حج اور اذکار کے ساتھ ان کے احوال پر روشنی ڈالی گئی۔ ''مدارج النبوۃ'' نبی اکرم ﷺ کی مکمل

۵۵۔ پاکستان میں خطی نسخوں کیلئے دیکھئے: احمد منزوی حوالہ مذکورہ' جلد دہم' صفحات ۱۹۴-۱۹۵

۵۶۔ ''مغازی النبیؐ'' کا کچھ حصہ مطبوعہ ہے۔ مطبع محمدی۔ لاہور (۱۳۱۷ھ)۔ بعض تذکرہ نگاروں نے ''مغازی النبیؐ'' کا نام ''مغازی النبوۃ'' لکھا ہے جو درست نہیں۔ جناب انور محمود خالد نے لکھا ہے: ''شیخ یعقوب بن حسن صرفی ---- کے سیرۃ النبی پر ایک منظوم رسالہ مغازی النبوۃ کا بھی ذکر ملتا ہے ---- مگر یہ واضح نہیں ہو سکا کہ آیا وہ اب بھی موجود ہے یا معدوم ہو چکا ہے۔ (حوالہ مذکورہ' ص ۲۰۸)۔''

حیات طیبہ ہے۔ بقول خلیق احمد نظامی ''رسول پاک کی زندگی کا شاید ہی کوئی گوشہ ہو جس پر اس کتاب میں روشنی نہ ڈالی گئی ہو۔ یہ کتاب شیخ محدث کا نہایت اعلیٰ علمی اور ادبی شاہکار ہے۔ ہندوستان میں اس سے پہلے کسی ہندی مسلمان نے رسول پاک کی اتنی جامع، مفصل اور مکمل سوانح حیات مرتب نہیں کی تھی۔'' (۵۷)

''مدارج النبوۃ'' کی تالیف میں عہد اکبر کا الحاد بطور پس منظر کام کر رہا تھا۔ دین سے بڑھتی ہوئی بے اعتنائی پر روک لگانے اور دین سے رغبت و محبت پیدا کرنے کیلئے قرآن و سنت کے مطالعے کے ساتھ ضروری تھا کہ نبی اکرمؐ کی ذات گرامی سے تعلق خاطر پیدا ہو۔ علمی و فکری سطح کے ساتھ اس تعلق کا جذبہ ایمان میں رچ بس جانا ضروری تھا۔ ''مدارج النبوۃ'' کے مصنف نے انہی پہلوؤں کو پیش نظر رکھا ہے۔ اس کے مضامین پر مبنی یا معمولی اضافے کے ساتھ مختلف رسائل بھی شیخ محدث دہلوی کی جانب منسوب ہیں۔ ان میں ''آداب لباس سید البشر'' اور ''حلیہ سید المرسلین'' یا ''مطلع انوار و مخزن الاسرار = مطالع الانوار'' (فارسی) بہت معروف ہیں۔ آخر الذکر رسالہ ہی ''مطلع الانوار البہیہ فی الحلیۃ النبویہ'' ہے۔ (۵۸)

جب شیخ عبدالحق محدث دہلوی عہد جہانگیر و شاہجہاں میں سیرت نگاری پر توجہ مرکوز کیے ہوتے تھے تو شیخ عیسیٰ جنداللہ برہان پوری (م ۱۰۳۱ھ) نے ''شرح قصیدہ بردہ (فارسی)'' لکھی۔ (۵۹) شیخ العالم اکبر آبادی نے معراج نبیؐ پر ''نادر المعراج و بحر الاسرا'' کے نام سے ۱۰۴۴ھ میں قلم اٹھایا (۶۰) جو قصہ خوانوں اور واعظوں کے نقطہ نظر کی ایک عدیم النظیر کتاب ہے۔ (۶۱) ۱۰۵۰ھ کی ایک تالیف ''پیغامبر نامہ (منظوم)'' سعد اللہ متخلص بہ مسیح یا مسیحا کیرانوی کی ہے۔ (۶۲) شیخ محمد واعظ دہلوی (م ۱۰۶۴ھ) کی

۵۷۔ خلیق احمد نظامی، حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، لاہور: مکتبہ رحمانیہ (س۔ن)، ص ۱۹۳

۵۸۔ بعض فہرست نگاروں نے ''حلیہ سید المرسلین'' اور ''مطلع الانوار'' کو ایک ہی رسالہ سمجھا ہے، مگر جناب احمد منزوی کو اس سے اتفاق نہیں۔ ان کے نزدیک یہ دو الگ الگ رسائل ہیں۔ دیکھیے: احمد منزوی، حوالہ مذکورہ، جلد دوم، صفحات ۱۷۵-۱۷۶

۵۹۔ محمد غوثی شطاری، حوالہ مذکورہ، ص 515، مطیع اللہ راشد برہان پوری، حوالہ مذکورہ، ص ۷۰

۶۰۔ مطبوعہ، لکھنو: منشی نولکشور (چاپ دوم 1333ھ)، لاہور: مطبع خورشید عالم برائے کتب خانہ نورانیہ۔ پشاور (1375ھ)

۶۱۔ عبدالرحیم، لباب المعارف العلمیہ، حوالہ مذکورہ، ص 441

۶۲۔ یو۔ا۔ برگل، حوالہ مذکورہ، جلد دوم، ص 831

منظوم ''جامع المعجزات'' (۶۳) (عربی' ۱۰۶۴ھ)' محمد باقر بن شرف الدین کا رسالہ' حلیہ رسالت مآب (۶۴) (فارسی' تالیف ۱۰۷۵ھ)' خواجہ معین الدین کشمیری (م ۱۰۸۵ھ) کا رسالہ ''خصائص مصطفیٰ'' (۶۵) (فارسی' تالیف ۱۰۷۵ھ)' شیخ شیر محمد مشہدی غوث پوری ملتانی کی تالیف ''انیس العاشقین'' (۶۶) (فارسی' تالیف ۱۰۷۶ھ)' شیخ اوحدالدین مرزا خان برکی جالندھری کی ''نظم الدرر والمرجان فی تلخیص سیر سید الانس والجان'' (عربی)' (۶۷) اور سید باب اللہ جعفری کی کاوش ''اخلاق محمدی'' (۶۸) (فارسی) بھی اس دور کی کتابیں ہیں۔ میلاد و معراج' حلیہ اور سیرت کی عمومی کتابوں کے ساتھ حسب روایت ''شمائل ترمذی'' بھی توجہ کا مرکز رہی ہے۔ گیارہویں صدی کے وسط میں عبیداللہ نامی عالم نے' جو اپنے آپ کو ''از فقرائے احمدی'' قرار دیتا ہے' ۱۰۵۷-۵۸ھ میں ''زبدہ'' کے نام سے شمائل کی شرح لکھی۔ یہ شرح دو حصوں (= صحیفوں) ''خیر الاطوار'' اور ''واقعات سید الابرار'' میں منقسم ہے۔ (۶۹)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے فرزند نور الحق (م ۱۰۷۳ھ) کی تالیفات میں بھی ''شرح شمائل النبی'' (فارسی) کا ذکر ملتا ہے۔ (۷۰) محمد صفی اللہ بن ہبۃ اللہ ترک دہلوی بخارائی نے جو شیخ محدث دہلوی

۶۳۔ زبید احمد' حوالہ مذکورہ' ص ۴۴۸

۶۴۔ احمد منزوی' حوالہ مذکورہ' جلد دہم' ص ۲۷۸

۶۵۔ ایضاً' صفحات ۲۷۸-۲۷۹

۶۶۔ ایضاً' ص ۲۷۹

۶۷۔ اس کے خطی نسخے برصغیر کے بعض معروف کتب خانوں میں موجود ہیں۔ عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ' راجھستان۔ ٹونک کا نسخہ شاہ اہل اللہ (برادر شاہ ولی اللہ دہلوی) نے ایک مستند نسخے سے نقل کیا تھا۔ دیکھئے: شوکت علی خان' حوالہ مذکورہ' ص ۴۷۔ احمد خان' فہرس المخطوطات العربیہ الاسلامیہ فی باکستان' رباط: المنظمۃ الاسلامیہ للتربیۃ والعلوم والثقافہ (۱۹۹۷ء)' الجزء الاول' صفحات ۱۹۴-۱۹۵
''نظم الدرر'' کو سید علیم اللہ حسینی جالندھری (م ۱۲۰۲ھ) نے فارسی میں ''نثر الجواہر فی تلخیص سیر ابی الطیب والطاہر'' کے نام سے ترجمہ کیا ہے۔ (خطی نسخوں کیلئے دیکھئے: احمد منزوی' حوالہ مذکورہ' جلد دہم' صفحات ۲۷۵-۲۷۷' کتاب مطبوعہ ہے۔ لاہور: مطبع خادم التعلیم' ۱۹۰۲ء)۔ اردو ترجمہ مولانا محمد یاور حسین عمری گوپاموی (م ۱۳۶۰ھ) نے ''وشاح الریحان'' کے نام سے کیا ہے۔

۶۸۔ شوکت علی خان' حوالہ مذکورہ' ص ۴۷' نسخہ ٹونک بخط مصنف ہے اور اس پر اورنگزیب عالمگیر کی مہر ثبت ہے۔

۶۹۔ احمد منزوی' حوالہ مذکورہ' جلد دہم' صفحات ۲۷۶-۲۷۷

۷۰۔ خلیق احمد نظامی' حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی' حوالہ مذکورہ' ص ۲۵۰

کے مریدوں میں سے تھے'۱۰۹۱ھ میں ''اشرف الوسائل فی شرح الشمائل'' کے نام سے شرح لکھی جو عالمگیر کے نام معنون ہے۔ (۷۱) عالمگیر ہی کے نام معنون ایک دوسری شرح شیعہ عالم محمد مسیح بن ہمت خان مخاطب بہ اسلام خان بہادر حسینی بدخشانی سے یادگار ہے۔ یہ شرح محمد مسیح نے اپنے والد ہمت خان کیلئے لکھی تھی۔ (۷۲) گیارہویں صدی کے آخر میں مبارک بن کبیر بن محمد انصاری ملتانی نے بھی ایک ''شرح شمائل'' قلمبند کی۔ (۷۳) بارہویں صدی کے آغاز میں نظام الدین محمد بن محمد رستم بن عبداللہ اجخندی امن آبادی (کذا: ایمن آبادی) نے ''شرح شمائل النبی'' (فارسی' تالیف ۱۱۰۸ھ / باغ محمدی'' لکھی۔ (۷۴) عبدالہادی بن محمد معصوم کی شرح شمائل النبی (فارسی) ''اخلاق المصطفی'' کا انتساب بھی عالمگیر کے نام کیا گیا ہے۔ (۷۵)

گجرات کے ایک عالم سید محمد بن جعفر بدر عالم (جو غالبًا اواخر گیارہویں صدی ہجری سے تعلق رکھتے ہیں) نے سیرت میں ایک چھوٹا سا رسالہ ''تہنیۃ الاسلام'' لکھا ہے۔ (۷۶)

عہد اورنگ زیب کے معروف طبیب اور مصنف محمد اکبر معروف بہ محمد شاہ ارزانی (م بعد ۱۱۳۰ھ) نے جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) کی کتاب ''المنہج السوی والمنہل الروی فی الطب النبوی'' کو ''الطب النبوی'' کے نام سے فارسی میں منتقل کیا' اور عالمگیر کے نام معنون کیا ہے۔ یہ رسالہ ۱۲۹۸ھ میں مومبائی سے شائع ہو چکا ہے۔ سیرت النبی سے بالواسطہ اعتناء کی ایک شکل نعتیہ قصائد کہنا یا معروف قصائد کی شرح لکھنا یا ان کے تراجم کرنا بھی رہی ہے۔ اورنگ زیب عالمگیر کے معاصرین میں سے لطف اللہ مہندس نے ''قصیدہ بانت سعادُ'' اور قصیدہ بردہ'' کے فارسی ترجمے کیے ہیں۔ (۷۷) عبدالقادر متخلص بہ نظام نے قصیدہ بانت سعادُ'' کی شرح لکھی اور اسے اورنگ زیب کے

۷۱۔ احمد منزوی' حوالہ مذکورہ' جلد دہم' ص ۱۹۸

۷۲۔ ایضاً' صفحات ۲۰۰-۲۰۱

۷۳۔ ایضاً' صفحات ۱۹۸

۷۴۔ ایضاً' صفحات ۱۹۹-۲۰۰

۷۵۔ ایضاً' صفحات ۱۹۹

۷۶۔ سید نور الدین بہروچی' حوالہ مذکورہ' ص ۶۵

۷۷۔ لطف اللہ مہندس کا ترجمہ مطبوعہ ہے۔ فہرست کتب' لاہور: مجلس اسلامیات' اسلامیہ کالج (۱۹۶۳ء) ص ۴۶

نام معنون کیا ہے۔(۷۸)طویل عرصے پر محیط سیرت نگاری کے اس مختصر جائزے سے ہم ان نتائج پر پہنچے ہیں:

☆ سندھ اور گرد و نواح پر عرب دور اقتدار میں علم حدیث کے ساتھ سیرت نگاری سے دلچسپی پیدا ہوئی، مگر پروان نہ چڑھ سکی۔

☆ عہد سلطنت میں فقہ اور تصوف پر داد تحقیق دی گئی، مگر سیرت نگاری پر کوئی وقیع کتاب نہ لکھی جا سکی، البتہ مورخین نے تبرکا اپنی کتابوں میں نبی اکرم ﷺ کے واقعات زندگی پر سرسری معلومات پیش کیں، صوفیاء نے تصوف کے ناتے گفتگو کی اور اہل شعر و ادب نے خود قصائد کہے یا معروف نعتیہ قصائد کی شرحیں لکھیں۔ اس دور کی تحریروں میں نبی اکرم ﷺ سے عقیدت و محبت تو ہے، مگر سیرت کے بارے میں رطب و یابس ہر طرح کی روایات سے استفادہ کیا گیا ہے۔

☆ سلطنت دہلی کے آخری زمانے میں گجرات میں آ کر آباد ہونے والے یمنی اہل علم میں سے بحرق الحضرمی اور محی الدین عبدالقادر عیدروس سے سیرت پر اولین وقیع کام کیا، اور برصغیر کی روایت تصوف سے ہٹ کر تاریخی طور پر مصدقہ اور صحیح روایات کی روشنی میں سیرت نگاری کی داغ بیل ڈالی۔ سیرت نگاری کے اعتناء میں اضافہ ہوا۔ سیرت پر بعض متداول کتابوں مثلاً ''الشفاء بتعریف حقوق المصطفی'' (قاضی عیاض)''''المواہب اللدینہ'' (قسطلانی) اور عمومی تاریخی کتابوں (مثلاً ''روضۃ الصفاء'') کے سیرت سے متعلق حصے فارسی میں منتقل کیے گئے۔

☆ دسویں صدی کے آخری ربع اور اگلی صدی کے پہلے ربع میں اکبر کے دور الحاد کا رد عمل جب بھرپور دینی جذبے کی صورت میں ظاہر ہوا تو شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی ''مدارج النبوۃ'' اور دوسری کتابیں وجود میں آئیں۔ ''شمائل'' پر خوب لکھا گیا اور بالخصوص ''شمائل ترمذی'' کے تراجم و شروح کا ایک سلسلہ قائم ہو گیا، جو بارھویں صدی ہجری کے آغاز تک جاری رہا۔ ان کے ساتھ نعتیہ قصائد ۔۔۔۔ ''قصیدہ بردہ'' و ''قصیدہ بانت سعاد'' ۔۔۔ کی شرح، مولد النبی، معراج النبی اور مغازی النبی جیسے موضوعات اہل قلم کی توجہ جذب کرتے رہے۔

☆ برصغیر تشریف لانے والے عربی الاصل اہل علم نے عربی زبان کو ذریعہ اظہار بنایا، اور بعض مقامی اہل علم نے بھی ان کا تتبع کیا، تاہم سیرت پر مقامی ضرورت اور طلب کے مطابق فارسی میں نسبتاً زیادہ کام ہوا اور یہی زیادہ متداول رہا ہے۔

۷۸۔ رحیم بخش شاہین، مجلّہ ''دانش'' (اسلام آباد) حوالہ مذکورہ، ص ۸۷

برصغیر پاک وہند میں سیرت نگاری کا تنقیدی جائزہ

(سیرت النبی از شبلی پر مولانا ادریس کاندھلوی کی تنقید پر ایک نظر)

* حافظ محمد یسین بٹ

محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ابتدائے نبوت ہی سے ان کے اصحاب کی غیر معمولی توجہ کا مرکز بن گئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات پاک ہی میں یہ دستور شروع ہو گیا تھا۔ کہ جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے ملتا تو وہ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات دریافت کرتا۔ اس لیے یہ کہنا درست ہوگا کہ عہد نبوت ورسالت ہی میں سیرت نگاری کی ابتداء ہوگئی لیکن اسے تصنیف وتالیف کے قالب میں ڈھالنے کی ابتدء محمد بن مسلم بن شہاب الزہری نے کی ان کو تابعی ہونے کا شرف حاصل تھا' ۱۲۴ ہجری میں ان کی وفات ہوئی۔ سیرت کے حوالے سے انھوں نے جو کچھ لکھا وہ بعد میں آنے والوں تک نہ پہنچ سکا۔

ان کی علمی جستجو اور کاوش نے اہل علم میں سیرت نگاری کا شوق پیدا کر دیا۔ اور ان کی علمی مجلس سے موسی بن عقبہ م ۱۴۱ھ۔ اور محمد بن اسحاق (م ۱۵۱ھ) جیسے فخر روزگار افراد اٹھے' جنہوں نے سیرت نگاری میں نام پیدا کیا اور بعد میں آنے والا کوئی سیرت نگار ایسا نہ رہا جس نے بلاواسطہ یا بالواسطہ ان دونوں حضرات سے استفادہ نہ کیا ہو اور اس طرح عہد تابعین سے باضابطہ سیرت نگاری کی ابتداء ہوگئی۔

اردو میں سیرت نگاری کی ابتداء اسی وقت سے ہوئی جس وقت سے اردو زبان عالم وجود میں آئی عام محققین اس کا زمانہ آٹھویں صدی ہجری متعین کرتے ہیں۔ (۱)

بحمد اللہ اردو میں سیرت نگاری میں تسلسل قائم ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ عربی زبان کے بعد سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جتنا کام اردو میں ہوا ہے اتنا کسی بھی زبان میں نہیں ہوا تو مبالغہ نہ ہوگا۔

اردو زبان میں سیرت رسول اللہ ﷺ پر کتنا کام ہوا یہ ہمارا موضوع نہیں صرف ربط اور تعارف کی خاطر چند سطریں لکھیں ہیں۔

---

* صدر شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی، ٹیکسلا

۱۔ ڈاکٹر انور محمود خالد' اردو نثر میں سیرت رسول (اقبال اکیڈمی لاہور' ص: ۲۰۸)

موضوع بحث ہے برصغیر پاک وہند میں سیرت نگاری کا تنقیدی جائزہ۔''

برصغیر پاک و ہند میں اردو زبان میں لکھی جانے والی چند اہم کتب سیرت کے نام پیش خدمت ہیں، جنہوں نے علمی و تحقیقی نقطہ نظر سے سیرت لٹریچر میں ممتاز اور نمایاں مقام پایا اور اہل علم میں شہرت و مقبولیت بھی حاصل کی۔

برصغیر پاک و ہند کی چند اہم کتب سیرت:

(۱) سیرۃ المصطفیٰ [مولانا محمد ادریس کاندھلوی] (۲) سیرۃ النبی [شبلی نعمانی / سید سلیمان ندوی]

(۳) رحمۃ للعالمین [قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری] (۴) الخطبات الاحمدیہ [سر سید احمد خان]

(۵) نشر الطیب [مولانا اشرف علی تھانوی] (۶) اصح السیر [حکیم عبدالرؤف داناپوری]

(۷) تواریخ حبیب اللہ [مفتی عنایت احمد کاکوروی]

برصغیر پاک و ہند کے اہم سیرت نگاروں کے افکار کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ

اہم نکات:

(۱) محدثین کرام کے اصولوں کی سرتابی نہ کرنے کا دعویٰ

(۲) علامہ شبلی نعمانی کے بعض تسامحات کی نشان دہی

(۳) واقعہ شق صدر سیرۃ المصطفیٰ کے حوالے سے

(۴) فلسفہ جدیدہ سے متاثر ہو کر انگریزی تعلیم یافتہ نوجوانوں کو یہ باور کروائیں کہ حضور اکرم ﷺ کا کوئی قول اور فعل مغربی تہذیب و تمدن اور سائنس کے خلاف نہ تھا۔

(۵) جہاد اقدامی، جہاد دفاعی، ایک جائزہ

(۶) سیرۃ المصطفیٰ کے مصنف کا مؤقف اور علامہ شبلی نعمانی

(۷) سیرۃ المصطفیٰ لکھنے کی ضرورت

اس سے پہلے سیرت پر اردو زبان میں بہت سی ضخیم اور مختصر کتابیں شائع ہو چکی تھیں۔ کسی ایسے موضوع پر مزید کوئی کتاب لکھنا، جس پر پہلے سے تحقیق اور بلند پایہ کتب موجود ہوں اس سوال کو دعوت دیتا ہے کہ کیا ان کے ہوتے ہوئے کسی نئی کتاب کی ضرورت تھی؟

اس سوال کا جواب مصنف خود ہی دیتے ہیں کہتے ہیں اس دور میں اگر چہ سیرت نبوی پر چھوٹی اور بڑی

بہت سی کتابیں لکھی گئیں اور لکھی جارہی ہیں لیکن ان کے مؤلفین اور مصنفین زیادہ تر فلسفہ جدیدہ اور یورپ کے فلاسفروں سے اس قدر مرعوب اور خوفزدہ ہیں کہ یہ چاہتے ہیں کہ آیات واحادیث کوتوڑ موڑ کر کسی طرح فلسفہ اور سائنس کے مطابق کر دیں اور انگریزی تعلیم یافتہ نوجوانوں کو یہ باور کروائیں کہ حضرت محمد ﷺ کا کوئی قول اور کوئی فعل مغربی تہذیب وتمدن اور موجودہ فلسفہ اور سائنس کے خلاف نہ تھا۔''

یہی وجہ ہے کہ جب معجزات اور کرامات کا ذکر آتا ہے تو جس قدر ممکن ہوتا ہے اس کو ہلکا کر کے بیان کیا جاتا ہے اگر کہیں راویوں پر بس چلتا ہے تو جرح وتعدیل کے ذریعہ سے محدثانہ رنگ میں ان روایات کو نا قابل اعتبار بنانے کی کوشش کی جاتی ہے' اور اسماء الرجال کی کتابوں سے جرح کرکے اقوال تو نقل کر دیتے ہیں اور توثیق و تعدیل کے اقوال نقل نہیں کرتے جو سراسر امانت اور دیانت کے خلاف ہے۔ اور '' قراطیس تبدونها و تخفون کثیراً '' کا مصداق ہے اور جہاں راویوں پر بس نہیں چلتا وہاں صوفیانہ رنگ میں آ کر تاویل کی راہ اختیار کی جاتی ہے۔ جس سے آیت اور حدیث کا مفہوم ہی بدل جاتا ہے اور جب خداوند ذوالجلال کے باغیوں سے جہاد وقتال کا ذکر آتا ہے تو بہت پیچ وتاب کھاتے ہیں' اور اس کو اسلام کے چہرے پر ایک بدنما داغ سمجھ کر دھونے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس لیے اس ناچیز نے یہ ارادہ کیا کہ سیرت میں ایک ایسی کتاب لکھے کہ جس میں آ کر ایک طرف غیر مستند اور معتبر روایات سے پرہیز کیا جائے تو دوسرے طرف کسی ڈاکٹر یا فلاسفر سے گھبرا کر نہ کسی روایت کو چھپایا جائے اور نہ کسی حدیث میں ان کی خاطر سے کوئی تاویل کی جائے اور نہ راویوں پر جرح کر کے اس حدیث کو غیر معتبر بنانے کی کوشش کی جائے۔ اس ناچیز کا مسلک یہ ہے جو آپ کے سامنے پیش کر دیا۔

فاش می گویم و از گفته خود دل شادم
بنده عشقم و ازهر دو جهاں آزادم(۲)

مؤلف نے اکثر مقامات پر اپنا موقف پیش کرتے وقت' جس کو انہوں نے ذخیرہ حدیث کی روشنی میں مستند سمجھا، کسی خاص سیرت نگار کا نام نہیں لیا' معذرت خواہانہ رویہ کی علی الاطلاق مخالفت کی اور کسی مخالف کی پروا کئے بغیر تمام واقعات کو محدثانہ رنگ میں پیش کیا۔ البتہ بعض مقامات پر انہوں نے علامہ شبلی نعمانی کا نام لے کر ان کے موقف کی مخالفت کی۔

۲۔ سیرۃ المصطفیٰ مولانا محمد ادریس کاندھلوی (طبع مکتبہ عثمانیہ لاہور (۱/۹۔۱۱)

مثلاً علامہ شبلی نے اس روایت کا انکار کیا جس رات حضور ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی اس رات ایوان کسریٰ کے چودہ کنگرے گر گئے اور آتش فارس بجھ گئی علامہ نے اس کی دلیل یہ پیش کی کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں یہ روایت مذکور نہیں۔(۳)

مولانا کاندھلوی نے علامہ شبلی نعمانی پر ان الفاظ میں تنقید کی ہے۔

سبحان اللہ یہ اس حدیث کے موضوع ہونے کی عجیب دلیل ہے کیا کسی حدیث کا بخاری مسلم اور صحاح ستہ میں موجود نہ ہونا اس کے موضوع یا ضعیف ہونے کی دلیل ہوسکتا ہے۔امام بخاری اور امام مسلم نے مثلاً بلاشک صحیح حدیثوں کے لانے کا التزام کیا مگر استیعاب اور احاطہ نہیں کیا' اور کون کرسکتا ہے امام بخاری وغیرہ نے کہیں یہ دعویٰ نہیں کیا کہ صحیحین اور صحاح ستہ کے علاوہ کوئی حدیث صحیح اور معتبر نہیں بلکہ کتب اصول میں امام بخاری اور امام مسلم سے اس کے برعکس منقول ہے۔

''امام بخاری کہتے ہیں کہ میں نے اپنی اس کتاب میں سوائے صحیح حدیث نہیں لایا اور بہت سی صحیح حدیثوں کو چھوڑ دیا ہے۔امام مسلم کہتے ہیں کہ جو حدیثیں اس کتاب میں لایا ہوں وہ سب صحیح ہیں میں یہ نہیں کہتا کہ جس کو میں نے چھوڑ دیا وہ ضعیف ہے۔(۴)

نیز فرماتے ہیں:

''علیٰ ھذا القیاس کسی حدیث کا صحاح ستہ میں نہ ہونا یہ بھی کسی محدث اور عالم کے نزدیک حدیث کے موضوع ہونے کی دلیل نہیں۔بلکہ خود علامہ شبلی نے اپنی سیرت میں ایسی روایتیں لی ہیں کہ جو نہ صحیح بخاری میں ہیں اور نہ صحیح مسلم میں ہیں اور نہ صحاح ستہ کی کسی کتاب میں ان کا پتہ ہے۔معلوم ہوا کہ یہ اصول خود علامہ کے نزدیک بھی معمول بہ اور معتبر نہیں پھر نہ معلوم کیوں اس حدیث کو غیر معقول قرار دے رہے ہیں۔کیا کسی روایت کا بے دلیل انکار کردینا اسی کا نام تحقیق اور تنقید ہے۔

طبرانی اور ابونعیم اور ابن عساکر نے باسانید متعدد حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حق جل شانہ کے منجملہ اکرامات و انعامات کے یہ ہے کہ میں مختون پیدا ہوا اور میرا ستر کسی نے نہیں دیکھا۔حافظ ضیاء الدین مقدسی نے مختارہ میں اس حدیث کو صحیح فرمایا۔علامہ زرکشی فرماتے ہیں کہ حافظ مقدسی کی تصحیح

۳۔ شبلی نعمانی سیرۃ النبی: ۱/ ۳۹

۴۔ زرقانی ۱/ ۱۲۴

حاکم کی تصحیح سے کہیں اعلیٰ وارفع ہے اور حافظ مغلطائی نے اس حدیث کو حسن بتایا ہے۔ ابونعیم نے سند جید کے ساتھ ابن عباس سے روایت کیا ہے (۵)

ایوان کسریٰ میں زلزلہ آنا' فارس کا آتش کدہ بجھ جانا اور دریائے ساوہ کا خشک ہو جانا' اس پورے واقعہ کو مولانا نے زرقانی' شرح موطا مالک' الاستیعاب لابن عبدالبر اور عیون الاثر (ابن سید الناس) کے حوالوں سے خاص تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

علامہ شبلی نعمانی نے محمد بن عمر واقدی (م ۲۰۷ھ) پر سخت تنقید کی ہے لکھتے ہیں:

''واقدی کی لغو بیانی مسلمہ عام ہے ان کی شہرت بدنامی کی شہرت ہے کتب سیرت کی اکثر بے ہودہ روایتوں کا سرچشمہ انہی کی تصانیف ہیں۔ اگر واقدی سچا ہے تو دنیا میں اس کا کوئی ثانی نہیں اور اگر جھوٹا ہے تب دنیا میں کوئی اس کا جواب نہیں۔ (۶)

مولانا کاندھلوی نے واقدی پر علامہ کے اس تبصرہ پر اس طرح گرفت کی ہے:

''دنیا میں سیرت' مغازی اور رجال کی کوئی کتاب ایسی نہیں جو واقدی کی روایات سے خالی ہو۔ فتح الباری' زرقانی شرح مواهب اللدنیه واقدی کی روایات سے بھری پڑی ہیں۔ اور خود علامہ شبلی نے بھی بکثرت واقدی سے استفادہ کیا ہے۔ سیرۃ النبی کے متعدد مواضع میں طبقات ابن سعد کی وہ روایتیں لی ہیں جن کا پہلا راوی ہی واقدی ہے۔ علامہ شبلی نے طبقات کے صفحے اور جلد کا حوالہ بھی دیا ہے مگر ان واضع میں یہ نہیں بتایا کہ اس روایت کا پہلا ہی راوی واقدی ہے جس کو علامہ مشہور دروغ گو' افسانہ ساز اور نا قابل ذکر سمجھتے ہیں اور جا بجا نا قابل ذکر الفاظ سے اس کا نام لیتے ہیں۔ مگر جب علامہ اس مشہور دروغ گو سے روایت لیتے ہیں تو اس کے نام کی وضاحت نہیں کرتے البتہ اس دروغ گو کے شاگرد رشید یعنی ابن سعد کے نام سے روایت لیتے ہیں جو اسی دروغ گو اور افسانہ ساز سے ہوتی ہے۔ (۷)

مولانا نے بات کو صرف گرفت اور اعتراض کی حد تک نہیں رہنے دیا بلکہ علامہ شبلی نے جہاں جہاں ایسا

۵۔ سیرۃ المصطفیٰ مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱/ ۵۹۔۶۱

۶۔ سیرۃ النبی شبلی نعمانی۔ ۱/ ۲۳۔۳۳

۷۔ سیرۃ المصطفیٰ۔ ۱/ ۱۰۷

کیا ہے اور قارئین سے اس بات کو مخفی رکھنے کی کوشش کی ہے کہ وہ واقدی کو نا قابل اعتبار ٹھہرانے کے باوجود اس کی روایت کو اپنی کتاب میں جگہ دے رہے ہیں۔ مولانا کاندھلوی نے ایسے متعدد مقامات کی نشان دہی کی ہے۔ کہ علمی دریافت کا یہی تقاضا تھا۔ مولانا لکھتے ہیں:

اب بطور نمونہ واقدی کی چند روایات ہدیہ ناظرین کرتے ہیں جن کو علامہ شبلی نے سیرۃ النبی میں لیا ہے۔

۱۔ قصی نے مرتے وقت حرم محترم کے تمام مناصب سب سے بڑے بیٹے عبدالدار کو دیئے۔'' (طبقات ابن سعد صفحہ ۴۱ جلد:۱) سیرۃ النبی صفحہ:۱۵۴، ج:۱، علامہ نے یہ واقعہ بحوالہ طبقات ابن سعد سے نقل کیا ہے جو صرف واقدی سے منقول ہے۔

۲۔ ''عبداللہ نے ترکہ میں اونٹ بکریاں اور ایک لونڈی چھوڑی تھی جس کا نام ام ایمن تھا۔'' طبقات ابن سعد صفحہ ۶۲ جلد:۱، سیرۃ النبی صفحہ:۱۵۸ جلد:۱) یہ واقعہ بھی طبقات میں صرف واقدی سے منقول ہے۔ واقدی کے بعد کسی سند کا ذکر نہیں ہے۔

۳۔ ابن سعد نے طبقات صفحہ ۷۱ جلد:۱ میں روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ میں تم سب سے فصیح تر ہوں۔ کیونکہ میں قریش کے خاندان سے ہوں اور میری زبان بنی سعد کی زبان ہے۔'' (سیرۃ النبی صفحہ:۱۶۲ جلد۔۱) اس کا راوی بھی واقدی ہے۔

۴۔ حلف الفضول کا واقعہ سیرۃ النبی صفحہ:۱۷۰ جلد:۱ پر بحوالہ طبقات ابن سعد صفحہ ۸۲ جلد مذکور ہے یہ واقعہ بھی طبقات میں واقدی کی روایت سے ہے۔

۵۔ علامہ شبلی سیرۃ النبی صفحہ: ۴۴۰ جلد:۱ پر غزوہ خیبر کے بیان میں لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ نے یہ اعلان فرمایا:

((لا یخرجن معنا الا راغب فی الجهاد))

''ہمارے ساتھ وہ لوگ آئیں جو طالب جہاد ہوں۔''

(ابن سعد) یہ روایت بھی ابن سعد کے حوالے سے نقل کی ہے جو واقدی سے مروی ہے۔

کیا یہ علم اور امانت کے خلاف نہیں کہ جب کسی روایت کو رد کرنا چاہیں تو واقدی کا نام ذکر کر دیں۔ اگر چہ اس روایت کا راوی واقدی کے علاوہ کوئی اور ثقہ بھی ہو اور جب واقدی کی روایت لینا چاہیں تو واقدی کا نام حذف کر دیں اور اس کے شاگرد کے نام پر اکتفا کریں اور خاموشی کے ساتھ اس پر گزر جائیں۔ (۸)

۸۔ سیرۃ المصطفیٰ ۱/ ۱۰۸، ۱۰۹

مؤلف نے کتاب (سیرۃ المصطفیٰ) کی ابتداء میں جو مقدمہ لکھا اسی میں سب سے پہلے یہ بات کہی کہ:"ایک مسلمان اور مومن کے لیے اپنا جاننا ضروری نہیں جتنا محمد رسول اللہ ﷺ کا جاننا ضروری ہے جو شخص محمد رسول اللہ ﷺ کو نہیں جانتا وہ اپنے ایمان اور اسلام کو کیسے جان سکتا ہے۔ مومن اپنے وجود ایمانی میں سراسر وجود پیغمبر کا محتاج ہے۔(۹)

سیرۃ المصطفیٰ اگر چہ اردو زبان میں ہے اور اردو میں سیرت کی جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان کا اسلوب اور انداز بیان عربی میں لکھی جانے والی کتب سیرت سے بہت مختلف ہے سیرۃ المصطفیٰ کا انداز بیان اور بطور خاص طرز استدلال تقریباً وہی ہے جو عربی میں لکھی جانے والی امہات کتب سیرت کا ہے خود مصنف کا دعویٰ ہے کہ اس نے اپنی کتاب میں محدثین حضرات کے اصول اور طرز استدلال سے سرتابی نہیں کی۔(۱۰)

مصنف نے اپنی کتاب کا بنیادی ماخذ حدیث کو قرار دیا ہے اور کوشش کی ہے کہ سیرت کا تمام تر ذخیرہ حدیث نبوی سے حاصل کیا جائے۔ اس لیے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ کیا سارا ذخیرہ حدیث معتبر ہے یا اس میں چھان پھٹک کی ضرورت ہے اور اس حدیث کی صحت اور عدم صحت کا معیار کیا ہے کس حصہ حدیث کو ہم مستند اور کس کو مشکوک کہیں گے۔

اس اشکال اور اعتراض کا مقدمہ میں جواب دیا گیا ہے جو اگر چہ مختصر ہے لیکن محکم اور مدلل ہے مصنف کا کہنا ہے"اس مختصر سیرت میں صحت مآخذ اور روایت کے معتبر اور مستند ہونے کا التزام کیا ہے"۔(۱۱)

مصنف کہتے ہیں کہ کتاب کی اساس و بنیاد حدیث ہے اس کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

"اس سیرت میں جتنا بھی علمی سرمایہ اور ذخیرہ آپ دیکھیں گے وہ سب حضرات محدثین کا ہے اور وہی اس کے مالک ہیں۔ یہ ناچیز ان کا ایک ادنی غلام اور کمترین خادم ہے۔ جس کا کام صرف اتنا ہے کہ ان کے جواہرات اور موتیوں کو سلیقہ سے ترتیب دے کر علم کے شائق اور خریداروں کے سامنے پیش کر دے۔ اور جس مخزن سے وہ موتی لائے گئے ہیں ساتھ ساتھ انکا پتہ بتلا دیئے۔

جوہری کا کام تو یہ ہے کہ جواہرات کے صندوق لا کر سامنے رکھ دے۔ اب ان جواہرات

۹۔ سیرۃ المصطفیٰ ۱/۱۰۸۔۱۰۹

۱۰۔ ایضاً ۱/۹۱

۱۱۔ ایضاً ۱/۸۱

کے انواع واقسام اور اصناف والوں کو علیحدہ علیحدہ کر کے ترتیب سے رکھنا یہ غلاموں اور خادموں کا کام ہے۔
یہی وجہ ہے کہ ائمہ اور سلف کے علوم میں ترتیب نہیں ہوتی ۔ جواہر کی طرح منتشر اور بے ترتیب ہوتے ہیں اور متاخرین کے کلام میں تبویب اور ترتیب ہوتی ہے۔ چونکہ اس علم میں حضرات محدثین ہمارے استاد ہیں اور ہمارے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان وہی واسطہ ہیں۔اس لیے محدثین کے اصول وقواعد کا اتباع ضروری اور لازم سمجھا۔

کما قَال تعالیٰ: ﴿ هَلْ ا تبعک علی ان تعلمن مما علمت رشداً ﴾(۱۲)

سیرۃ المصطفیٰ کا قاری آسانی سے بعض ان اہم واقعات کا مطالعہ کرسکتا ہے جن کی وضاحت میں بڑے بڑے اہل علم پریشان نظر آتے ہیں ان میں شق صدر کا واقعہ اور ''ما انا بقاری'' کا واقعہ سرفہرست ہیں۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب حضرت جبرئیل علیہ السلام پہلی وحی لے کر آئے اور انہوں نے کہا: اقرا (پڑھیئے) اور آپؐ نے اس کے جواب میں فرمایا: ((مَا اَنَابقاری)) میں پڑھا ہوا نہیں ۔ جبرئیل آمین نے دوبارہ یہی کہا اور آپ نے یہی جواب دیا۔لیکن تیسری بار آپ نے جبرئیل آمین کے بولے ہوئے الفاظ دھرادیئے۔اس سے یہ اشکال لازم آتا ہے۔کہ جب آپ دو مرتبہ نہیں پڑھ سکے تو تیسری مرتبہ کیسے پڑھا؟ اور دوسرے یہ کہ امی لکھا ہوا نہیں پڑھ سکتا لیکن کسی سے زبانی الفاظ سن کر انہیں دھرا تو سکتا ہے۔

ما انا بقاری کے بظاہر معنی یہ ہیں کہ میں پڑھا ہوا نہیں لیکن اس معنی میں اشکال یہ ہے کہ قرات یعنی زبان سے پڑھنا امیت کے منافی نہیں ۔امی شخص بھی کسی کی تعلیم وتلقین سے قرات اور تلفظ کر سکتا ہے۔خصوصاً جب کہ فصاحت و بلاغت اس کی غلام ہو۔امیت کتابت کے منافی ہے۔اُمی شخص لکھی ہوئی تحریر کو نہیں پڑھ سکتا ہے۔
پس اگر جبرائیل امین کوئی لکھی ہوئی تحریر لے کر آئے تھے جس میں یہ آیتیں لکھی ہوئی تھیں اور اس کی نسبت یہ کہتے تھے کہ اقراء یعنی اس تحریر کو پڑھو۔تو پھر اس کے جواب میں ما انا بقاری کہنا ظاہر اور متناسب ہے جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ جبرئیل ایک تحریری صحیفہ لیکر آئے جو جواہرات سے مرصع تھا اور وہ صحیفہ آنحضرت ﷺ کے ہاتھ میں دیا اور کہا کہ اقراء یعنی اس حریری صحیفہ کو پڑھیے۔آپؐ نے فرمایا: ما انا بقاری یعنی میں امی ہوں لکھی ہوئی تحریر کو پڑھ نہیں سکتا۔

۱۲۔ القرآن ۱۵/۶۶

بعض مفسرین کا قول ہے الم ذلک الکتب لا ریب فیه میں اسی کتاب کی طرف اشارہ ہے جس کو جبرائیل امین لے کر آئے تھے۔ اور اگر جبرائیل امین کوئی تحریر لے کر نہیں آئے تھے اور اقراء سے کسی لکھی ہوئی تحریر کا پڑھنا مطلوب نہ تھا۔ بلکہ محض زبان سے قرات اور تلفظ مطلوب تھا تو اس صورت میں ما انا بقاری کے یہ معنی نہیں کہ میں امی ہوں پڑھا ہوا نہیں۔ بلکہ یہ معنی ہیں کہ وحی کی ہیبت اور دہشت کی وجہ سے پڑھ نہیں سکتا رویت مَلَک اور مشاہدہ انوار وحی کی وجہ سے قلب پر اس درجہ ہیبت اور دہشت طاری ہے کہ زبان اٹھتی نہیں۔ کس طرح پڑھوں جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے فرمایا: کہ کیف اقراء اس بنا پر ہم نے ما انا بقاری کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ میں پڑھ نہیں سکتا جو اس معنی کے بھی مناسب ہے اور پہلے معنی کے ساتھ بھی درست ہو سکتا ہے۔(۱۳)

برصغیر پاک و ہند میں اردو زبان میں بالخصوص بیسویں صدی میں بہت کم سیرت نگاروں نے شق صدر کی بحث کو چھیڑا ہے اس کو نہ چھیڑنے میں بھی کیا یہی ذہنی خلش اور فکری دباؤ کارفرما ہے کہ معترضین اور اہل مغرب کے سامنے کیسے ثابت کریں گے کہ کسی شخص کا سینہ چاک کیا جائے اسے دھویا جائے اور پھر سی دیا جائے اور ایسا ایک بار نہیں متعدد بار ہو۔ اور یہ سب کچھ کسی طبی امداد کے بغیر ہو۔ علامہ شبلی نعمانی نے بھی سیرۃ النبی میں واقعہ شق صدر کا بالکل ذکر نہیں کیا۔

مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے سیرۃ المصطفیٰ میں اس واقعہ کو بڑے شرح و بسط اور مضبوط دلائل کے ساتھ لکھا ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ واقعہ چار مرتبہ پیش آیا اور اپنی اصل اور ظاہر پر معمول ہے۔
اس میں کسی تاویل کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ ہی اسے تمثیل قرار دیا جا سکتا ہے بحث کو سمیٹتے ہوئے مولانا لکھتے ہیں۔

الحاصل:

یہ چار مرتبہ کا شق صدر تو روایات صحیحہ اور احادیث معتبرہ سے ثابت ہے اور بعض روایات میں پانچویں مرتبہ بھی شق صدر کا ذکر آیا ہے۔ کہ بیس سال کی عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شق صدر ہوا مگر یہ روایات باجماع محدثین ثابت اور معتبر نہیں۔

۱۳۔ سیرۃ المصطفیٰ ۱/۱۳۴ ما انا بقاری کے بارے میں مولانا کا یہ کہنا ہے کہ ان کی یہ تحقیق شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ اور مدارج النبوت سے اور شیخ نورالحق دہلوی کی تفسیر القاری شرح بخاری سے ماخوذ و استفادہ ہے۔

شق صدر کی حقیقت:

علامہ قسطلانی مواہب میں اور علامہ زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں:۔

یہ جو کچھ مروی ہوا یعنی شق صدر اور قلب مبارک کا نکالنا وغیرہ وغیرہ اس قسم کے خوارق کا اسی طرح تسلیم کرنا واجب اور لازم ہے جس طرح منقول ہوئے۔ ان کو اپنی حقیقت سے نہ پھرنا چاہیے اللہ کی قدرت سے کوئی شے محال نہیں امام قرطبی اور حافظ عسقلانی علامہ سیوطی اور دیگر اکابر علماء بھی یہی فرماتے ہیں کہ شق صدر اپنی حقیقت پر محمول ہے اور حدیث صحیح اس کی موید ہے۔ وہ یہ کہ حدیث میں ہے کہ صحابہ کرام سیون یعنی سلائی کا نشان حضورؐ کے سینہ مبارک پر اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ بعض جہلاء عصر کا شق صدر سے منکر ہونا اور بجائے حقیقت کے اس کو امر معنوی پر محمول کرنا (جیسا کہ اس زمانہ کے بعض سیرت نگار کہتے ہیں کہ شق صدر سے حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ شرح صدر کے معنی مراد ہیں) یہ صریح جہالت اور سخت غلطی ہے جو حق تعالیٰ کی عدم توفیق اور علوم فلسفہ میں انہماک اور علوم سنت سے بعد اور دوسری کسی وجہ سے پیدا ہوئی ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ فرمائے۔ آمین۔

خلاصہ کلام یہ کہ شق صدر سے حقیقتاً سینہ کا چاک کرنا مراد ہے شق صدر سے شرح صدر کے معنی مراد لینا جو کہ ایک خاص قسم کا علم ہے صریح غلطی ہے۔ شق صدر حضور کے خاص الخاص معجزات میں سے ہے اور شرح صدر حضور کے ساتھ مخصوص نہیں۔ ابو بکر وعمر کے زمانے سے لے کر اب تک بھی علماء صالحین کو شرح صدر ہوتا رہا ہے۔ نیز اگر شق صدر سے شرح صدر کے معنی مراد ہوں جو کہ ایک امر معنوی ہے تو پھر اس حدیث کا کیا مطلب ہوگا کہ سیون کا نشان جو آپ کے سینہ مبارک پر تھا صحابہ کرام اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے کیا شرح صدر سے سینہ پر سلائی کے نشان نمودار ہو جاتے ہیں۔ **لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**

جہاد کے بارے میں بھی بعض اردو سیرت نگاروں کا رویہ مخالفین اسلام کے سامنے خاصا معذرت خواہانہ ہے۔ انہوں نے اسلامی جہاد کو دفاعی جنگ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ مولانا کاندھلوی نے یہاں بھی دوٹوک انداز میں بات کی ہے۔ انہوں نے واضح کیا کہ جہاد اقدامی بھی ہوتا ہے اور دفاعی بھی۔ جہاد کی بحث میں مولانا نے یہ بات بھی واضح کی جو جنگ اللہ کے وفادار اللہ کے دشمنوں سے صرف اس لیے کریں کہ وہ اللہ کے احکام کی بے حرمتی کر رہے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے بغاوت پر آمادہ ہیں' مسلمانوں کی جان و مال کو ان سے خطرہ ہے ایسی جنگ جہاد کہلائے گی۔ اسلامی حکومت قائم کرنے' یا اس کے تحفظ کے لیے جو جنگ کی جائیگی وہ جہاد ہے قوم

اور وطن کے نام پر جو جنگ کی جائے گی وہ جہاد نہیں کہلائے گی۔

علامہ شبلی نعمانی کے بعض تسامحات کی نشان دہی:

کتب سیرت اور کتب حدیث میں یہ واقعہ بھی سیرت نگاروں نے نقل کیا ہے کہ پہلی وحی کے نزول کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر تفکر اور پریشانی کی جو کیفیت طاری ہوئی تھی اس کو رفع کرنے اور اس بات کی تصدیق کرانے کے لیے کہ آپ کو نبوت ورسالت سے نوازا گیا ہے حضرت خدیجہ الکبریٰ ورقہ بن نوفل کے پاس لیکر گئی تھیں ورقہ نے تمام واقعہ سننے کے بعد کہا:

"لئن کنت صدقتنی انه لیاتی ناموس"

''اے خدیجہ! اگر تو سچ کہتی ہے تو تحقیق ان کے پاس وہی فرشتہ آتا ہے' جو عیسیٰ کے پاس آیا تھا۔''

ورقہ بن نوفل کی اس تصدیق کو راوی نے ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے:

"فلما سمع کلامه ایقن بالحق و اعترف به"

''ورقہ نے جب آپ کی بات سنی تو سنتے ہی حق کا یقین آ گیا' ورقہ نے اس حق کا اعتراف کیا۔''

یہاں علامہ شبلی سے جو تسامح ہوا اس کی وضاحت مولانا ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

''سمع اور یقین اور اعتراف کی تمام ضمائر ورقہ کی طرف راجع علامہ شبلی نے تمام ضمائر کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع سمجھ کر اس طرح ترجمہ کیا: ''جب آپ نے ورقہ کا کلام سنا تو آپ کو حق کا یقین آ گیا اور آپ نے اس کا اعتراف کیا'' (سیرۃ النبی' صفحہ ۱۸۹' جلد تقطیع خورد۔)

علامہ شبلی نے یہ سمجھا کہ حضور اکرم کو اپنی نبوت ورسالت میں شک تھا ورقہ کے کہنے سے آپ کو اپنی نبوت کا یقین آیا۔ علامہ شبلی نعمانی کا یہ خیال بالکل غلط ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نبوت ورسالت کا اول ہی میں علم اور یقین حاصل ہو گیا تھا جب جبرائیل امین غار حرا میں داخل ہوئے تو اولاً آپ کو سلام کہا جیسا کہ ابو داؤد طیالسی کی روایت میں ہے۔

دیکھیں زرقانی صفحہ ۲۱۱ جلد ۱ و فتح الباری صفحہ ۳۱۳ جلد ۱۲۔ کتاب التعبیر اور پھر آپ کو رسالت الہیہ کی بشارت دی یہاں تک کہ آپ مطمئن ہو گئے۔ پھر آپ سے کہا کہ اقراء اور سورہ اقراء کی آیتیں آپ کو پڑھائیں۔ بعد ازاں جب آپ غار حرا سے واپس ہوئے تو پھر ہر شجر وحجر میں سے السلام علیک یا رسول اللہ کی آوازیں آپ

سنتے تھے دیکھو خصائص الکبریٰ صفحہ ۹۳٬۹۴ جلد: اغرض یہ کہ ان تمام امور سے آپ کو اپنی نبوت کا یقین کامل حاصل ہو چکا تھا۔ البتہ ورقہ کو آپ کا کلام سننے کے بعد آپ کی نبوت کا یقین آیا اور پہچان لیا کہ یہ وہی نبی ہیں جن کی توریت وانجیل میں بشارت دی گئی ہے۔ اور آپ کی نبوت ورسالت کی تصدیق کی۔ علامہ نے غلطی سے سمع ویقین واعتراف کی ضمیر بجائے ورقہ کے حضور پرنور کی طرف راجع کیں اور غلطی میں مبتلا ہوئے۔ (۱۴)

مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۰ اگست ۱۸۹۹ء/۱۲ ربیع الثانی ۱۳۱۷ کو بھوپال میں پیدا ہوئے' ان کا اصل وطن ہندوستان کے ضلع مظفر نگر کا قصبہ کاندھلہ ہے اور اسی نسبت سے کاندھلوی مشہور ہیں۔ آپ نے ابتدائی تعلیم کا آغاز مولانا اشرف علی تھانوی سے کیا اور ابتدائی کتابیں مدرسہ اشرفیہ سے پڑھیں۔ مظاہر علوم سے فراغت کے بعد دارالعلوم دیوبند میں دوبارہ دورہ حدیث میں داخلہ لیا۔ آپ نے مولانا خلیل احمد سہارنپوری' مولانا ظفر احمد عثمانی' علامہ انورشاہ کشمیری۔ علامہ شبیر احمد عثمانی سے بھی کسب فیض کیا۔

تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۹۲۱ء سے تدریسی زندگی کا آغاز کیا ۱۹۲۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں تدریس کی دعوت مل گئی ۱۹۲۹ء میں دارالعلوم دیوبند کو چھوڑ کر حیدر آباد دکن تشریف لے گئے ۱۹۳۹ء میں علامہ شبیر احمد عثمانی آپ کو دارالعلوم دیوبند لے آئے۔ آپ نے شیخ التفسیر کا منصب سنبھالا۔

۱۹۴۹ء میں پاکستان تشریف لائے تو یہاں آپ کو جامعہ عباسیہ (حالیہ جامعہ اسلامیہ) بہاولپور کا شیخ الجامعہ مقرر کیا گیا۔ ۱۹۵۱ء میں آپ نے جامعہ عباسیہ کو بھی خیر باد کہہ دیا اور جامع اشرفیہ لاہور سے وابستہ ہو گئے۔ ۱۹۷۴ء میں اپنے انتقال تک اسی ادارہ میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے۔

۱۴۔ سیرۃ المصطفیٰ۔ مولانا نے وضاحت کی ہے کہ یہ بحث علامہ زرقانی کی شرح المواھب اللدنیۃ سے ماخوذ ہے۔ سیرۃ المصطفیٰ ۱/۱۳۹۔۱۴۰

برصغیر میں سیرت نگاری کا شعری منہج

* ڈاکٹر عبدالکبیر محسن

برصغیر پاک و ہند کے شعرائے عربی زبان نے سیرت کے باب میں قابل قدر اضافہ کیا ہے۔ سیرت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا' متعدد موضوعات کو مشق سخن بنایا اور اس کے بے شمار مخفی گوشوں پر روشنی ڈالی۔ اس ضمن میں دستیاب شعری ذخیرے کو مرتب کرنے سے موضوعات سیرت کا ایک مسلسل بیان ملتا ہے۔ اس ذخیرہ کا خاص وصف و امتیاز معلومات کو مستند حوالوں سے اخذ کرنا ہے۔ عام طور پر مبالغہ آمیزی سے احتراز کیا گیا اور انہی روایات کو شعری سانچہ میں ڈھالا جو مشہور اور متداول ہیں۔

مدح نبوی ﷺ کے باب میں یہ شعری تخلیق اس قدر جامع اور شامل ہے گویا سیرت کا کوئی نثری شہ پارہ زیر مطالعہ ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ عموماً ان شعراء کا تعلق مسند ہائے درس و تدریس سے تھا اور علمائے دین ہونا ان کی اصل شناخت اور مصادر سیرت پہ ان کی نظر تھی۔

ذیل میں سیرت کے بعض اہم موضوعات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ جن پر انہوں نے شاعرانہ طبع آزمائی کی۔ کچھ موضوعات پر مستقل قصائد کہے اور کچھ کا بیان دیگر موضوعات کے ساتھ آیا۔ اس سلسلہ کے مستقل قصائد ملاحظہ ہوں جو درج ذیل موضوعات سے متعلق ہیں۔

1۔ معجزات:

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی صداقت کے اظہار کے لئے آپ کو بے شمار نشانیوں سے نوازا جنہیں بعد میں معجزات کا نام دے دیا گیا ان کے تذکرہ اور بیان میں دارالعلوم دیوبند کے سابق مولانا حبیب الرحمٰن عثانی کے دو قصیدے ہیں ''لا میة المعجزات'' جو 386 اشعار پر مشتمل ہے۔ اس میں 100 معجزوں کا ذکر ہے۔ دوسرا بائیة المعجزات جس کے 198 اشعار ہیں (۱) قرآن مجید کے عظیم

* شعبہ عربی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

۱۔ آپ کا کلام معین اللبیب فی جمع قصائد الحبیب میں بصورِ مخطوط ہے جسے آپ نے خود مرتب کیا ہے

معجزہ ہونے میں ایک شعر ملاحظہ ہو:۔

هَـاکَ قُـرآنـاً مبینـاً فـاستـمـع

لـم یَـزل إعـجـازہ مـنـذ نـزل

سابق مشرقی پاکستان کے ایک عالم شاعر مولانا عزیز الحق کے ایک قصیدہ میں بارہ اشعار معجزات پر ہیں۔(۲)

اس کے علاوہ برصغیر کے نامور عالم شاہ ولی اللہ کے معروف مدحیہ قصیدے اطیب النعم فی مدح سید العرب والعجم میں متعدد معجزات کا تذکرہ ہے۔(۳)

غلام علی آزاد بلگرامی کا مدح نبوی میں سب سے زیادہ حصہ ہے اس سبب وہ حسان الہند کے لقب میں معروف ہیں ان کے قصیدوں کا خاص وصف مدح کو غزلیہ انداز میں ادا کرنا ہے انہوں نے بے شمار موضوعات سیرت کا احاطہ کیا اسی طرح معجزات کا بھی کئی نظموں میں تذکرہ کیا' معجزہ شق القمر پر ایک شعر ملاحظہ ہو۔

وَ شَـقَّ بَـدرَ الـدُجـی إِیُـمَـا إِصُبـعِـهٖ

نَـعـمُ و آلُبَـعَـهُ مِـفُتَـاحُ اَفُـعَـالِ (۴)

عبدالرحمٰن سیوھاری کا ایک شعر:۔

ألا اِلٰـی مَـنُ سَـقَـتٌ جیُشًـا اَصَـابَـعِـهٖ

وَ کَـانَ الـفَـا و نـصف الأَلفِ فِـی العـدَد(۵)

''حدیبیہ کے مقام پر ۱۵۰۰ ساتھیوں کو آپ ﷺ کی انگلی سے پھوٹنے والے چشمۂ صافی نے سیراب کیا''

۲۔ دیکھئے مقامات ارشادیہ ومناقب عنائتیہ' مقصود احمد عمری۔ دین محمدی پریس: ۱۹۵۹ء ص ۸۸۔۴۸۴

۳۔ دیکھئے نزهة الخواطر ' مولانا عبدالحی حسنی' ۶/۴۱۳

دائرہ معارف عثمانیہ حیدر آباد دکن: ۱۹۴۷ء اس کے علاوہ آپ کا یہ قصیدہ آپ کی شرح کے ساتھ الگ بھی طبع ہوا ہے۔

۴۔ دیکھئے دیوان آزاد مسمی '' السبعة السايرة ۱/۳۴ غلامی علی آزاد بلگرامی (متوفی ۱۲۰۰ھ) برصغیر کے نامور عربی شعراء میں سے ہیں ان کے مدحیہ قصائد سب سے زیادہ ہیں جو ان کے مذکورہ بالا دیوان کے پہلے تین حصوں میں ہیں۔

۵۔ دیکھئے مجلہ ' ثقافة الهند میں مظفر حسین کا مقالہ/۳۳' ۲۸

2۔معراج:

واقعہ معراج کو متعدد شعراء نے مکمل قصائد کا موضوع بنایا۔ان میں شاہ رفیع الدین دہلوی (٦) مولانا انور شاہ کاشمیری (٧) اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی قابل ذکر ہیں۔شاہ صاحب نے براق پر آپ کی سواری، جبرئیل کا رکاب تھامنا، بیت المقدس میں انبیاء کی امامت، حضرت موسیٰ سے ملاقات، سدرۃ المنتہیٰ پر حضرت جبرائیل کا رک جانا اور رب تعالیٰ سے ہم کلام ہونا، جیسے واقعات معراج کا ذکر کیا۔

مولانا کاندھلوی کا قصیدہ (١٢٦) اشعار پر مشتمل ہے (٨) آغاز ملاحظہ ہو۔

ألا ليتَ شِعرِی هل يقولنَّ مِقولی
قصيدًا بإسراءِ النبیِّ المُبجَّلِ

3۔غزوات:

سیرت کے باب کا اہم موضوع غزوات ہے اس کا بیان وحوالہ کئی شاعروں کے کلام میں ہے۔ بدر واحد سے حنین وتبوک تک سبھی اہم غزوات کا تذکرہ شعروں میں موجود ہے۔مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی کے مدحیہ قصدوں میں یہ تذکرہ قدرے تفصیل سے ہے۔آپ نے قرآن وحدیث سے بکثرت اقتباس کیا دوسرے شعراء میں شاہ ولی اللہ، مولانا ظفر احمد تھانوی اور مولانا ضیاء الدین مدراسی وغیرہ شامل ہیں۔ان سب کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ صرف مستند واقعات کو نظم بند کیا اور خرافات سے احتراز کیا گیا۔

٦۔ شاہ رفیع الدین حضرت شاہ ولی اللہ دھلوی کے فرزند اور شاہ عبدالعزیز اپنے بڑے بھائی کے ساتھ آپ کی مسند کے وارث نزھۃ الخواطر ٦/١٨٣ میں آپ کے حالات زندگی ہیں۔آپ نے اپنی شاعری میں مدح نبوی کے علاوہ علمی موضوعات کو مشق سخن بنایا۔

٧۔ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور برصغیر کی نامور علمی شخصیت فیض الباری شرح صحیح البخاری آپ ہی کے افادات کا مجموعہ ہے۔ان کے حالات نزھۃ الخواطر جلد٨ میں بھی مفصل مذکور ہیں۔اس کے علاوہ ان کے صاحب زادے انظر شاہ نے "حياة العنبر في حياة انور" میں مفصل لکھے ہیں۔

٨۔ آپ آخری دور میں جامعہ اشرفیہ لاہور کے مسند تدریس پر فائز رہے آپ کے حالات زندگی پر مشتمل کتاب تذکرہ مولانا ادریس ہے جو آپ کے فرزند ڈاکٹر علی میاں صدیقی نے مرتب کی ہے۔مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ لاہور۔١٩٧٧ء

مذکورہ بالا چار موضوعات وہ ہیں جن پر مستقل قصائد نظم بند کئے گئے۔ سیرت کے دوسرے بے شمار گوشے اور جوانب کا تذکرہ اس شاعری میں موجود ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت اور اس زمانے کے عرب معاشرے میں منتشر برائیوں کے بیان سے لے کر اعلان نبوت اور مکی و مدنی دور کے مختلف واقعات وحوادث کا ذکر اور اشارات اس شعری ذخیرے میں پائے جاتے ہیں۔ ولادت باسعادت پر معاصر شاعر محمد حسین اقبال آف فیصل آباد کا مستقل قصیدہ بعنوان مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کا مطلع ملاحظہ ہوں:۔

فی بیتِ آمنةً المبارک اَشرقَتْ

شمسُ الضُحی فأمناءَ کل مکانِ (۹)

زمانہ جاہلیت کے عرب معاشرہ کی برائیوں کا ذکر شاہ ولی اللہ نے تفصیل سے کیا، اسی طرح مولانا عبدالمنان دھلوی نے اپنے مدحیہ قصیدے میں اہم برائیوں کا تذکرہ کیا مثلاً بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا بے جا قتل و غارت، کسب حرام، گانے بجانے کی طرف میلان اور شراب خوری۔ (۱۰)

ایک روایت کے مطابق ولادت مبارکہ کے موقع پر ہزار سال سے جلتی ہوئی آتش ایران بجھ گئی، آزاد بلگرامی اسی طرف اشارہ کناں ہیں:

و إطفاءُ نارِ الفُرس و هو غدًا

ینجی العُصَاةَ مُن النِیرانِ والشُعَل (۱۱)

ایک شاعر کوہ صفا پر اولین اعلان نبوت کو اس طرح سے بیان کرتے ہیں:

و قام بأمرِ اللّٰہِ یوماعلی الصفا

فنادیٰ الاھل من سمیعِ و مُبصر (۱۲)

ایک شاعر اہل طائف کو آپ کی دعوت ایمان اور ان کے ردعمل کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

۹۔ دیکھئے نزھة الخواطر: ۷/۱۸۴

۱۰۔ دیکھئے تذکرہ مولانا ادریس۔ص ۲۳۱

۱۱۔ مجلّہ "القول السدید" لاہور ماہ اکتوبر۔۱۹۹۶، ص ۷۷

۱۲۔ دیکھئے الرشید نعت نمبر ۱۴۱۱ھ لاہور ص ۱۶۱

اَتــیٰ طــائـفــاً یـدعـو الـی دیـنِ ربـه

و یـرجـو بـأهـلیهـا الـعـونِ مـؤمَّـل

و لَـکِـنْ اَتَـوُه بـالـجـفـاء و غـدره

وجـورٍ و إیلاٍو جُـرْحٍ مـقـتـل(۱۳)

ایک اور موضوع جس پر بے شمار اشعار نظم بند کئے گئے' آپ کی ظاہری و باطنی صفات اور حسن و جمال کا بیان ہے۔اس ضمن میں بھی بکثرت قرآن وحدیث سے استفادہ کیا گیا اور جو الفاظ وتراکیب ان میں آنحضرت کے لئے استعمال کئے گئے وہ اس شاعری میں بھی مستعمل ہیں۔اس موضوع میں ایک مستقل قصیدہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی کا ہے جس میں معنوی صفات کے ساتھ ظاہری جمال وصفات کا تذکرہ بھی ہے۔مثلاً آپ کے یہ اشعار:۔

بشیـر نـذیـر مـدثـر

رسـول مبیـن رشیـد حـلیـم

و طٰـه و یٰـسٓ مـزمـل

نـجـی الالٰـه بـصـوتٍ رحیـم

آپ کی شکل مبارک کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہا:۔

هـو الأحسـن الأجـد الأشـجـع

أغـرُّ الـجبیـنِ جـمیـل رسیـمِ

هـو الاَبْیَـض الأبـلـج الأدهـج

جـلیـل الـمشُـاش مـلیـح قسیـم(۱۴)

۱۳۔ دیکھئے ان کا دیوان۔۱/۳۰

۱۴۔ یہ شعر مولانا ظفر احمد تھانوی کا ہے آپ ہندو پاک کے نامور علماء میں سے ہیں سابق مشرقی پاکستان میں تحریک پاکستان کے دنوں میں بہت کام کیا آپ کے مفصل حالات زندگی اللغة العربية في باكستان میں ہیں۔

یہ نقشہ وہی ہے جو شمائل ترمذی کی ایک حدیث میں مذکور ہے۔ان شعراء نے مدح نبوی کے میدان میں جس احتیاط کا مظاہرہ کیا ہے وہ قابل ستائش ہے اور بقول مولانا احمد رضا خاں نعت کہنا تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف ہے اگر کمی رہ گئی تو گستاخی کا خطرہ اگر زیادتی ہوگئی تو شرک کا اندیشہ۔

اس شعری ذخیرے کے مطالعہ سے یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جاسکتی ہے۔کہ یہ علماءِ شعراء اس امتحان میں سرخ رو ہوئے ہیں۔برصغیر کے نعتیہ عربی ذخیرے کا ایک اہم وصف یہ ہے کہ نعت کے پردے میں اس اجتماعی زوال کی داستان بھی سنائی گئی جو ہندوستان کے مسلمانوں کا مقدر بنا۔مثلاً شاہ ولی اللہ کے مشہور مدحیہ قصیدے کا مطلع ملاحظہ ہو:۔

كَأَنَّ نُجُومًا أَو مَضَتْ فِي الغَيَاهِبِ
عُيُونُ الافَاعِي اوْ رُؤسُ العَقَارِبِ(۱۵)

''کہ اندھیرے میں چمکتے تارے مجھے یوں دکھائی دیتے ہیں گویا سانپوں کی آنکھیں یا بچھوؤں کے سر ہوں'' یہ تشبیہ وہی شاعر استعمال کرسکتا ہے جو داخلی اضطراب کا شکار ہو' چونکہ شاہ صاحب کے زمانہ میں مسلمانوں کو لاحق ہونے والے ادبار ونکبت کی شروعات ہوچکی تھیں چنانچہ اسی کا انعکاس اس قسم کی شاعری میں ظاہر ہوا' اجتماعی مصائب وکربات کا ذکر کرتے ہوئے یہ شاعر قیامت کی ہولنا کیوں میں آنحضرت علیہ السلام کے منجیانہ کردار خصوصاً شفاعت کبریٰ کا تذکرہ بڑی تفصیل اور خصوصیت سے کرتے ہیں۔اجتماعی مشکلات کے ذکر کو ذکر رسول کی طرف موڑنے کا مقصد اپنی قوم کو باور کرانا ہے کہ وہ اس دورِ مصیبت میں آپ سے تعلق کو مضبوط کرے اور اچھے دنوں کی امید رکھے۔شاہ عبدالعزیز کے ہاں یہ بیان رنگ تغزل لئے ہوئے ہے۔اپنے مدحیہ قصیدے کی ابتداء میں مخاطب کی چیرہ دستیوں کا تذکرہ کرتے ہیں پھر گریز کرتے ہوئے آنحضور کے دربار میں استغاثہ پیش کرتے ہیں اور یوں سخن سرا ہیں:

۱۵۔ مقامات ارشادیۃ:۴۸۶

و اِن جُــرُتُــمُ عَــلــی فــلــی غیــاثٌ

بــبــاب الــمــصــطــفیٰ خیــرِ الانــام(۱۶)

یہ استغاثہ انگریزی دور کے شعراء کے کلام میں کثرت اور شدت سے ملتا ہے۔ اس دور کے مصائب کو دیکھتے ہوئے اور انگریزوں کے اسلام دشمن اقدامات کو مدنظر رکھتے ہوئے ان شعراء نے نعتیہ قصائد میں ہند کی امت مسلمہ کا حالت زار کا نقشہ کھینچا' ان پر آنے والے مصائب کو شعری زبان دی اور اسلامیان ہند کو قائم رہنے اور دربار نبوت سے جڑے رہنے کی تلقین کی۔ اس باب میں مولانا فضل حق خیر آبادی بہت نمایاں نظر آتے ہیں۔ آپ نے عملاً ۱۸۵۷ کی تحریک آزادی میں شرکت کی اور مابعد اثرات سے متاثر ہوئے اور جزائر انڈمان میں جلاوطن کئے گئے۔ وہاں ایک طویل نعتیہ قصیدہ نظم کیا۔ جس کے ۲۳۳ اشعار ہیں اس میں تحریک آزادی کے مختلف واقعات کو بیان کر کے روئے سخن آنحضرت ﷺ کے ذکر جمیل کی طرف کیا اور حشر میں آپ کے فیوض و برکات اور اللہ تعالیٰ کے ہاں شفاعت کے ذکر سے قصیدے کا اختتام کیا۔(۱۷)

قطع نظر اختلاف جنس و زبان کے' یہی وطیرہ رہا ہے، ہر اس دور کے درد دل رکھنے والے شعراء کا جس میں حالات و زمانہ نے مسلمانوں کا ساتھ نہ دیا۔

یہ ہیں چند گذارشات برصغیر کے نعتیہ کلام اور اس کے موضوعات' خصوصیات و امتیازات کی بابت اگر چہ موضوع ابھی تشنہ ہے مگر یار زندہ صحبت دل باقی۔

۱۶۔ مولانا کا یہ قصیدہ مقامات حریری پر ان کی شرح کے مقدمہ میں ہے۔

۱۷۔ دیکھئے۔نزھۃ الخواطر ۷/۲۷۶

مصادر ومراجع

۱۔ تذکرہ ادریس۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد میاں صدیقی۔ مکتبہ عثمانیہ لاہور

۲۔ ثقافۃ الہند (مجلہ) مظفر حسین

۳۔ حیاۃ نمبر۔ محمد انظر شاہ کشمیری

۴۔ دائرہ معارف عثمانیہ' حیدر آباد دکن۔ ھند ۱۹۴۷ء

۵۔ الرشید (نعت نمبر) مکتب رشیدیہ لاہور۔ ۱۹۹۵ء

۶۔ السبعۃ السیارۃ۔ غلام علی آزاد بلگرامی

۷۔ القول السدید (مجلّہ) اکتوبر ۱۹۹۲ء

۸۔ اللغۃ العربیۃ فی باکستان۔ ڈاکٹر محمد عبداللہ۔ وزارت تعلیم۔ اسلام آباد۔ ۱۹۹۲ء

۹۔ معین اللبیب فی جمع قصائد الحبیب (مخطوط) مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی

۱۰۔ مقامات ارشادیۃ ومناقب عنائیۃ۔ مقصود احمد عمر' دین محمد پریس لاہور۔ ۱۹۵۹م

۱۱۔ نزھۃ الخواطر۔ مولانا عبدالحی الحسنی دائرہ معارف عثمانیہ۔ حیدر آباد دکن

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اور

عصر حاضر کے تقاضے

سیرت النبی ﷺ اور عصر حاضر کے مسائل

* پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کی روشنی میں عصر حاضر کے انسان کے مسائل زندگی اور درپیش عملی مشکلات کا حل تلاش کرنے کا تصور اہل اسلام خصوصاً علماء، محققین سیرت طیبہ کی طرف سے ایک مبارک اقدام ہے یہ اس لئے ہے سیرت طیبہ حکمت و معرفت کا ایک ایسا سرچشمہ ہے جو باقی و دائم بھی ہے اور ہر ایک انسانی تشنگی کو مٹانے کا سامان بھی اس میں موجود ہے یہ روشنیوں کا ایک ایسا بلند و بالا مینار ہے جس کی ضیاء پاشیاں زندگی کے ہر تاریک گوشے اور قلب انسانی کے ہر زاویے کو ہر جگہ اور ہر زمانے میں منور کرتی رہیں گی۔ اس لئے اللہ تعالی نے اپنی کتاب زندہ میں فرمادیا ہے کہ یہ سرچشمہ ہدایت اور مینار نور ہر جگہ اور ہر عہد کے تمام انسانوں کے لئے اسوۂ حسنہ ہے جو اللہ تعالی پر ایمان رکھتے اور اپنی آخرت کو سنوارنے کے آرزومند ہیں۔ سیرت نبوی کا تاریخی عہد تیئیس سال سے کچھ اوپر عرصے پر محیط ہے۔ اس عرصہ میں علم و عمل کے علمبردار پیغمبر انسانیت کو اتنے مراحل پیش آئے، اتنے واقعات و حوادث کا سامنا ہوا اور آپ نے اتنے عملی نمونے چھوڑے ہیں جو نہ صرف قابل یقین ریکارڈ میں ثابت اور محفوظ ہیں بلکہ اپنے تنوع اور کثرت کے ساتھ موجود ہیں کہ ان میں ہر زمان و مکان کے انسانی مسائل و مشکلات کا حل تلاش کیا جاسکتا ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ سیرت طیبہ کا نئے انداز اور نئے زاویوں سے مطالعہ کیا جائے' روایتی انداز میں احوال و واقعات سیرت کو دہراتے رہنے اور صرف جگالی کرتے رہنے سے بات آگے نہیں بڑھ سکتی ان احوال و واقعات کے محض تکرار تک ہی سیرت نگاری کو محدود رکھنا کار ثواب و برکت تو یقیناً ہوگا مگر اس انداز سے کوئی نئی بات پیدا نہیں کی جاسکتی اور نہ اس سے کسی مسئلے کا حل نکالا جاسکتا ہے۔

---

* سابق صدر شعبہ عربی، پنجاب یونیورسٹی لاہور

7-C حق باہو ہاوس لالہ زار کالونی لاہور

﴿ورفعنا لک ذکرک﴾ (ہم نے آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو بلند کر دیا ہے) کا منشائے خداوندی تبھی پورا ہو سکتا ہے جب ہم سیرت پاک کو عصر حاضر کے انسان کے سامنے آسان اور عام فہم انداز میں پیش کریں بلکہ مسائل میں الجھے اور مشکلات میں گھرے ہوئے اس انسان کے تمام مسائل و مشکلات کا حل اور نسخۂ کیمیا بھی پیغمبر اسلام ﷺ کے پاس موجود ہے اور اسے عام کرنے کی ضرورت ہے۔

اس طرح اگر ہم نے اپنی تحقیق کو صرف مکی اور مدنی زندگی کے حالات وغزوات سے بحث کرنے والے مآخذ سیرت تک محدود رکھا تو بھی ناکافی ہوگا۔ ان چیزوں کو دہراتے رہنا خیر و برکت کا باعث تو یقیناً ہوگا مگر زندگی کے متنوع و بے حساب مسائل کا حل تلاش کرنے کے لئے مأخذ سیرت طیبہ کے ان لاکھوں صفحات کو بھی کھنگھالنا ہوگا جو آج تک پوری طرح تصرف میں نہیں لائے جا سکے ان مأخذ میں سرفہرست قرآن کریم اور اس کی لاتعداد کتب تفسیر کا عظیم الشان ذخیرہ ہے۔ تاریخ حرمین شریفین' کتب جغرافیہ و سیاحت نامے' سیرت صحابہ و تابعین تراجم وانساب کی کتابیں' حدیث نبوی اور اس طرح کی شروح کا قابل فخر سرمایہ' فقہ اسلامی' کتب فتاوی کی وسیع وعریض دنیا کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کے معادنین اور مخالفین کے حالات زندگی اور اس عہد کی عمومی تاریخ پر بھی گہری نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ یہ جو مشہور انگریز ادیب و دانشور کارلائل نے اپنی غیر فانی کتاب ''ہیروز اینڈ ہیروز ورشپ'' میں رسول اللہ ﷺ کو بطور ''رسول ہیرو'' منتخب کرتے ہوئے یہ کہا کہ آج بھی الجھی ہوئی دنیا کی گتھیوں کو صرف آپ ہی سلجھا سکتے ہیں۔ بقول ظفر علی خان:۔

جو فلسفیوں سے حل نہ ہوا اور عقدہ وروں سے کھل نہ سکا
وہ راز ایک کملی والے نے سمجھا دیا چند اشاروں میں

اور یہ جو امریکی مصنف مائیکل ہارٹ نے آپ کو تاریخ انسانی کے سوچنے ہوئے رہنماؤں میں پہلے نمبر پر رکھتے ہوئے رسول اکرم ﷺ کو تاریخ انسانی کا ہر لحاظ سے کامیاب لیڈر قرار دیا ہے تو یہ ان روایتی انداز کی کتب سیرت سے متاثر ہو کر نہیں بلکہ وسیع تر مأخذ سیرت اور گہرے اثرات کی بنا پر قرار دیا ہے اس لئے عصر حاضر کے مسائل کا حل بھی اگر کہیں موجود ہے تو وہ صرف اور صرف سیرت طیبہ کے وسیع تر مأخذ ومصادر میں موجود ہے۔

آگے بڑھنے سے پہلے یہ ضروری ہے بلکہ ہم اپنے اس موضوع کو واضح تعریف اور اس کی حدود کا تعین کرلیں تا کہ بات کہنا اور سمجھنا آسان ہو جائے اور مربوط انداز میں ان حدود پر بھی توجہ مرکوز کی جا سکے' سیرت عربی زبان کا اسم مصدر ہے اور کردار' گفتار' رفتار اور قول و عمل کے تمام پہلوؤں پر محیط ہے لغت کی رو سے لفظ سیرت سنت اور طریقہ کے مترادف اور ہم معنی ہے۔ لہٰذا سیرۃ النبی ﷺ سے مراد پیغمبر اسلام ﷺ کا ہر قول' ہر عمل اور ہر تقریری مؤقف ہے اس طرح عصر حاضر کے مسائل سے مراد وہ تمام چھوٹی بڑی مشکلات ہوں گی جن سے سائنسی اور ٹیکنالوجی کے اس ترقی یافتہ دور سے انسان دو چار ہے اور اس کے جیون کو ایک الجھن بلکہ الجھنوں کا مجموعہ بنا دیا ہے۔ تاہم عصر حاضر کے انسان کی ان متنوع اور بے حساب مشکلات میں سے صرف چند ایک مسائل ہی کو لیا جائے گا اور ہم یہ دیکھیں گے کہ سیرت طیبہ کی مدد سے ہم انہیں کیسے حل کر سکتے ہیں اس محدود وقت میں ہم صرف پانچ نہایت نمایاں اور سلگتے ہوئے مسائل لے رہے ہیں۔

1۔ عالمی امن

2۔ عالمی تجارت

3۔ سمٹتی سکڑتی ہوئی اس دنیا میں اطلاعات اور ذرائع ابلاغ کا کردار

4۔ غربت اور افلاس میں گرفتار انسان کی ضرورتیں کیسے پوری ہوں؟

5۔ آج کے انسان کو پرسکوں زندگی کیسے میسر آ سکتی ہے!؟

ا۔ عالمی امن:

آج ہماری یہ زخم زخم خوف زدہ دنیا جس امن کے لئے بے قراری سے کوشاں ہے اور صبح و شام جس کے لئے ترس رہی ہے وہ کسی وضاحت یا تفصیلی بیان کی محتاج نہیں اور عیان راچہ بیان کے ضمن میں آتا ہے ہر طرف روایتی اسلحے کے انبار لگے ہوئے ہیں اور مختلف گوشوں میں ایٹمی اسلحے کے جہنم دہک رہے ہیں' جرائم اور فسادات کے شعلے آسماں کو چھو رہے ہیں' بے کس اور کمزور کے لئے زندگی عذاب اور دنیا تنگ ہو چکی ہے' مظلوموں کی فلک شگاف آہوں سے دنیا ایک ماتم کدہ نظر آتی ہے مگر ظالموں کو پھر بھی ظلم پر اصرار ہے قیام امن کے علمبردار دعویدار دوڑتے پھرتے ہیں مگر امن کی فاختہ ہاتھ نہیں آ رہی۔ اسی کیفیت اور

صورت حال کا نقشہ کتاب زندہ قرآن حکیم کی یہ آیت کریمہ پیش کرتی ہے جو نبوت محمد ﷺ کا زندہ وجاوید معجزہ ہے:

﴿ظهر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس لیذیقهم بعض الذی عملوا لعلهم یرجعون ۝﴾

ترجمہ:۔ ''خشک وتر میں ہر طرف انسانوں کے اپنے کرتوتوں کے باعث فساد برپا ہے یہ انہیں ان کی بداعمالیوں کا کچھ مزہ چکھانے کے لئے ہے تاکہ یہ باز آجائیں''۔

آج انسانوں کے ہاتھوں انسانیت کا دم گھٹ رہا ہے اور انسان انسان کا شکاری بنا پھرتا ہے۔ آج کے انسان کو سیرت وتعلیمات نبوی کے پیغام حیات آفرین کی بھی ضرورت ہے اور مسلمانوں کے عملی کردار کی بھی ۔ بالکل ایسے ہی جیسے ساتویں صدی عیسوی کے انسان کو محمد ﷺ کے پیغام حق اور روشن عملی مثال کی ضرورت تھی اور اس ضرورت کو آپ کے فیض علم وعمل کی تربیت یافتہ جماعت صحابہ کرام نے پورا کردکھایا تھا۔

پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت وتعلیمات کی اصل روح رحمۃ للعالمین ہے انسان کو آج یہی ''رحمۃ للعالمین'' درکار ہے۔ وہی رحمۃ للعالمین جسے اقبال نے اصول زندگی کی آواز اور مکارم اخلاق کی انتہا قرار دیا ہے۔

خلق	و	تقدیر	و	ہدایت	ابتدا
رحمۃ		للعالمین			انتہا

تمام جہانوں کے لئے سراپا رحمت وشفقت بن کر آنے والی نبوت ورسالت کا حقیقی پیغام بھی امن وسلامتی ہے۔ اسلام کے لفظی معنی اور اشتقاق بھی دنیا کو سرجھکانے اور گہوارۂ امن میں لینے پر دلالت کرتے ہیں آج بھی عربی زبان میں امن وامان کے لئے سلم اور سلام کے الفاظ مروج و مستعمل ہیں۔ قرآن مجید کی عربی زبان میں بھی سلم' سلام اور اسلام کا مفہوم ومعنی یہی ہے اسلام کا اصل مقصد اور ہدف امن وسلامتی کی فضا میں سکھ چین کی زندگی کا پیغام ہے' جہاد وقتال تو حسب موقع اور حسب ضرورت ہے جس کے لئے اہل ایمان کو ہر وقت امادہ وتیار رہنے کی تلقین ہے مگر دوران جہاد وقتال بھی اگر دشمن امن وسلامتی کے طالب ہو

اوراسلام کی اس اصل راہ کی طرف مائل ہو جائے تو حکم ربانی یہی ہے کہ اہل ایمان کو بھی اللہ تعالی پر بھروسہ کرتے ہوئے امن وسلامتی کا پیغام قبول کر لینا چاہئے۔

﴿وان جنحو السلم فاجنح لها و توکل علی الله﴾

'' اگر وہ امن کی طرف مائل ہو جائیں تو آپ بھی امن کی طرف مائل ہو جایئے اور توکل اپنے اللہ پر ہی کیجئے''۔

حدتو یہ ہے کہ اہل ایمان تو چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے اور پانچ وقت کی نماز پڑھتے وقت بھی امن و سلامتی کو ہی اپنا ورد زبان بناتے ہیں' بیدار ہو تو دوسروں کو السلام وعلیکم (تم پر امن وسلامتی ہو) کہے آئے تو سلام کہے جائے تو سلام کی دعا کرے' پانچ وقت کی نماز کے بعد تو ہر مسلمان کی زبان پر یہی پیغام امن و سلامتی رواں ہو جاتا ہے کہ:۔اے میرے اللہ! تو سراپا سلام ہے۔امن سلام کا سرچشمہ تو تو ہی ہے' سلامتی کا مرکز تو تو ہی ہے' ہمیں امن وسلامتی سے زندہ رکھ اور مرنے کے بعد بھی امن وسلامتی والی جنت عطا فرما! پیغمبر اسلام ﷺ نے تو امن وسلامتی کی خاطر عمرہ اور زیارت بیت اللہ کئے بغیر لوٹ جانا بھی قبول کر لیا تھا اور حدیبیہ کے مقام پر معاہدۂ صلح ہو جانے بعد عمرے کے احرام کھولنے اور مدینہ منورہ لوٹ جانے کا حکم دے دیا تھا حدیبیہ کا یہی معاہدہ امن تھا جو پر امن طور پر فتح مکہ پر منتج ہوا تھا اور خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر پورا جزیرۂ عرب اسلام کے زیر نگیں آ گیا تھا۔سیرت طیبہ کا یہ تاریخی واقعہ دنیا کو یہ پیغام دیتا ہے کہ جو بات امن وسلامتی میں ہے وہ جنگ و جدل میں کہاں۔اس دنیا کو جنگ سے نہیں بلکہ پیغام امن وسلامتی اور پر امن جدوجہد سے سنوارا اور راہ راست پر لایا جا سکتا ہے۔

سیرت طیبہ کے حوالے سے آپ نے حلف الفضول یعنی فضیلت والوں کا عہد نامہ تو سن ہی رکھا ہے۔دراصل یہ وہ معاہدہ امن وانصاف تھا جو طلوع اسلام سے پہلے دومرتبہ عمل میں آیا تھا۔قبیلہ جرھم جو حضرت ھاجرہ اور اسماعیل علیہ السلام کی آمد کے بعد اور قریش کی آمد سے پہلے وادئ بطحا میں آباد ہو گئے تھے۔اس قبیلے کے چند سرداروں نے یہ عہد کیا تھا کہ وہ امن وسلامتی کی خاطر ظالم کا پنجہ مروڑیں گے' مظلوم کا ساتھ دیں گے اور ظلم کا خاتمہ کریں گے۔اتفاق سے ان سب سرداروں کے نام فضل یا فضیل تھے' فضل کی

جمع فضول آتی ہے۔ یوں یہ معاہدہ "حلف الفضول" قرار پایا اور مشہور ہوا۔ پھر کئی صدیاں بعد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے تقریباً بیس سال قبل اس معاہدہ کی تجدید ہوئی، تجدید کے محرک اول اور سرگرم رہنما حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زبیر بن عبدالمطلب تھے۔ یہ معاہدہ بھی جب مظلوم کی مدد و حمایت اور ظالم کا ہاتھ روکنے کے لئے تھا لہٰذا اسے بھی پرانے معاہدہ یعنی حلف الفضول کے مماثل و مترادف ہونے کے باعث یہی نام دیا گیا اس معاہدہ کے طفیل وادئ بطحا امن کا گہوارہ بن گئی، جس پر فخر کرتے ہوئے زبیر بن عبدالمطلب نے یہ شعر کہے تھے۔

أن الفضول تعاهدوا و تعاقدوا

الا یقیم ببطن مکة ظالم

امرٌ علیه تعاهدوا و تواثقوا

فالجار والمعتر فیهم سالم

"فضلوں نے یہ عہد و پیمان باندھا ہے کہ وادی مکہ میں اب ظالم کے لئے کوئی جگہ نہیں ہوگی۔ یہی وہ معاملہ جس پر ان فضل نامی بزرگوں نے پختہ پیماں باندھا ہے کہ اب ان کے ہاں ہر پناہ لینے والا اور ہر نادار امن سے رہے گا۔"

اس تاریخی معاہدہ کی تجدید قریش کے معمر و معتبر سردار عبداللہ بن جدعان کے گھر ہوئی تھی۔ جو حضرت ابوبکر صدیق کے قبیلے سے تھا۔ اس معاہدہ کی مجلس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بصد خوشی شرکت فرمائی تھی اور اس پر آپ کو فخر تھا ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا تھا

"لقد شهدت فی دار عبد الله بن جدعان حلفاً لو دعیت به فی الاسلام لاجبت تحالفوا ان ترد الفضول علی اهلها و لایعز ظالم مظلوماً"

"یعنی میں عبداللہ بن جدعان کے ہاں ایک معاہدہ میں حاضر ہوا تھا اگر اسلام میں مجھے ایسے معاہدہ کی دعوت دی جائے تو میں لبیک کہوں گا، ان لوگوں نے عہد یہ کیا تھا کہ مال ان کے مالکوں کو لوٹانا ہوگا اور کوئی ظالم مظلوم کے ساتھ من مانی نہیں کر سکے گا۔"

تو سیرت نبوی کا پیغام یہ ہے کہ ظلم بھی ہو اور امن بھی قائم ہو جائے یہ ممکن نہیں ہے مگر یہ دنیا ممکن سے اعراض کرتے ہوئے ناممکن کے پیچھے بھاگ رہی ہے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ دنیا زخموں سے نڈھال ہو، سینے ظلم سے چھلنی ہوں، قلب و جگر میں خنجر چھپے ہوں اور خون کی ندیاں بہہ رہی ہوں اور آپ اس سب زخم زخم مظلوم دنیا سے کہیں کہ وہ ظالموں، قاتلوں، لٹیروں اور انسان دشمن درندوں سے امن کے لئے معاہدہ صلح بھی کرلیں، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی جعلی و مصنوعی مصلحت کو "**هدنة على دخن و جماعة على اقذاء**" (سلگتے ہوئے دھوئیں پر معاہدہ امن و مصالحت اور کدورتوں کی بنیاد پر اتحاد) قرار دیا ہے۔ اعتدال کا لفظ بھی عدل سے نکالا ہے جس طرح یہ نظام کائنات اعتدال اور توازن سے قائم اور دائم ہے جس دن اس اعتدال میں خلل پڑا اس دن کی شام قیامت کی شام ہوئی اسی طرح پرسکون انسانی زندگی اور قیام امن کا دارومدار بھی عدل و انصاف پر ہے، نظام عدل میں خلل واقع ہونے سے امن و سکون کا قیام ناممکن ہے۔ روئے زمین پر انسانیت تو خون کے آنسو رہی ہو اور مظلوموں کی آہوں نے آسمان سروں پر اٹھا رکھا ہو اور آپ امن کی فاختہ پکڑنے کی فکر میں ہوں "این خیال است و محال است و جنوں" سیرت النبی کا پیغام یہ ہے کہ تم عدل و انصاف کا نظام قائم کردو دنیا میں امن و امان اور سکون و سلامتی خود بخود قائم ہو جائے گی۔"

۲۔ عالمی تجارت:

قیام امن کی سلگتی ہوئی آرزو کے بعد عصر حاضر کے انسان کو جس تازہ ترین آزمائش اور پرکشش فتنے کا سامنا ہے اسے یہود و ہنود اور اقبال کے الفاظ میں خدا کی اس بستی اور دنیائے انسانیت کو ایک تجارت گاہ یا دکان سمجھنے والے اہل مغرب نے سودخوری پوری طرح سے لطف اندوز ہونے کی خاطر عالمی تجارت کا نام دے رکھا ہے اور "عالمی تجارتی تنظیم" کے عنوان سے ایک نیا پرکشش استعماری جال تیار کرلیا ہے، جادوگری کے اس خطرناک مگر پرکشش کھیل کے لئے ایک شیطانی اصطلاح بھی گھڑ رکھی ہے جسے وہ سب سے زیادہ لاڈلی یا قابل ترجیح قوم کا نام دیتے ہیں۔ نئے عالمی استعمار کے اس شیطانی ہتھکنڈے کی خود یورپ اور امریکہ کا باضمیر اور باشعور انسان مخالفت کررہا ہے، عالمی سامراجیوں کا اصل مقصد تو ایشیا اور افریقہ کی نام نہاد تیسری دنیا خصوصاً عالم اسلام کی معدنی دولت اور خام مال کو لوٹ کر اسے غلام بنانا ہے مگر خود

باہمی حسد، منافقت اور حریصانہ چپقلش سے بھی محفوظ رہنا ہے۔اس لئے ایک ''مشترکہ کمپنی'' بنائی گئی ہے اور اسے ''عالمی تجارتی تنظیم'' کا پرکشش نام دے دیا گیا ہے۔سود خور عالمی صیہونیت اور بنیا مہاراج کو اس کمپنی کے کارندے اور ایجنٹ کا رول دیا جا رہا ہے۔ چنانچہ پاکستان سے کہا جا رہا ہے کہ وہ مشرقی پاکستان کے راستے المناک زخم اور کشمیر کے رستے ہوئے پھوڑے کو بھول کر بھارت کے بنیا مہاراج کو اپنا سب سے زیادہ لاڈلا اور قابل ترجیح ملک'' تسلیم کرے اور اپنی کھال اتروانے کے لئے تیار ہو جائے بے بیچارے عربوں پر دباؤ یہ ہے کہ ۱۹۴۸ء اور ۱۹۶۷ء میں یہودی چیرہ دستیوں اور اپنے غضب شدہ علاقوں پر اسرائیلی قبضہ کو فراموش کر دیں اور اسرائیل کی صیہونی ریاست کو اپنا سب سے زیادہ لاڈلا اور قابل ترجیح لٹیرا تسلیم کر یں تا کہ وہ ان کا خون نچوڑ کر انہیں آسانی سے کنگال بنا سکے۔ حال یہ ہے کہ بنیا مہاراج نے ایک طرف تو تقسیم برصغیر کے متفقہ ایجنڈے کو ٹھکرا کر دھوکے سے کشمیر پر غاصبانہ قبضے کا نیزہ پاکستان کے سینے میں چبھو رکھا ہے اور دوسری طرف مشرقی پاکستان کو عالمی قوتوں کو بھی شریک سازش کر کے فوجی قوت سے الگ کر چکا ہے اور اسے برصغیر کے مسلمانوں سے ایک ہزار سالہ غلامی کا انتقام اور نظریہ پاکستان کا ابطال بھی قرار دے چکا ہے جبکہ صیہونیت کے علمبردار فلسطینیوں کے مکان بلڈوزر کر کے وہاں یہودی بستیاں آباد کر رہے ہیں وہ نہ ۱۹۶۷ء میں قبضہ میں آنے والے عرب علاقے خالی کر رہے ہیں اور نہ کلنٹن کی ضمانت کے ساتھ طے ہونے والے معاہدہ صلح کے مطابق فلسطینی ریاست کو قبول کرنے کے لئے تیار ہیں پھر مسلمانوں کے لئے زبردستی بنائے گئے دونوں لاڈلے۔ بھارت اور اسرائیل......اقوام متحدہ کی قراردادوں اور فیصلوں کی مٹی بھی پلید کر رہے ہیں اس صورت حال میں بھی مسلمانوں سے کہا جا رہا ہے کہ قیام امن کے لئے سر تسلیم خم کرو اور ساتھ ہی ان دونوں لاڈلوں سے تجارت بھی کرو اور وہ بھی ترجیحی بنیادوں پر!

حقیقت واقعی یہ ہے کہ ڈسٹ سٹارم کے بعد جہاں عرب تیل امریکہ کی مٹھی میں آ گیا ہے وہاں پوری عرب دنیا بھی اس کے زیر دام آ چکی ہے۔ دوسری طرف عالمی بینک اور بین الاقوامی مالیاتی فنڈ نے اسلامی دنیا کو قرضوں اور سود خوری کی بیڑیاں پہنا دی ہیں اب نیا عالمی استعمار عرب اور اسلامی دنیا کی دولت کا استحصال کر کے اسے غلامی کی بیڑیوں میں جکڑ کر بھوک سے مارنا چاہتا ہے۔ اس سامراجی استحصال کو

عالمی تجارت کا نام دے دیا گیا ہے۔ یہ عالمی تجارت نہیں بلکہ استحصالی نشتر ہے جس سے قرضہ اور سود میں جکڑے ہوئے مسلمان کے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑنا نئے عالمی سامراج کا اصل مقصد ہے! تجارت تو وہ کرتا ہے جس کے پاس پیسہ ہو یا مال بیچ کر نفع کمانے کا امکان ہو یہاں تو مقروض مسلمان کے پاس سود ادا کرنے کے لئے بھی پیسہ نہیں وہ تجارت کیا کرے گا' اس کا تو خام مال یہ سود خور لے جائیں گے اس کو یہ کاروبار کیا دے گا جس طرح کسی زمانے میں برصغیر کے مقروض مسلمان کا شتکار کی ہر چیز حتی کہ زمین بھی ہندو بنیا کے پاس گروی تھی اس لئے تمام پیداوار بنیا مہاراج بیاج میں سب کچھ لے جاتا اور مسلمان کسان بھوک مٹانے کے لئے اس سود خور سے اور مزید قرضہ اس کی منہ مانگی شرائط کے مطابق لینے پر مجبور ہو جاتا تھا اسی طرح آنے والے وقت میں یہ عالمی سود خور بھی مسلمان سے سب کچھ چھین کر لے جائیں گے اس لئے عالمی تجارت کیلئے مسلمان کے پاس تو رہے گا ہی کچھ نہیں گویا عالمی تجارت میں بھی ایک تکلف ہے جس کا مقصد بچا کچھا سمیٹنا ہے اصل تو وہ قرضوں پر سود کی شکل میں لے جا چکے ہیں۔

مسلمان کے لئے سیرت و تعلیمات نبوی کا پیغام یہ ہے کہ "**جعلت تسعة اعشار الرزق فی التجارة**" (نوے فی صد رزق تو تجارت میں ہے!) مگر افسوس یہ ہے کہ یہ امت سفید پوش بننے کے شوق میں اور تجارت کی مشقت اور موقع شناسی کی زحمت سے بچنے کے لئے نوکری' ٹوکری یا کھیت مزدوری پر قناعت کر بیٹھی۔ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت ہی کو ذریعہ معاش بنایا تھا۔ صداقت و امانت داری کے ساتھ ساتھ تجارت میں اصول پسندی کا بہترین نمونہ قائم کر دیا تھا آپ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ: "**التاجر الصدوق الامین مع النبیین و الصدیقین**" (سچا اور دیانتدار تاجر تو حشر میں نبیوں اور صدیقوں کے ساتھ ہوگا) یہ کتنے شرم کی بات ہے کہ تجارت کا نبوی طریق اہل مغرب نے اپنا لیا اور دنیا کا اعتماد کما کر اپنے کاروبار کو فروغ دیا لیکن ہم یا تو نوکری' ٹوکری اور کھیت مزدوری پر قناعت کر گئے بلکہ ان کاموں میں بھی سستی، کام چوری اور ہیرا پھیری کو شعار بنا لیا' جنھوں نے تجارت کو اپنایا وہ بھی تجارت کے نبوی طریق کو فراموش کر بیٹھے' ملاوٹ ہیر پھیر اور چالبازی ان کا شعار ٹھہرا۔ حد تو یہ ہے کہ قومی اور ملکی ضرورت کے لئے، ٹیکس کی ادائیگی کو ایک فریضہ ایک ذمہ داری اور کار خیر تصور کرنے کے بجائے ایک بوجھ

سمجھ کر ٹال مٹول اور ہیرا پھیری کو شعار بنالیا گیا۔ نبوی طریق تجارت سے محروم ہمارے یہ تاجر عالمی تجارت کے شہسوار یہودیوں' بنیا مہاراج اور خدا کی بستی کو دکان تجارت تصور کرنے والے اصول پسند یورپی اور امریکی تاجروں کا کیا مقابلہ کریں گے۔

عالمی تجارت کے علمبرداروں کے لئے سیرت نبوی کا پیغام یہ ہے کہ عالمی تجارت تو ایک نبوی ورثہ ہے جو مسلمان کا حق بھی ہے اور اس کا فریضہ بھی۔ عالم اسلام اس تجارت تعاون کو خوش آمدید کہتا ہے اور اس کے لئے بصمیم قلب پوری طرح تیار بھی ہے لیکن تجارت شروع کرنے سے پہلے لین دین کی منصفانہ فضا قائم کرنا ہوگی' سب سے پہلے مالیات کا استحصالی نظام ختم کرنا ہوگا۔ سوری کاروبار تجارت نہیں بلکہ ایک سنگدلانہ انسانیت سوز گناہ ہے انسان کا انسان کے ہاتھوں بدترین استحصال ہے' سودی نظام کاروبار نہیں ایک شیطانی انسان کا انسان کے ہاتھوں بدترین استحصال ہے۔ سودی نظام کاروبار نہیں ایک شیطانی چکر ہے۔ پرانے زمانوں کے سودخور اپنے لئے جواز پیش کرتے ہوئے کہتے تھے یہ تجارت بھی تو سود کی طرح کا ایک لین دین ہی ہے اگر تجارت روا ہے تو سودی کاروبار کیوں روا نہیں یہ عیار ذہنوں اور پتھر دلوں کی کٹ حجتی اور کج فہمی تھی آج کے سودخور یہودی بنیا اور ان کے پنجے میں گرفتار اہل مغرب کا استدلال بھی یہی ہے مگر قرآن کریم نے سیدھا سادہ جواب دیا ہے کہ یہ لوگ تو کہتے ہیں کہ تجارت بھی تو سودخوری کی طرح کا کاروبار ہی ہے مگر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہے کہ سودخوری حرام ہے اور تجارت حلال ہے اس لئے عالمی تجارت کو تیسری اور خصوصاً اسلامی دنیا کے لئے قابل عمل اور نفع بخش بنانے کے لئے سودی نظام کا خاتمہ لازمی شرط ہے ورنہ یہ تو ممکن نہیں ہے کہ تیسری دنیا کا غریب انسان قرضوں اور سود کا بوجھ بھی اٹھائے رکھے' عالمی سامراج کے سرپٹ دوڑنے والے استحصالی گھوڑوں کی دوڑ میں بھی شریک رہے' اس لئے سیرت نبوی کا پیغام یہ ہے کہ پہلے قرضوں کی معافی اور سودخوری کا خاتمہ پھر عالمی تجارت! اس کے بغیر تیسری دنیا کا انسان تو صرف استحصال کی چکی میں ہی پستا رہے گا' عالمی تجارت میں اس کا مفید' تعمیری اور پرعزم کردار ناممکن ہے۔

۳۔ عالمی میڈیا:

انسان جو کچھ دیکھتا ہے سنتا ہے یا پڑھتا ہے اس سے متاثر بھی ہوتا ہے اور یہ سب کچھ اس کے عملی

کردار کو اپنے رنگ میں ڈھالتا رہتا ہے عالمی میڈیا آج کے دور میں یہی کردار ادا کر رہا ہے۔ گویا عالمی میڈیا یا عالمی ذرائع ابلاغ کو بیک وقت معلم، مرشد اور کتاب کا کردار مل گیا ہے۔ پرنٹ میڈیا (اخبار، رسائل اور کتاب وغیرہ) .... کا کردار اگرچہ محدود ہے مگر مؤثر دیرپا اور آسان یہی ہے۔ الیکٹرانک میڈیا (سکرین...... ٹی وی اور سینما) بہت وسعت پذیر، زوردار اور بے حد متاثر کرنے والا ہے مگر کمپیوٹر نے تو سب کو مات کر دیا ہے، یہ درست ہے کہ ہمارا تمدنی دور حقیقت میں ذرائع ابلاغ یا میڈیا کا دور ہے۔ اس کے توسط سے ایک قوم دوسری قوم کو اس کے گھروں بلکہ سونے کے کمروں میں بلا روک ٹوک گھس کر ذہنوں کو متاثر کر سکتی ہے لہٰذا اس حوالے سے بھی آج کے مسلمان کو سیرت نبوی سے رہنمائی لینے کی ضرورت ہے تا کہ عصر حاضر کے اس سلگتے ہوئے مسئلے کا بہترین حل ہمارے سامنے آ سکے۔

مسلمان کے لئے سیرت وتعلیمات نبوی کا پیغام یہ ہے کہ علم وحکمت ایک ایسی دولت ہے جو مومن کی گم شدہ میراث کی حیثیت رکھتی ہے۔ دانائی اور معلومات کی دولت اسے جہاں سے میسر آئے اسے اپنی گم شدہ چیز سمجھ کر لے لینی چاہئے البتہ چھان پھٹک سے کام لینا ضروری ہوگا اور خُذْ مَا صَفَا وَ دَعْ مَا كَدَرَ "(جو صاف ستھرا ہے، وہ پکڑ لو اور جو کدورت سے ملوث ہے اسے جانے دو) کے حکم نبوی پر عمل کرنا ہوگا یہ خبر رسانی اور پرچہ نویسی جس نے آج کے ترقی یافتہ دور میں میڈیا ابلاغیات یا ذرائع ابلاغ کی متنوع شکل اختیار کر لی ہے دراصل ایجاد ہی مسلمانوں کی ہے۔ تاریخ انسانی میں حضرت عمر بن خطاب نے اپنے مبارک دور میں اس کا آغاز کیا تھا۔ دور دراز کے شہروں اور مقامی آبادی کے ساتھ ساتھ حکومت کے احوال سے مکمل آگاہی کو ضروری سمجھا تھا اور مصدقہ خبر رسانی پر زور دیا تھا آگے چل کر یہی سلسلہ کی انواع واقسام بھی منقسم و تبدیل ہو گیا۔ میڈیا یا ذرائع ابلاغ نے جو ترقی کی ہے وہ حیرت انگیز بھی ہے مگر ساتھ ہی خطرناک اور نازک بھی ہے اس سلسلے کے طفیل ہماری اس وسیع دنیا نے ایک گلوبل ولیج یا کڑاتی بستی کی شکل اختیار کر لی ہے۔

بنیادی طور پر سیرت وتعلیمات نبوی کسی بھی انسانی معاشرے کی تخریب کے حق میں نہیں بلکہ تعمیری کردار کو اولیت حاصل ہے تاہم اگر معاملہ ہو جنگ یا دشمنی کا تو اس کا منہ توڑ جواب دینے کی تاکید ہے۔ چونکہ عالمی میڈیا یا ذرائع ابلاغ نے ایک تباہ کن اسلحے کی شکل بھی اختیار کر لی ہے جس سے دشمنوں کے

گھروں میں پہنچ کر ان کے قلب و دماغ کو مسخر کیا جا سکتا ہے اس لیے اس کا توڑ کرنا امت مسلمہ پر واجب ہو چکا ہے۔فرمان نبوی ہے: "الحرب خدعة" (کہ جنگ تو ہوشیاری سے کام لینا یا دشمن کو بیوقوف بنانے کا نام ہے) دشمن کے حالات کا سراغ لگانا اور خبر رسانی کرنا اسلام میں کتنا ضروری اور اہم ہے اس کا اندازہ اس حقیقت سے ہو سکتا ہے کہ غزوات و مہمات کے دوران بعض مواقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر کی معیت میں یہ کام خود بھی بڑی احتیاط اور ہنرمندی سے انجام دیا۔ابلاغیات یا میڈیا کے ضمن میں سیرت نبوی سے حاصل ہونے والی رہنمائی مختصراً یوں ہے کہ

۱۔ خبر کی صحت اور تصدیق کو بنیادی حیثیت حاصل ہے' قرآن کریم میں کئی ایک جگہ اس کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ارشاد ہوتا ہے کہ:" اے ایمان والو! جب کوئی نامعلوم یا غیر معتبر شخص کوئی خبر لائے تو اس کی اچھی طرح چھان بین کر لیا کرو کہیں بعد میں نادم نہ ہونا پڑے (الحجرات)' اگر کسی عام آدمی کو کوئی خبر ملے تو اسے عام کرنے کے بجائے اپنے سے زیادہ صاحب علم وحکمت اور زیادہ سمجھدار لوگوں تک پہنچا دینا چاہئے تاکہ اس کی چھان بھٹک کر کے کسی نتیجہ پر پہنچ سکیں۔(نساء)

۲۔ معلومات دینے والا ذریعہ یا خبر رساں آدمی ثقہ و معتبر ہو' اس کی ثقاہت و معتبری کی ہر پہلو سے آزمائش اور چھان بین لازم ہے' ہمارے محدثین کرام نے راویت حدیث کو کرنے والوں کی آزمائش اور چھان پھٹک کر ضمن میں جو محنت کی ہے اور اصول دیئے ہیں وہ ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔

۳۔ تخریبی میڈیا اور ذرائع ابلاغ کی معاندانہ روش کا توڑ ضروری ہے اسی طرح مسلم کمیونٹی کا تحفظ بھی لازم ہے' غزوات اور مہمات کے ضمن میں حضور ﷺ نے ہر قسم کی تخریبی اطلاعات کے تبادلے کی موثر روک تھام کی ہے اور اس کا حکم بھی دیا ہے۔

۴۔ ذمہ دارانہ مکمل طور پر آزادانہ اظہار رائے' جس سے تعمیر و اصلاح مقصود ہو' اس کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ اس کی تاکید بھی فرمائی گئی ہے۔تعمیری تنقید بہترین رہنمائی کا کام دیتی ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:"رَحِمَ اللّٰهُ عَبْدً اَهْدٰى اِلَيَّ عُيُوبِيْ" (اس بندے پر اللہ کی رحمت ہو جو مجھے میرے ناقص کاموں کی نشاندہی کی شکل میں تحفہ پیش کرے۔)

۵۔ ذرائع ابلاغ سے جوگمراہی اورتخریبی مقاصد کے لئے جوفحاشی پھیلائی جارہی ہےاسکی روک تھام کے لئے قرآنی احکام (سورۃ نساء) میں موجود ہیں ان پرعمل کرتے ہوئے گمراہی اورفحاشی کے سیلاب کا تدارک امت کافرض ہے۔

۴۔ **غربت وافلاس کا خاتمہ:**

ہمیشہ کی طرح آج کے انسان کا بھی ایک اہم مسئلہ اور بنیادی ضرورت بھوک اور افلاس سے نجات ہےاوراس بھوک اورافلاس کا بنیادی سبب ہمیشہ کی طرح آج بھی ایک ہی ہےاوروہ ہے وسائل رزق تک ہرانسان کی آزادانہ ویکساں رسائی میں رکاوٹ جوایک محدودطبقہ افراد کی اجارہ داری میں رہتے ہیں‘سرمایہ دارانہ نظام کا فلسفہ یہ ہے کہ وسائل پیداوارتک رسائی کومحدود سے محدودتر کیا جائے‘ دولت کواس طرح سمیٹا جائے کہ دوسروں کیلئے کچھ نہ بچے اور پھراس دولت پرسانپ بن کر بیٹھ جائیں غریب اکثریت جائے بھاڑ میں ۔اس کے برعکس کمیونزم کہتا ہے کہ سرمایہ دار سے سرمایہ چھین کرسب پر برابرتقسیم کر دیا جائے۔کوئی مالک نہ ہوسب کی ضرورت پوری ہو‘ بے رحم سرمایہ داری یہ نہیں بتاتی کہ اس کے پاس غریب اکثریت کوبھوکوں مارتے ہوئے اپنی خودغرضی اورسنگدلانہ استحصال کا قانونی واخلاقی جواز کیا ہےجبکہ کمیونزم یہ بتانے سے قاصر ہے کہ اس کے پاس سرمایہ دار سے سرمایہ چھین لینے کالائسنس کہاں سے آیا؟ایک مرتبہ توسرمایہ چھین کر بانٹ دیا مگر پھرحسب ضرورت چھیننے اور بانٹنے کے لئے سرمایہ کہاں سے آئے گا‘ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دولت چند ہاتھوں میں آجاتی ہےاورایک جگہ جم جاتی ہے باقی محروم اکثریت جانوروں سے بھی بدتر ہوجاتی ہےاسی طرح کمیونزم میں بظاہر بیکاری توختم ہوجاتی ہےمگر بےعملی کا دوردورہ ہوجاتا ہے۔ کمیونزم کی ناکامی کا سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ دل لگا کرمحنت و جانفشانی سے ’’کامریڈ صاحب‘‘ کو دلچسپی نہیں رہتی بلکہ کام سے بھی بے نیاز ہوجاتا ہے۔

اس کے مقابلے میں سیرت وتعلیمات نبوی کا پیش کردہ نظام اقتصادیات اعتدال اور انسانی ہمدردی‘(جسے ایثاروانفاق کا نام دیا گیا ہے) کے اصول پر قائم ہے‘وسائل رزق تک رسائی سب کا مساویانہ حق ہے‘اور’’اتھارٹی‘‘ کا فرض ہے کہ وسائل تک رسائی کے مساویانہ حق کویقینی بنائے۔قرآن کریم وسائل

رزق اور دولت کو اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل قرار دیتا ہے جس کی تلاش سب کا حق بھی ہے اور فرض بھی ہے' اس پر اجارہ داری یار کاوٹ قانون اور اخلاق سے ماوراء ہے۔ دولتمند اپنی دولت کو اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کی امانت سمجھ کر اس میں بخل نہ کریں اور اسراف سے بچیں' اس کے ساتھ ہی دولت کو وراثت' زکوٰۃ' صدقات' خیرات اور ٹیکسز کے ذریعے تقسیم ہوکر معاشرے میں گردش کرتے رہنا چاہئے اسے جمنے نہ دیا جائے اسی تنگ دست اور محروم کو شریک کیا جائے مثلاً محروم اور نادار کو یہ حکم ہے کہ اپنے خون پسینے کی کمائی ہی بہترین رزق ہے' کمائی کرنے والا اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے' لینے والے ہاتھ سے دینے والا ہاتھ افضل ہے۔ بہر حال دو باتیں ضروری ہیں ایک تو یہ کہ ہر فرد کو مفید شہری اور رکن معاشرہ بنانے کیلئے اسے وسائل رزق میں شرکت کے مواقع فراہم کئے جائیں' ہر شہری جانفشانی سے محنت کرے اور حسن عمل میں اپنا خون جگر صرف کردے۔ دوسری بات یہ ہے کہ معاشرہ کا کوئی فرد بھی بھوکا نہ سوئے' ورنہ تمام معاشرہ گنہگار ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی حکم ہے۔ امام ابن حزمؒ کا کہنا ہے کہ اگر کسی بستی میں کوئی بھوک سے مر جائے تو پوری بستی مجرم ہے اور اس کا خون سب کی گردن پر ہے۔ سورۂ بلد کی آیات بینات کی رو سے اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو اپنے لئے ابنائے جنس کے حوالے سے جو مشن اور فریضہ سونپا ہے وہ یہ ہے کہ انسانیت کو بھوک اور غلامی سے تحفظ فراہم کیا جائے ہر فرد کا یہ مشن ہے کہ وہ دوسرے کی آزادی اور افلاس کا علاج کرے' اپنے بھائی کا لقمہ چھیننا نہیں بلکہ اپنا لقمہ بھی اسے دے دینا ہے' یہی ہے اسلام کا جذبہ ایثار اور فریضہ انفاق' ہر انسان اگر مان لے تو یہ دنیا بھی جنت بن سکتی ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی یہ وسیع وعریض سرزمین جو اب گلوبل ولیج بھی ہے اور جو بحر و بر کے بے حد وحساب وسائل رزق پر مشتمل ہے۔ اس میں قادر ورازق نے اپنے تمام بندوں کے لئے رزق کی گنجائش رکھی ہے۔ مصادر و وسائل رزق کی کمی نہیں اصل بیماری حرص اور خودغرضی ہے وسائل رزق پر چند افراد اور مخصوص اقوام قبضہ کرکے اسے اپنے لئے مختص کئے ہوئے ہیں خود بدہضمی سے مر رہے ہیں اور دوسروں کو بھوک سے مار رہے ہیں۔ امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتا جارہا ہے۔ یہ بے انصافی ختم کرنے کے لئے اسلام کا منصفانہ ومعتدل اقتصادی لائحہ عمل اپنانے کی ضرورت ہے' یہی اس مسئلے کا صحیح حل ہے۔

۵۔ پرسکون زندگی کی تلاش:

عزت وآرام کی پرسکون زندگی ہر انسان کی آرزو ہی نہیں ضرورت بھی ہے۔ گذشتہ سطور میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ اگر قیام عدل سے دنیا میں امن قائم ہو جائے' اظہار رائے کی مکمل آزادی کے ساتھ علم و معلومات پر ہر انسان کا حق مان لیا جائے' ذرائع ابلاغ تخریب کے بجائے تعمیر کو اپنا شعار بنالیں اور فقر و افلاس سے انسانیت کو نجات مل جائے تو عزت وآرام کے ساتھ پرسکون زندگی کا مسئلہ کافی حد تک حل ہو جاتا ہے۔ جہاں انسان اللہ تعالیٰ کے منشاء کے مطابق زندگی بسر کرتے ہوئے اپنی دنیا کے ساتھ ساتھ اپنی آخرت بھی سنوار سکتا ہے' لیکن اس ضمن میں جو اہم اور مناسب سوال سامنے آتا ہے، وہ یہ ہے کہ جس پر سکون زندگی کے ہم متلاشی ہیں اس زندگی کا حقیقی مقصد پرکھا؟ کیا انسان اس لئے پیدا ہوا ہے۔ کہ زندگی بھر تفکرات اور پریشانیوں میں مبتلا رہے اور وقت کی گردشوں کے تھپیڑے کھاتا پھرے' مصائب کے پہاڑ برداشت کرے اور غم والم کی بھٹی میں خود کو پگھلاتا رہے؟ یا کیا ہم دنیا میں صرف عیش وآرام کے لئے آتے ہیں۔ زندگی میں خوشیاں ہی خوشیاں ہونا چاہئیں' غم کا نام ونشان بھی نہ ہو۔ بس کھانا پینا' ہنسنا کھیلنا' سونا اور بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست کے مقولے پر عمل پیرا ہونا ہے؟ لیکن اس سوال کا جواب سمجھنے سے پہلے آپ سے ایک اور سوال پوچھنا ہے کہ کیا آپ نے کبھی اس دنیائے دوں میں کوئی امیر یا غریب انسان ایسا دیکھا ہے جو ہمیشہ ہر لحاظ سے خوش اور بے فکر ہے؟ غموں اور دکھوں سے انسان کا بیزار ہونا تو سمجھ میں آتا ہے۔ لیکن یہ کیا کہ ہر طرف خوشی وآرام کا سامان ہے' پھلوں پھولوں سے لہلہاتے مہکتے باغات ہیں مگر یہاں سب اس یکسانیت کے ماحول سے انسان اکتا جاتے ہے؟ آخر کیا بات ہے کہ اس دنیا میں ابن آدم کو کسی کل بھی چین نہیں حتی کہ ایک عرب شاعر کو یہ کہنا پڑا کہ:

كُلُّ مَنْ اَلْقَاهُ يَشْكُو لِلزَّمَنْ
لَيْتَ شِعْرِى هٰذِهِ الدُّنْيَا لِمَنْ ؟

''میں جس سے بھی ملتا ہوں زمانے کی شکایت کرتا ہے' میری سمجھ میں نہیں آتا آخر یہ دنیا ہے کس کے لئے؟
یہ سب کچھ نتیجہ ہے مقصد زندگی کو نہ سمجھنے کا' قرآنی نقطہء نظر سے یہ دنیا دراصل انسان کا اصل گھر ہی نہیں ہے۔

انسان یہاں اجنبی ہے اور عارضی زندگی گذار رہا ہے' یہ دنیا تو اس کے لئے ایک عارضی پڑاؤ کی جگہ اور وقتی سامان (مستقر و متاع الی حین) ہے ظاہر ہے جو نقل کو اصلی اور غربت کدے کو مستقل وطن سمجھ بیٹھے گا اس کا تو یہی حشر ہوگا۔ اسی لئے تو قرآن کریم دنیا کی خوشی اور غم دونوں کو بے حقیقت قرار دیتے ہوئے یکسر مسترد کر دے:

﴿ لِكَيْلَا تَاسفوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَ لَا تفْرَحُوا بِمَا آتَاكُم ﴾ (تا کہ تم کچھ کھو جانے پر غم سے نڈھال نہ ہو اور جو کچھ اللہ کی طرف سے مل جائے اس پر خوشی سے اترانے اور اکڑنے کی ضرورت نہیں) تو پھر اس زندگی کا مقصد کیا ہے اس کا جواب سیرت و تعلیمات نبوی سے ملتا ہے: ''اللہ تعالیٰ نے زندگی اور موت کا یہ سلسلہ اس لئے بنایا ہے کہ وہ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ تم میں سے کون ہے جو اس آزمائش کے میدان میں حسن عمل کا مظاہرہ کرتا ہے۔ ﴿ خَلَقَ الموتَ وَالْحَيَاةَلِيَبْلُوَكُمْ ' اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً ﴾ یہ دنیا تو میدان عمل اور مقام آزمائش ہے: ''الدنيا مزرعة الآخرة'' (یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں مسجد نبوی سے نکل رہا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لا رہے تھے پوچھا کیا کر رہے تھے تو عرض کیا کہ نماز پڑھی ہے اب بازار کی طرف جاؤں گا کہ اپنے اور اہل وعیال کے لئے کچھ کما سکوں' اس موقع پر آپ نے مجھے نصیحت کے انداز میں فرمایا اس دنیا میں اجنبی بن کر رہو بلکہ راہ چلتا مسافر بن کر رہو' اپنی دنیا کے لئے یوں محنت کرو' جیسے تم نے ہمیشہ یہیں رہنا ہے اور اپنی آخرت کے لئے یوں کام کرو جیسے تم نے کل ہی مر جانا ہے۔

تو یہ ہے دنیا اور آخرت کے درمیان توازن اور اعتدال کی زندگی جہاں اصل کام حسن عمل کا مظاہرہ کرنا ہے۔ دنیا کے لئے خون جگر صرف کر کے دل لگا کر یوں محنت کیجئے جیسے آپ نے ہمیشہ یہاں رہنا ہے تب محنت میں لطف آئے گا اور کام پر محنت کا رنگ بھی نظر آئے گا اور جب آخرت کے لئے کام کرنا ہو تو یہ تصور کر کے مصلے پر کھڑے ہوں کہ شاید یہ میری آخری نماز ہے' تب اللہ بھی نماز میں یاد آئے گا اور نماز میں بھی لطف آئے گا' آپ نے حسن عمل کا مظاہرہ کرنا ہے۔ جہاں بھی ہوں' چھوٹے بڑے منصب پر ہوں' کہیں بھی ہوں' کام یوں کریں تا کہ کہا جائے کہ کام ہو تو ایسا ہو' یہی وہ پرسکون زندگی ہے جس میں آرام کی نیند سونا نصیب ہوتا ہے۔ اور خوشی واطمینان کی حقیقی دولت میسر آتی ہے۔

عصر حاضر کے مسائل کا سیرت رسولؐ کی روشنی میں جائزہ

* پروفیسر میاں عبدالمجید

دور حاضر میں دنیا مادی لحاظ سے ترقی کی اعلیٰ منازل طے کر رہی ہے صنعتی لحاظ سے بام عروج تک پہنچی ہوئی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی اس کو تشویشناک اور ہولناک مسائل کا سامنا ہے۔ ان میں عقائد کے مسائل اخلاقی، روحانی اور فکری مسائل، اقتصادی مسائل سیاسی مسائل اور سماجی و ثقافتی مسائل ہیں۔ کیا ان مسائل کو سیرت رحمت للعالمین کی روشنی میں حل کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اس کے لئے اگر ہم آفتاب نبوت کے طلوع ہونے کے وقت کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو قرآن مجید اس دور کے حالات کی ان الفاظ میں تصویر پیش کرتا ہے۔

ظهر الفساد فی البر و البحر بما کسبت ایدی الناس (۱)

(بحر و بر میں لوگوں کے کرتوتوں کی وجہ سے فساد برپا ہو چکا ہے)

اس طرح اس دور کی تصویر حضرت جعفر طیارؓ نے حبشہ میں نجاشی کے دربار میں کھینچی ''اے بادشاہ ہم لوگ جاہل تھے بتوں کی پرستش کرتے تھے، مردار کھاتے تھے، بے حیائی کا کام کرتے تھے، قوی ضعیف کو کھا جاتا تھا، ہم اس حالت میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم میں ایک رسولؐ بھیجا، جس کے حسب و نسب کو ہم جانتے تھے، اس کی دیانت اور امانت کو ہم جانتے تھے، اس نے ایک اللہ کی عبادت کا حکم دیا، اس نے ہمیں سچائی کا حکم دیا، برائی سے روکا ہے، اس نے ہمیں نماز کا حکم دیا، صدقہ کرنے اور روزہ رکھنے کا حکم دیا، تو ساری قوم ہمارے خلاف ہو گئی۔ (۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو عقائد و اخلاق اور ذہن و فکر کی اصلاح و تطہیر کی۔ آپؐ کے فرائض منصبی میں تبلیغ رسالت کے ساتھ تربیت و تزکیہ بھی تھا، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

---

* صدر شعبہ علوم اسلامیہ گورنمنٹ کالج، بوسن روڈ، ملتان

۱۔ الروم: ۴۱

۲۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین ۱: ۵۸

هو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم آیاتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتاب و الحکمۃ و ان کانو امن قبل لفی ضلال مبین (۳)

حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہم السلام نے رسول اللہ ﷺ کے مبعوث ہونے کی دعا کی تو اس میں سے ایک خاص صفت تزکیہ کا ذکر فرمایا۔

ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم ایاتک و یعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم انک انت العزیز الحکیم (۴)

تزکیہ جو مقاصد نبوت میں سے ہے اس کی اہمیت کا اندازہ درج ذیل آیت سے ہوتا ہے

قد افلح من زکاھا و قد خاب من دسھا (۵)

(جس نے نفس کا تزکیہ کیا وہ کامیاب ہو گیا وہ ناکام ہوا جس نے ان کو خراب کیا)۔

گویا دنیا و آخرت کی فلاح ہی تزکیہ اختیار کرنے میں ہے رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کا اس طرح تزکیہ کیا کہ لوگ اندورنی طور پر درست ہو گئے اور ایمان لانے کے بعد پھرتے نہیں تھے، صلح حدیبیہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ہرقل کو خط بھیجا تو ہرقل نے ابوسفیان سے پوچھا کہ کیا کوئی مسلمان ایمان لاکر دین چھوڑتا بھی ہے تو اس نے کہا ایسا نہیں ہے۔ تو ہرقل نے کہا

"کذلک الایمان اذا دخل بشاشۃ القلوب"

برائیوں کے مواقع کے باوجود مسلمان برائیوں سے بچتے تھے، حضرت ابومرثد غنویؓ کو تنھائی میں جاہلیت کے زمانے میں تعلق رکھنے والی عورت عناق نے برائی کی دعوت دی تو انہوں نے فرمایا کہ اب ایمان نے اندر سے نقشہ بدل دیا ہے اس طرح حضرت ماعز اسلمی نے تنہائی میں برائی کی تو آ کر رسول اللہ ﷺ کے سامنے اقرار کیا کہ مجھے آخرت کی سزا سے بچانے کے لیے دنیا میں سزا دے دیں۔ اسی طرح ایک غامدیہ عورت نے آ کر اعتراف کیا جس کی توبہ کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

۳۔ الجمعہ۲

۴۔ البقرہ ۱۲۹

۵۔ الشمس: ۹۔۱۰

لقدتابت توبة لو قسمت علی سبعین من اھل المدینه لو سعتھم.

تاریخ عالم میں اسکی مثال نہیں ملتی کہ انسان تنہائی میں جرم کر کے اپنے جرم کا اعتراف کرے تا کہ اس کو سزا دی جائے تمام افراد کو رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح تیار فرمایا جن کے باطن کی اصلاح ہو چکی تھی، رسول اللہ ﷺ کے پورے دورِ مبارک میں چند لوگوں کو سزائیں دی گئی ہر طرف امن تھا' خوش حالی تھی' زکوۃ لینے والا کوئی باقی نہ تھا' حضرت عدی کی مشہور حدیث میں اس کے متعلق معلومات ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی تین پیش گوئیاں جو آپ نے فرمائیں وہ پوری ہوئیں۔

رسول اللہ ﷺ نے مکمل انقلاب برپا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی آپ نے ہر قسم کے نسلی امتیاز کو ختم کیا' ہر مسلمان کا مقام دوسرے کے برابر ہے' حسب ونسب' برادری' قوت جاہ وحشم کے امتیازات کو اس طرح ختم کیا'

ان اکر مکم عنداللہ ا تقاکم (٦)

قبائل اور خاندانوں کے وجود کا مقصد تعارف فرمایا:۔

یا ایھا الناس انا خلقنا کم من ذکر وانثی وجعلنا کم شعو باً و قبائل لتعارفوا (٧)

بے شک آپ میں اللہ کے ہاں وہ زیادہ صاحب تکریم ہے جو زیادہ متقی ہے

رحمت کائنات کا پیش کردہ دین اسلام ایک بین الاقوامی مذہب ہے جس کی تعلیمات علاقائی' قومی اور نسلی امتیازات سے بالاتر ہیں۔ آپؐ نے ایسے معاشرہ کی تشکیل کی جو مطلق العنان' سرکش اور ظالم و جابر نہ تھا بلکہ اپنے آپ کو اللہ کے سامنے جوابدہ سمجھتا تھا' نبی کائناتؐ نے قوانین پر عمل کرانے کیلئے لوگوں پر دباؤ اور جبر سے کام نہیں لیا بلکہ انکو ذہنی اور فکری لحاظ سے اس طرح تیار کیا' کہ وہ خود تعلیمات اسلام پر عمل کریں اور فرد اور معاشرہ خود اپنا محاسب ہو' آپؐ نے اس دور کے لحاظ سے تمام مسائل زندگی کو احسن طریقے سے حل فرمایا اور ایک بہترین معاشرہ قائم کیا جس میں ہر ایک فرد کا مقام و مرتبہ متعین تھا'

آپؐ نے صرف ٢٣ سال کی قلیل مدت میں نہ صرف عرب بلکہ پوری دنیا کیلئے ھدایت کی ایسی

٦۔ الحجرات: ١٣

٧۔ الحجرات: ١٣

مشعل روشن کی جس کی روشنی قیامت تک لوگوں کی راہنمائی کرتی رہے گی۔مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس دور کے چند مسائل اور انکا سیرت نبوی کی روشنی میں حل پر گفتگو کی جائے۔

اخلاقی وروحانی اور فکری مسائل:

اس وقت دنیا میں توحید سے دوری ہے اور شرک عام ہے اسی طرح بے پردگی کو ترقی کا باعث سمجھا جاتا ہے اخلاقی قدریں ناپید ہو چکی ہیں اولاد والدین سے لاتعلق ہے اسی طرح تعلیمی لحاظ سے بھی انحطاط ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اصلاح عقیدہ پر بہت زور دیا ہے عقیدہ پختہ اور مستحکم ہونا ضروری ہے۔

ان الذین قالو اربنا اللہ ثم استقاموا فلاخوف علیهم ولا هم یحزنون' اولئک اصحاب الجنة خالدین فیها جزاء بما کانوا یعملون (۸)

(بلاشبہ جن لوگوں نے کہہ دیا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور پھر اس پر جم گئے انکے لیے نہ خوف ہوگا نہ غم ہوگا یہی لوگ جنت میں جانے والے ہیں۔ جہاں وہ اپنے اعمال کی وجہ سے ہمیشہ رہیں گے۔)

اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا ارشادگرامی ہے

قل آمنت باللہ ثم استقم (۹)

(کہہ دیجیئے میں اللہ پر ایمان لایا پھر اس پر ثابت قدم رہ)

بعض لوگ تو مذہب کو اہمیت دیتے ہی نہیں اس کو محض پرائیویٹ معاملہ سمجھتے ہیں اور بعض جو دین کا رجحان رکھتے ہیں انکے عقیدہ میں خرابی ہے حالانکہ توحید اسلام کی امتیازی علامت ہے۔توحید نے تمام فرضی خداؤں سے ان کو آزاد کیا' صرف اللہ کی ذات کمالات سے متصف ہے

عقیدہ توحید انسان کو عزت نفس بہادری' آزادی اور اطمینان قلب عطا کرتا ہے بلکہ اللہ سے تعلق اور ذکر اطمینان قلب کا باعث ہے۔

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب (۱۰)

۸۔ الاحقاف:۱۳-۱۴

۹۔ احمد بن حنبل،المسند،(القاہرہ) :۳/۴۱۳

۱۰۔ الرعد: ۲۸

(اللہ کے ذکر سے دل مطمئن ہو جاتے ہیں)

موجودہ دور میں عقیدہ توحید پر صحیح ایمان لانے سے انسان بہت سے مصائب اور پریشانیوں سے نجات پا جاتا ہے رسول اللہ ﷺ نے اخلاقی بے راہ روی کی اصلاح کی بلکہ آپؐ نے اس انسان کی تعریف کی جو اس صفت کا حامل ہو فرمایا

اکمل المؤمنین ایماناً احسنھم خلقا (۱۱)

(مومنوں میں سے کامل الایمان وہ ہے جو بہترین اخلاق کا حامل ہو۔)

آپؐ اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اخلاق کی بہتری کی دعا فرماتے

اللھم اھدنی لاحسن الاخلاق لایھدی لاحسنھا ا لاانت و اصرف عني سیئھا لا یصرف عني سیئھا الا انت (۱۲)

رسول اللہ ﷺ کی زندگی بہترین اخلاق کا عملی نمونہ ملتا ہے آپؐ نے کبھی کسی کو برا بھلا نہ کہا نہ کبھی کسی کو ڈانٹا بلکہ خادم رسول حضرت انسؓ نے فرمایا اگر کبھی میں کوئی کام نہ کرتا تو کبھی رسول اللہ ﷺ نے مجھے نہ ڈانٹا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے متعلق فرمایا:۔

وانک لعلیٰ خلق عظیم (۱۳)

آپ کی تیار کردہ جماعت صحابہ کرام کے اخلاق کی وجہ سے دنیا میں اسلام پھیلا اس دور میں بھی ہمارے لیے یہ ضروری ہے ارشاد نبویؐ ہے۔

ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله و اذا فسدت فسد الجسد کله الاو ھی القلب (۱۴)

آج ہماری ہی نہیں بلکہ دنیا کی اصلاح کیلئے بھی اخلاق کی اصلاح ضروری ہے اولاد کی بہترین

۱۱۔ احمد المسند ۲: ۵۰

۱۲۔ مسلم الجامع الصحیح ۲: ۴۲۸ باب صلاۃ النبیؐ ودعاءہ باللیل

۱۳۔ القلم: ۴

۱۴۔ خطیب تبریزی مشکاۃ المصابیح باب طلب کسب الحلال

تربیت ضروری ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وقضیٰ ربک الا تعبدوا الا ایاہ و بالوالدین احسانا (۱۵)

اسی طرح اولاد کا خیال رکھنے کیلئے والدین کو حکم دیا:

لاتقتلوا اولاد کم خشیة املاق نحن نرزقهم وایا کم ان قتلهم کان خطا کبیرا(۱۶)

جہاں تک تعلیم کا تعلق ہے اسلام کی ابتدا ہی تعلیم وتدریس سے ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اقرأ کا سبق دیکر مبعوث فرمایا:

اقرأ باسم ربک الذی خلق . خلق الانسان من علق. اقرأ وربک الاکرم الذی علم بالقلم. علم الانسان مالم یعلم(۱۷)

آپ کی پوری زندگی علم کو پھیلانے میں گزری آپ ؐ نے علم حاصل کرنے کی ترغیب دی فرمایا:

من یرداللہ به خیراً یفقهه فی الدین (۱۸)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرمایا ہے

ومن یوت الحکمة فقداوتی خیر کثیراً (۱۹)

اور فرمایا:

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء (۲۰)

۱۵۔ الاسراء: ۲۳

۱۶۔ الاسراء: ۳۱

۱۷۔ العلق: ۱۔۵

۱۸۔ ابن ماجہ۔ سنن حدیث نمبر ۲۰۰۸ ،(مکتبہ دول الخلیج الریاض)

۱۹۔ البقرہ: ۲۶۹

۲۰۔ فاطر: ۲۸

آپؐ نے اپنی عملی زندگی سے صحابہ کرام کو علماء کے آداب واحترام کا سبق دیا' موجودہ دور میں ہماری ترقی کا باعث علم کا حصول ہی ہے

سیاسی مسائل:

سیاسی مسائل میں اس وقت دنیا میں بدامنی بہت بڑا مسئلہ ہے۔ بڑی حکومتیں چھوٹی حکومتوں پر ہر قسم کے ظلم روا رکھتی ہیں عدل وانصاف کا حصول بھی ناممکن ہے۔

رسول اللہ نے حجۃ الوداع کے موقع پر جو ارشاد فرمایا اگر اس کو سامنے رکھا جائے تو اس سے عزت، جان و مال کی حفاظت اور امن وامان کے معاملے میں بہت رہنمائی ملتی ہے فرمایا:

ان دماء کم و اموالکم علیکم حرام کحرمۃ یو مکم ھذا فی شھر کم ھذا فی بلدکم ھذا (۲۱)

(بلاشبہ آپ کا خون آپ کا مال ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح اس دن، اس مہینہ اور اس شہر کی حرمت ہے)۔

اس دور میں انسانی قتل کی کوئی حیثیت نہیں ہے رسول اللہ ﷺ نے بے گناہ قتل کرنا ناجائز قرار دیا بلکہ قرآن نے تو قصاص لینے کو زندگی قرار دیا ہے۔

اس وقت دنیا کی بدامنی رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے دوری کا نتیجہ ہے طاقتور کمزور کو اپنے ظلم کا نشانہ بناتے ہیں بڑی حکومتیں چھوٹی حکومتوں پر جو چاہیں ظلم کرتی ہیں اسلام صاحب اقتدار لوگوں پر ظلم نہیں کرتا بلکہ ان کے معاملات کا ذمہ دار ہوتا ہے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خلیفہ بننے کے بعد پہلے خطبے میں ارشاد فرمایا:۔

لوگو میں تمہارا والی مقرر کیا گیا ہوں میں تم سے بہتر نہیں ہوں اگر میں بہتر کام کروں تو میری مدد کرنا اگر غلط کام کروں تو درست کر دینا' تم میں سے جو کمزور ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ اس کا حق دلوادوں اور تم میں سے جو قوی ہے میرے نزدیک ضعیف ہے یہاں تک کہ اس سے کمزور کا حق لے لوں۔

۲۱۔ ابن ماجہ۔ السنن (دینی کتب خانہ) لاہور، ۲۶۸:۲ باب حرمۃ دم المؤمنین

میری اس وقت تک اطاعت کرو جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروں اگر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت نہ کروں تو تم پر میری اطاعت واجب نہیں۔ (۲۲)

حکمران اسی صورت میں کامیاب ہو سکتے ہیں جب وہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کو مشعل راہ بنائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے حکمرانوں کو امن وامان کا ذمہ دار قرار دیا ارشاد فرمایا:۔

کلکم راع و کلکم مسؤل عن رعیته

بلکہ ارشاد فرمایا:۔

من جعل قاضیا فقد ذبح بغیر سکین

رسول اللہ ﷺ خود اس بات کا خیال رکھتے کہ امن وامان کی کیا صورت حال ہے آپؐ نے ایسے لوگ مقرر کیے جو چل پھر کر لوگوں کے حالات کا پتہ چلاتے اور مجرموں کے متعلق معلومات بہم پہنچاتے۔ رسول اللہ ﷺ روزانہ خود بھی معلوم کر کے فیصلہ فرماتے۔

عدل وانصاف کا نظام قائم کیا قریش کی عورت فاطمہ کے چوری کرنے کا واقعہ معروف ہے آپؐ کو سفارش کی گئی تو آپ نے فرمایا ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ چوری کر لیتی تو میں اسکا ہاتھ کاٹ دیتا'' حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ اور دیگر خلفاء کے زمانے میں اس عمل کو جاری رکھا گیا۔

مسلمان حکومتوں کا آپس میں اتحاد اتفاق بہت ضروری ہے اس کے متعلق ایک مسلمان مفکر نے کہا تھا۔ ''اس وقت مسلم ممالک نے جن بنیادوں پر خود کو تقسیم کیا ہوا ہے وہ سراسر غیر مناسب ہیں چنانچہ افغانستان سے لے کر عرب اور افریقہ تک عام طور پر باہمی بے تعلقی کا عالم ہے'' لہٰذا قدرتی طور سے حضورؐ اپنی امت کو آج بھی یہی فرمائیں گے جو عربوں سے فرمایا تھا اور اتحاد نعمت کی بشارت دے کر افتراق سے بچنے کی تلقین فرمائیں گے۔ جس طرح حضورؐ کے زمانے میں اتحاد واقعی ایک نعمت عظمٰی ثابت ہوا تھا۔

آپؐ کی امت دیکھتے ہی دیکھتے ساری دنیا پر چھا گئی تھی۔ آج بھی نعمت اتحاد و اتفاق اپنے اندر

۲۲۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ ۳: ۱۲۹

ویسے ہی روشن احکامات رکھتی ہے بلاشبہ چودہویں صدی میں زوال کے سائے گہرے رہے مگر پندرھویں صدی قرآن کی رو سے امید افزا صدی ہے یہ اس شرط سے ہے کہ مسلمان اپنے روحانی رشتوں کو اپنے اتحاد کی اساس قرار دے لیں اور ان رشتوں کے تابع وسائل مادی کی تنظیم کر کے خود کو ایک بنیان مرصوص بنالیں۔ (۲۳)

میثاق مدینہ کی سیاسی لحاظ سے بہت اہمیت ہے اس معاہدہ میں رسول اللہ نے یہود کو شامل کیا۔ یہود کی قوم مغضوب علیھم انبیاء کرام کی نافرمان ٹھہری اس نے ہٹ دھرمی سے انبیاء کرام کی تعلیمات کو جھٹلایا اس معاہدہ میں مسلمانوں کی حیثیت کو تسلیم کیا گیا رسول اللہ ﷺ کو تمام معاملات میں فیصل مانا گیا یہود کے علاوہ دیگر قبائل بھی اس میں شامل تھے تمام چیزوں کو تحریر میں لایا گیا سب لوگوں کو اس میں مذہبی آزادی تھی آپس میں بہترین تعلقات رکھنے کی تاکید تھی مدینہ منورہ کی حفاظت کا عزم تھا۔ (۲۴)

اس معاہدے سے بہت ہی فوائد ہوئے ظاہری طور پر کچھ عرصے کیلئے مسلمانوں کو اطمینان ہو گیا اگرچہ یہودی ہمیشہ ہی شرارتیں کرتے رہے پھر ان کا ہر ایک قبیلہ اپنی حرکات کی وجہ سے باری باری اپنے انجام کو پہنچ گیا۔ (۲۵)

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حالات کے مطابق جائزہ لے کر انسان دشمنوں سے صلح کر سکتا ہے۔

صلح حدیبیہ میں بھی رسول اللہ ﷺ نے کمال حوصلے اور عالی ظرفی کا مظاہرہ فرمایا: اس کی تمام شرائط مسلمانوں کے خلاف نظر آتی تھی اور ان سے توہین کا پہلو نظر آتا ہے لیکن رسول اللہ نے یہ معاہدہ کیا۔ حالات نے ثابت کیا کہ یہ صلح مسلمانوں کیلئے بہت مفید ثابت ہوئی ہر ایک شق جو نقصان دہ معلوم ہوتی تھی مسلمانوں کیلئے اس کا فائدہ ہوا یہ معاہدہ دس سال کیلئے تھا اسی دور میں دعوت اسلام کا مسلمانوں کو موقع ملا۔ تمام بادشاہوں کی طرف اطمینان کے ساتھ خطوط لکھے گئے جن میں سے بعض کو اللہ تعالی نے اسلام قبول

۲۳۔ سید عبداللہ، عصر حاضر کے نام سیرت نبوی کا پیغام، فکر ونظر، اگست ۱۹۸۱، ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد، ص ۷

۲۴۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ الوثائق السیاسیة لعهد النبوی الی و خلافة الراشدہ (دار النفائس بیروت ۱۹۸۹) ص ۵۷۔۲۵۶۲۔

۲۵۔ تفصیلات کتب سیرت وحدیث میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

کرنے کی سعادت نصیب فرمائی۔(۲۶)

اس صلح کے درمیان ہی رسول اللہ نے ہرقل کو خط لکھا جب خط پہنچا تو ابوسفیان بن حرب جو وہاں گئے تھے ابوسفیان کو ہرقل نے بلا کر بعض سوالات کیے جن کے جوابات سن کر اس نے آپؐ کے نبی ہونے کی تصدیق کی۔(۲۷)

اس صلح کی بنا پر قبیلہ بنوخزاعہ مسلمانوں کا حلیف بنا جس پر قریش کی زیادتی کرنے کی وجہ سے مسلمانوں نے مکہ مکرمہ پر چڑھائی کی اور جس کے نتیجے میں مکہ فتح ہوگیا قرآن مجید نے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا:۔

انا فتحنا لک فتحا مبیناً (۲۸)

اقتصادی مسائل

اقوام عالم کو سودی نظام نے بری طرح سے اپنے شکنجے میں جکڑا ہوا ہے بڑی قومیں چھوٹی قوموں کو سود کی وجہ سے اپنا غلام بنائے ہوئے ہیں جائز و ناجائز کی حدود اسلام نے مقرر کی ہیں، مسلمان ممالک بھی عام طور پر اس سے بری نہیں طلب رزق حلال کی قرآن وحدیث نے بار بار تاکید کی گئی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس کا عملی نمونہ پیش فرمایا: ارشاد ربانی ہے۔

یاایھاالذین امنوا الاتا کلوا اموالکم بینکم بالباطل الاان تکون تجارة عن تراض منکم(۲۹)

اسی طرح سود کی حرمت کے متعلق فرمایا: **یاایھا الذین امنوا لا تا کلو الربوٰا اضعافا مضا عفة و اتقوا اللہ لعلکم تفلحون (۳۰)**

۲۶۔ مکمل تفصیل کتب تفاسیر زیر آیت لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرہ اور کتب سیرت وتاریخ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں بطور مثال دیکھیں طبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک المعروف تاریخ طبری مطبوعہ بیروت ۲:۱۰۲۔۹۱

۲۷۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب بدالوحی الی رسول اللہ

۲۸۔ الفتح: ۱

۲۹۔ النساء:۲۹

۳۰۔ آل عمران: ۵۱

بلکہ سود نہ چھوڑنے کو اللہ و رسولؐ کے خلاف اعلان جنگ ہونا فرمایا:

فان لم تفعلوا فاذ نوا بحرب من اللہ ورسولہ (۳۱)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے اس جرم عظیم کے بارے میں فرمایا سود کے گناہ کی ستر سے زیادہ قسمیں ہیں کم از کم یہ ہے کہ آدمی اپنی حقیقی ماں سے نکاح کرے۔ (۳۲)

سود کو آپؐ نے ہمیشہ کیلئے ختم کر دیا کیونکہ غریب لوگوں کا استحصال کرتا ہے۔ اسی طرح آپؐ نے مال و دولت کی منصفانہ تقسیم کو ضروری قرار دیا ہے اس کی وجہ یہ بتائی۔

کی لا یکون دولة بین الا غنیاء منکم(۳۳)

(دولت صرف غنی لوگوں میں گردش نہ کرتی رہے)۔

امراء کو غرباء کا بھائی قرار دیا انہیں خرچ کرنے کی ترغیب دی اسے کار ثواب بتایا بلکہ حکم دیا کہ ان سے زکوٰۃ وصول کر کے ان کے مالوں کو پاک کریں۔ اللہ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا۔

خذ من اموالھم صدقة تطھرھم و تزکیھم بھا (۳۴)

گویا امراء کی دولت سے زکوٰۃ کی وصولی ان پر احسان ہے۔ یہ بھی فرمایا۔

فی اموالھم حق معلوم للسائل و المحروم (۳۵)

سماجی مسائل

غربت اس دور کا بہت بڑا مسئلہ ہے اس دور میں دنیا میں اور خاص کر پاکستان میں امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتا جا رہا ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:۔

کادالفقران یکون کفراً(۳۶)

۳۱۔ البقرہ: ۲۷۹

۳۲۔ ابن ماجہ السنن حدیث نمبر ۲۲۷۴

۳۳۔ الحشر: ۷

۳۴۔ التوبہ: ۱۰۳

۳۵۔ المعارج ۲۴-۲۵

۳۶۔ مشکوۃ المصابیح، اس کی مذکورہ تشریح کے لئے دیکھیں سید ابوبکر غزنوی: اسلام میں گردش دولت (مکتبہ غزنویہ لاہور)

(قریب تھا کہ غربت کفر تک لے جاتی)

رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں غربت کو ختم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی زکوٰۃ کے نظام کو نافذ کیا اور فرمایا کہ زکوٰۃ امراء سے لیکر غرباء کو دی جائے ارشاد نبوی ہے۔

تو خذ من اغنیاء ھم و ترد الی فقراء ھم

گداگری کی مذمت کی اور اس کو ختم کرایا۔

ایک آدمی کو بھیک مانگتے ہوئے دیکھ کر اس کو لکڑی اکٹھی کر کے بیچنے کا حکم دیا اس کے اس طرح کرنے سے اس کے گھریلو حالات بہتر ہو گئے۔(۳۷)

رسول اللہ ﷺ نے غریبوں کے ساتھ محبت کی اور صحابہ کو ان سے محبت کرنے کا درس دیا امتیازات ختم کر کے بھائی بھائی بنا دیا بلکہ آپؐ دعا فرمایا کرتے تھے۔

اللھم احینی مسکینا و امتنی مسکینا و احشرنی فی زمرۃ المساکین (۳۸)

رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں غریب اور لاوارث لوگوں کا خصوصی خیال فرمایا: ارشاد نبویؐ ہے۔

''جو کوئی مال چھوڑ کر فوت ہو تو اسکے عزیز وارث ہونگے لیکن جو قرض چھوڑے یا بچوں کو چھوڑ کر مرے تو اس کے قرض اور یتیم بچوں کا میں ذمہ دار ہوں۔(۳۹) حالانکہ خود آپ ﷺ کا یہ حال تھا کہ گھر میں کئی کئی دن چولہا نہ جلتا تھا۔(۴۰)

ہمارے ملک کے حکمران عیش کی زندگی بسر کر رہے ہیں وزیراعظم اور وزیراعلیٰ اور گورنر ہاؤس کے بجٹ لاکھوں کروڑوں تک ہوتے ہیں۔غرباً بے چارے نان جویں کو ترستے ہیں۔

ہمارے تمام معاملات کا حل صرف اور صرف سیرت رسول اللہ ﷺ کو اپنانے میں ہے۔

۳۷۔ خطیب تبریزی، مشکوٰۃ المصابیح (نور محمد اصح المطابع کراچی) ص ۱۶۳

۳۸۔ خطیب تبریزی، مشکوٰۃ المصابیح، حدیث نمبر ۲۳۲۵، ص ۵۳۷

۳۹۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب النفقات

۴۰۔ صحیح بخاری، ۲: ۹۶۵، طبع دھلی

سیرۃ النبی ﷺ کے امتیازات

* پروفیسر عبدالجبار شاکر

الحمدلله رب العلمین' والعاقبة للمتقین والصلوة والسلام علی اشرف المرسلین و خاتم النبین.

اس کائنات میں اللہ تعالیٰ نے جس پہلے انسان کو احسن تقویم کی خصوصیات کے ساتھ پیدا کیا' وہ حضرت آدمؑ ہیں۔ ابلیس کی کارروائیوں اور کارفرمائیوں کے باعث آپ کو عالم بالا سے زمین پر بھیج دیا گیا۔ یہاں آپ کو نبوت کے منصبِ جلیلہ پر سرفراز کیا گیا۔ یوں اس کائنات میں نبوت اور انسانیت کا آغاز ایک ساتھ اور ایک ہی شخصیت کے حوالے سے ہوا۔ کاروانِ نبوت کا آغاز تو آدمؑ سے ہوا' پھر یہ قافلہ مختلف منازل اور مراحل سے گزرتا ہوا اپنی حقیقی اور مطلوبہ منزل تک پہنچ گیا اور اس نقطہء اختتام پر نبی آخرالزماں حضرت محمد ﷺ مبعوث ہوئے۔

آپ اس کائنات کے مختلف اجزاء اور مخلوقات پر ایک نظر دوڑائیں تو یہ حقیقت واضح ہوگی کہ ہر چیز اپنے اپنے مخصوص راستے پر اپنے فرائض ادا کر رہی ہے۔ چاند' سورج ہو یا ہوائیں' گلیشیئر' ندیاں ہوں یا دریا' فصلیں' اجناس ہوں یا پھل' چرند و پرند ہوں یا حیوانات' معدنی دفینے ہوں یا قدرتی وسائل' زمین' فضا ہو یا سیارے' سبھی اپنے فرائض اور وظائف ازل سے ایک ہی طریق پر انجام دیتے چلے آ رہے ہیں اور اس میں سرمو انحراف نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام اجزائے آفرینش اور مخلوقات کو جو جبلّی یا فطری ہدایت ودیعت کی ہے' سب اسی کے موافق چلتے اور کام کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ جب یہ تمام کائنات اور اس کی مخلوقات فطرت کے بخشے ہوئے قواعد اور ضوابط کے مطابق کام کر رہے ہیں تو کیا اس کائنات کے شاہکار یعنی خود حضرتِ انسان کے لیے کوئی مقصد متعین نہیں کیا گیا اور آیا اس کے لیے ہدایت کا کوئی فطری

---

* ڈائریکٹر انسٹی ٹیوٹ آف سیرہ اسٹڈیز، بیت الحکمت، لاہور

نظام وضع نہیں کیا گیا؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب ہر عہد کے فلاسفہ حکماء، متکلمین اور دانش وروں نے دینے کی بھرپور کوشش کی ہے، مگر کسی سے بات بن نہیں پائی۔ ان حضرات نے انسانی زندگی کی مقصدیت اور معنویت کے بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کہی کہ جس سے آدم کا اطمینان بھی ہوتا اور اس کے وقار میں اضافہ بھی ہوتا۔

انسان کیا ہے؟ اس کائنات میں اس کی تخلیق کا مقصد کیا ہے؟ اپنے مقصدِ تخلیق کو پورا کرنے کے لیے اس کے پاس ذرائع کیا ہیں؟ حیات بعد الممات، امورِ غیب اور مابعد الطبیعات اور الہیات کے بارے اس کا سرچشمہء علم کیا ہے؟ اس کی ہدایت کے لیے وہ کون سا فطری طریق ہے، جو زمین اور زمانے کی ہر گردش میں پورا اترتا دکھائی دیتا ہے؟ یہ سب وہ سوالات ہیں، جن کا صحیح، درست اور اطمینان بخش جواب صرف اور صرف انبیاء و رسلؑ نے فراہم کیا ہے۔ اور اس کی صاف اور سیدھی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس کا جواب اپنی سمجھ اور فہم کی بجائے اس وحی و الہام کے ذریعے سے دیا ہے جو انہیں مقدس اور معتبر فرشتوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے فراہم کیا ہے۔ یہی وہ مقام ہے، جہاں انبیاء و رسل اور فلسفیوں اور دانشوروں کی آراء میں امتیاز پیدا ہو جاتا ہے۔ فلسفی اور متکلم ان سوالوں کا جواب دیتے ہوئے مسئلے کو مزید الجھا دیتے ہیں، جس سے انسانی قلب و نظر کا اضطراب اور انتشار مزید بڑھ جاتا ہے، مگر انبیاء و رسل اس کا وحی و الہام کے سرچشمے سے ایسا جواب فراہم کرتے ہیں، جس سے شکوک اور شبہات کا خاتمہ ہو جاتا ہے، اور اس کی جگہ کامل طمانیت میسر آ جاتی ہے۔ آسمانی ہدایت کے ذریعے قلب و نظر کی طمانیت کا یہ پیغام جن شخصیات کے ذریعے انجام دیا جاتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ، سلیم الفطرت اور پاکیزہ نفس انسان ہوتے ہیں، جنہیں ہم نبی، رسول اور پیغمبر کی پاکیزہ اصطلاحات سے یاد کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ان برگزیدہ، متقی اور مخصوص افراد و رجال کو نبی اور رسول کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ان انبیاء کے مقصد بعثت کو بہت نمایاں انداز میں پیش کیا گیا۔ اگر ایسی تمام آیات مبارکہ کو جن میں نبوت کے چارٹر کی تشریح کی گئی ہے، جمع کیا جائے تو ان کا خلاصہ تین نکات پر مشتمل دکھائی دیتا ہے۔

(۱) تلاوتِ آیات (۲) تزکیہء نفوس (۳) تعلیم کتاب و حکمت

انبیائے کرامؑ کے اس مشن اور چارٹر کے ذریعے جو ذہنی تغیر اور قلبی انجذاب پیدا ہوتا ہے، اسے ہم کارنامہء سیرت کہتے ہیں۔ افسوس کہ مغربی دانشور، سیرت اور سوانح کے درمیان فنّی اور علمی نوعیت کا فرق محسوس نہ کر سکے۔ انہوں نے تو خود اپنے رسولوں کے تذکرے صرف داستانوی اسلوب میں لکھے ہیں، لہٰذا کسی یورپی اور مستشرق سے یہ توقع ہی نہیں کی جاسکتی ہے کہ وہ کسی بھی نبی یا رسول کے کارنامہء سیرت کو اس کے حقیقی فنّی تقاضوں کے ساتھ پیش کر سکے۔ مغرب میں سوانح نگاری کے فن نے بہت کمال پیدا کیا ہے۔ ہیرو یا ہیرو ورشپ میں ان کے ہاں، بہت جذباتی شدت پائی جاتی ہے۔ مگر جو مذاہب اپنے رسولوں کی سیرت کو فراموش کر چکے ہوں اور جن کی مذہبی کتابیں اپنے الہامی متن اور اس کی زبان تک سے محروم ہو چکی ہوں، وہاں کسی پیغمبر یا نبی کے کارنامہء سیرت کا تقاضا ایک بے سود خواہش ہے۔ یہاں ایک اور نکتہ سمجھ لینا چاہیے کہ جن مستشرقین نے حضرت محمد ﷺ کی سیرت لکھنے کی کوشش کی ہے، وہ صرف اسی لیے ناکام رہے کہ ان کے ذہن میں سوانح اور سیرت کا فرق ملحوظ نہیں تھا۔ حضور ﷺ، محمد بن عبداللہ بھی ہیں اور محمد رسول اللہ بھی۔ محمد بن عبداللہ ﷺ کی حیثیت سے انہوں نے آپ کی سوانح کو مرتب کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ مگر محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوی حیثیت سے بے خبر ہونے کے باعث وہ کارنامہء سیرت کی تحسین سے محروم رہے، جب تک کوئی قلم کار خود ایمانی اور اخلاقی اقدار کے سرمائے سے مالا مال نہ ہو، وہ کسی سرچشمہء ایمان اور مرکز رشد و ہدایت شخصیت کی سیرت کا فہم کیسے پیدا کر سکتا ہے۔

''سیرت'' کا عربی مادہ و مصدر سار، یسیر، سیراً اور مسیراً ہے۔ اس مادے سے بننے والا ہر لفظ کئی معنی رکھتا ہے۔ جو لغت نویسوں کے ہاں چال، چال چلن، مسافت، ہئیت اور گزرے ہوئے لوگوں کے واقعات بیان کرنے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ عربی زبان میں اسے سیرہ یا السیرہ بھی لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔ صاحب تاج العروس نے ''السیرہ'' کے معنی طریقہ کے بھی لکھے ہیں۔ یوں ''احسن السیرہ'' کے معنی ''اچھا طریقہ'' کے ہیں۔ ''ہذا فی سیرۃ الاولین''، یعنی یہ بات پہلے لوگوں کے طریقے میں موجود ہے۔ اس کے ایک معنی ہیئت اور حالت کے بھی بیان ہوئے ہیں۔ المعجم الاعظم میں یہ لفظ سیرت کے معنی جانا، روانہ ہونا، چلنا، روش، طریقہ، شکل و صورت، ہیئت، حالت، کردار، سنت، طرز زندگی، کام کاج کرنے کا چلن، زندگی

بسر کرنے کا ڈھنگ' عادت' کہانی اور پرانے لوگوں کے قصے اور واقعات کو بیان کرنے کے بھی ہیں۔ سیرہ کا لفظ اپنے اصطلاحی مفہوم میں سوانح عمری اور علم تاریخ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ انگریزی زبان میں اس کے لیے Life' Biography' Hagiology اور Hagiography کی اصطلاحیں بھی استعمال ہوتی ہیں۔ پیش نظر رہے کہ Hagiology سیرۃ الانبیاء کی بجائے محض سیرۃ الاولیاء یا بزرگ لوگوں کی سوانح سے متعلق ہے۔ یوں لفظ سیرت یا کارنامہء سیرت کے لیے یورپ یا مغرب کی کسی زبان میں کوئی لفظ یا اصطلاح ممکن ہی نہیں ہے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ آسمان سے نازل ہونے والے ۳۱۵' کتب اور صحائف میں سے آج انسانیت کے پاس صرف ایک صحیفہء کامل ''قرآن مجید'' کی شکل میں موجود ہے۔ انبیاءؑ کا مقصدِ بعثت' فرائضِ نبوت اور ان کی پاکیزہ سیرتوں کا اگر کوئی مستند ریکارڈ کہیں موجود ہے' تو وہ صرف اور صرف قرآن مجید میں دکھائی دیتا ہے۔ جہاں تک عہد نامہ جدید اور قدیم اور زبور یا تالمود وغیرہ کا تعلق ہے' ان کے بیانات میں اس قدر تناقص اور تضاد ملتا ہے کہ کوئی ذی فہم شخص راستباز یہودیوں اور نصرانیوں کی طرح اس بات کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ عبارتیں حقیقی الہام پر مبنی نہیں ہیں۔ ہم زیادہ سے زیادہ ان کو ملفوظاتی لٹریچر قرار دے سکتے ہیں۔ البتہ بعض مقامات پر قرآن مجید اور ان تحریف شدہ الہامی نوشتوں میں یکسانیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ حقیقی ہدایت کا سرچشمہ اگر کوئی ہوسکتا ہے تو وہ کوئی سچی الہامی کتاب یا صحیفہ ہوسکتی ہے' سو قرآن مجید آج عالم انسانیت کے پاس وحی الٰہی کا واحد نمونہ ہے۔ جس پر استناد سے اعتماد اور اعتبار کیا جاسکتا ہے۔ اس کی حفاظت کا یہ نظام اور ذمہ داری بھی اللہ تعالیٰ نے خود اپنے سپرد رکھی ہوئی ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر:۹)

جس طرح وحی کا کامل اور جامع نمونہ قرآن مجید آج ہدایت کے لیے موجود ہے' بعینہٖ محمد الرسول اللہ ﷺ کی سیرت بھی ہر اعتبار سے محفوظ ہے۔ اسے علمی آثار کے طور پر محفوظ کیا گیا۔ علوم الحدیث کا ایک ایسا ذخیرہ مرتب ہوا' جس کی مثال دنیا کی کسی تہذیب و مذہب میں دکھائی نہیں دیتی۔ علوم کی دنیا میں علم حدیث کو اگر تہذیب انسانی کا سب سے بڑا علمی سرمایہ قرار دیا جائے تو کسی لحاظ سے کمزور یا غلط بات نہیں

ہوگی۔ یہ امر بھی تحدیث نعمت کے طور پر بیان کیا جانا چاہیے کہ حضور سرور کائناتﷺ کی سیرت عملی تواتر کے لحاظ سے محفوظ ہے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جس محبت' عقیدت اور راستبازی کے ساتھ اسوۂ سیرت کو عملاً محفوظ رکھا' اس کا مقابلہ دنیا کی کوئی دوسری شخصیت نہیں کر سکتی۔ آج دنیا میں چھ ارب انسان پائے جاتے ہیں' جن میں سے ایک چوتھائی کے علاوہ سب غیر مسلم ہیں اور مختلف مذاہب اور ادیان سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن یہ تمام مذاہب مل کر بھی کوئی ایک ایسا انسان پیش نہیں کر سکتے جو اپنے سچے نبی کی سچی تعلیمات کا نمونہ ہو۔ اگر چہ امت مسلمہ بھی اپنے عقیدہ و عمل کے لحاظ سے چودہ صدیوں کے فاصلے پر کھڑی دکھائی دیتی ہے' مگر اس امت کے سیکڑوں' ہزاروں نہیں لاکھوں افراد ایسے ملیں گے جن کی شکل و صورت اور اعمال و عبادات کا ایک بھاری حصہ اسوۂ رسول کے ساتھ کامل مماثلت اور مشابہت رکھتا ہے۔ ایک دوسرے مفہوم میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سیرت طیبہ کا یہ ایک امتیاز ہے کہ یہ ایک سچی' لائقِ اتباع اور محفوظ سیرت ہے۔ جسے دنیا کی کل آبادی کا ایک چوتھائی حصہ کسی نہ کسی شکل میں محفوظ رکھے ہوئے ہے۔ اسلام کی دوامی تہذیب اور سیرت کے لافانی نقشے کے پس منظر میں یہ حقیقت مہر درخشاں بن کر چمک رہی ہے۔

قرآن مجید کے ایک مقام پر مقاصدِ نبوت اور فرائضِ رسالت کی تفصیل بیان کرتے ہوئے اس سیرت اور اسوۂ کو انسانیت کے لیے اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم قرار دیا گیا ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (آل عمران: ۱۶۴)

''درحقیقت اہل ایمان پر تو اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انہی میں سے ایک ایسا پیغمبر اٹھایا جو اس کی آیات انہیں سناتا ہے' ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے' حالانکہ اس سے پہلے یہی لوگ صریح گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے۔''

نبوت کو انسانیت کے لیے ایک احسانِ عظیم قرار دیا گیا ہے۔ اس کا باعث وہ فرائض ہیں' جن کا

تذکرہ آیت مذکور میں کیا گیا ہے۔ تلاوت آیات' تزکیہء نفس اور تعلیم کتاب وحکمت منشورِ رسالت ہے۔ اسی منشور رسالت میں سیرت کی اہمیت' ضرورت اور حکمت سب کچھ واضح کر دیا گیا ہے۔ آیاتِ بیّنات ہوں یا احادیثِ مبارکہ' کتاب وسنت کی ان تعلیمات کا مقصود نفسِ انسانی کی اصلاح اور نفوسِ انسانیہ کا تزکیہ ہے۔ قرآن مجید میں نفسِ انسانی کی تین حالتوں کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ نفسِ امّارہ کی شرارتوں' خباثتوں اور جہالتوں کے سلسلے تمام منکرات وفواحش میں پھیلے ہوئے ہیں۔ قرآن مجید کی آیات انذار اور خوف آخرت اور اسوۂ رسول میں تضرع وزاری اور خشوع وخضوع کے اسباق ایک ایسا ماحول پیدا کرتے ہیں جس سے نفس انسانی میں لوامہ کیفیت بیدار ہوتی ہے' جو ترقی کرتے کرتے بالآخر نفس مطمئنہ کے درجے پر فائز ہو جاتی ہے اور یہی مقصود حیات' غایات زندگی اور حکمت زیست ہے۔

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ (الفجر:۲۷-۳۰)

''اے نفس مطمئنہ' چل اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو (اپنے انجام نیک سے) خوش (اور اپنے رب کے نزدیک) پسندیدہ ہے۔ شامل ہو جا میرے (نیک) بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں۔''

یوں انبیاء کی سیرتیں اپنے اپنے زمانے میں خلق خدا کے نفوس کی اخلاقی' روحانی اور ایمانی تربیت کے لیے ناگزیر رہی ہیں۔ ہر عہد میں اور ہر نبی کے زمانے میں ہمیشہ دو ہی قسم کے کردار پیدا ہوئے ہیں' ایک اشرار کا ابلیسی کردار' جبکہ دوسرا اخیار اور ابرار کا نبوی کردار۔ قرآن مجید نے ان دونوں طبقات کا عہد بہ عہد جائزہ لیا ہے اور یوں تاریخ دعوت وعزیمت کے باب زمانہءقبلِ نبوت اور بعدِ رسالت میں صاف اور واضح دکھائی دیتے ہیں۔ یوں سیرت نفوسِ انسانی کی اخلاقی تعلیم وتربیت کے لیے ایک ناگزیر دعوتِ عمل ہے۔ مختلف مذاہب' متنوع کردار پیدا کرتے ہیں مگر حقیقی اور مطلوبہ سیرت اب صرف خاتم الانبیاء اور خاتم المرسلین حضرت محمد ﷺ کی کامل اتباع سے میسر آ سکتی ہے۔ انسان کی صالح تربیت کے لیے مختلف مذاہب نے جو طریق اور سلوک پیش کیا ہے' اس کا تقابل اگر اسلامی اور محمدی سیرت سے کیا جائے تو ایک

قاری کو اس میں بہت بنیادی اور واضح فرق معلوم ہوگا۔محاسن اسلام کا سرمایہ‘ محاسن مصطفوی یا سیرت نبوی میں جھلکتا دکھائی دے گا۔فضائلِ اخلاق کا کوئی عملی نمونہ یا پیکرِ مجسم اگر تاریخ میں کہیں دکھائی دیتا ہے تو وہ محمد الرسول اللہ ﷺ کی اعلیٰ وارفع سیرت کے علاوہ کوئی اور سرمایہ نہیں۔اسوۂ حسنہ کا یہ وہ معدن ومنبع ہے‘ جس سے خوشہ چینی کرنے والوں سے حق تعالیٰ نے ان کی زندگیوں میں راضی ہونے کا اعلان کر دیا۔اگر ایک طرف محمد الرسول اللہ ﷺ کی سیرت کی کوئی دوسری مثال دکھائی نہیں دیتی تو دوسری طرف اصحابؓ رسول سے بہتر کوئی جماعت بھی دکھائی نہیں دیتی۔دنیا میں اخلاقی نشو ونما اور روحانی بالیدگی کے لیے بہت سی شخصیات اور اداروں نے اس مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کی۔مگر وہ ادارے یا شخصیات مطلوبہ مثالی اخلاقی نظام کی تشکیل کے تقاضوں اور لوازمات کا یا تو ادراک نہیں رکھتے تھے یا پھر وہ خود کوئی بہتر نمونہء اخلاق پیش کرنے سے قاصر تھے۔انسانیت ابھی تک ایک ایسی شخصیت کی تلاش میں تھی جس کی سیرت خود اس آئینہءعمل میں منعکس ہو‘ اس کے پیغام کی شرح اس کی اپنی سیرت سے آشکارا ہو۔اس کی اخلاقی تعلیمات خود اس کی عملی زندگی کا حصہ ہوں۔اس کا ہر اشارہ وحرکت‘ اعمال وافعال‘ حرکات وسکنات اور اقوال وفرامین ایک اعلیٰ اور بلند اخلاقی‘ ایمانی اور روحانی مقام کی نشان دہی کرتی ہوں۔انسانیت کے دامن میں جزوی اعتبار سے بہت سے اخلاقی نمونے اور نقوش موجود ہیں مگر یہ سب مل کر بھی کسی مکمل اور مطلوبہ سیرت کا نقشہ پیش نہیں کرتے۔انسانیت کو بہت مدت سے ایک ایسے انسانِ کامل اور صاحب کمال کی ضرورت تھی جو دن کی روشنی میں امورِ دنیا کی باگ دوڑ سنبھالتا دکھائی دے تو اس کی راتیں اپنے خالق و مالک کے ساتھ راز و نیاز میں بسر ہوتی ہوں۔اس کی جلوت مخلوق کے دکھ درد میں شریک ہو تو اس کی خلوت ذکر وعبادات میں مصروف دکھائی دے۔وہ بیک وقت دنیا وعقبیٰ کی حقیقتوں کا شناسا ہو۔اس کی زبان صبر و شکر کے کلمات سے مزین اور اس کی آنکھ عفت وحیا کی تصویر دکھائی دے۔اس کے پاس اموالِ دنیا کے ڈھیر لگ جائیں تو وہ استغنا کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے اور اگر وسائل کی قلت پیدا ہو جائے تو وہ صبر و قناعت کا پیکر دکھائی دے۔وہ اپنے اہل وعیال اور ساتھیوں کے لیے خلیق اور شفیق اور اپنے مخالفین کے لیے دامن عفو کو پھیلائے نظر آئے۔اس کا جہاد امن کی نوید بن جائے اور اس کی سلطنت سراسر خدمت

انسانی کا نمونہ دکھائی دے۔ وہ اپنے دامن فقر میں وارداتِ شاہی کا منظر پیش کرے۔ خود بھوکا رہ کر دوسروں کی سیر شکمی کا سامان کرے۔ دوسروں کی تکالیف کا ازالہ اس کے لیے سامانِ راحت بن جائے۔ وہ حقوق و فرائض میں توازن کی مثال اور دنیا کی افراط و تفریط میں جادۂ اعتدال پر گامزن دکھائی دے۔ اس کا جمال صورت دلوں کو لبھا جائے اور اس کا کمالِ سیرت دماغوں کو اسیر کر لے۔ ان سب صفات حسنہ سے متصف اور ان تمام کمالات سیرت سے آراستہ صرف ایک ہی سیرت دکھائی دیتی ہے اور وہ محمد عربی ﷺ کی سیرت ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ. (الاحزاب:۲۱)

سیرت کے اس مفہوم اور ضرورت اور اہمیت کو جان لینے کے بعد ہمیں یہ بات ذہن نشین ہو جاتی ہے کہ سیرت بذات خود ایک امتیازی وصف ہے۔ قرآن مجید انبیاء علیہم السلام کی پاکیزہ سیرتوں کا تذکرہ کرتا ہے مگر قرآن وما ارسلنک الا رحمۃ اللعالمین...... کی سیرت کو گزشتہ چودہ صدیوں سے اس کائنات کی صف کے لپٹنے اور قیامت کے قائم ہونے تک کے لیے ایک واجب الاتباع سیرت قرار دیتا ہے۔ انسانیت کو اپنے اخلاقی مقاصد کی تکمیل اور روحانی نشو ونما کی تعمیل' ایمانی جذبات کی تشکیل اور تبلیغ و دعوت کی ترسیل کے لیے جس مثالی سیرت کی ضرورت تھی وہ محمد الرسول اللہ ﷺ کی صورت میں میسر آ گئی۔ قرآن مجید نے اس سیرت خاص کی ضرورت کو بہت سی آیات میں واضح کیا ہے' جن میں سے چند کلیدی آیات درج کی جاتی ہیں۔

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الحشر:۷)

''جو کچھ رسول تمہیں دے' اسے مضبوطی سے پکڑ لو اور جس چیز سے وہ تمہیں منع کرے' اس سے رک جاؤ''

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا (الاحزاب:۲۱)

''درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ ہے۔ ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخر کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔''

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ☆ قُلْ اَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ (آل عمران: ۳۲-۳۱)

''اے نبی' لوگوں سے کہہ دو کہ ''اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو' تو میری پیروی اختیار کرو' اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا' وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔ ان سے کہو کہ ''اللہ اور رسول کی اطاعت قبول کرو۔ پھر اگر وہ تمہاری دعوت قبول نہ کریں تو یقیناً یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ ایسے لوگوں سے محبت کرے' جو اس کی اور اس کے رسول کی اطاعت سے انکار کرتے ہوں۔''

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَ اَحْسَنُ تَاوِيْلاً (النساء:۵۹)

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو' اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں' پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو' اگر تم واقعی اللہ اور روزِ آخر پر ایمان رکھتے ہو' یہی ایک صحیح طریقِ کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بہتر بھی ہے۔''

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَی اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلاً مُّبِيْنًا (الاحزاب:۳۶)

''کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ کا فیصلہ کر دے تو پھر اسے اپنے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔''

قرآن مجید کی ان آیات میں حضور نبی کریم ﷺ کی آئینی' شرعی اور قانونی حیثیت کو متعین کیا گیا ہے۔ ذرا اس حدیث مبارکہ کا مطالعہ کیجیے' جس میں آپ ﷺ نے خود اپنی حیثیت کے بارے میں مطلع

فرمایا

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَالِدِہٖ وَ وَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔ (صحیح البخاری' الایمان' باب حب الرسول من الایمان' حدیث:۱۵)

''تم میں سے کوئی شخص' اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا' جب تک کہ میری محبت وعقیدت اس کو اس کے والدین اور اس کی اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ نہ ہو۔''

کتاب وسنت کی ان تعلیمات کی روشنی میں یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ دنیا اور آخرت کی بھلائی اسی میں مضمر ہے کہ حضور ﷺ کی اتباع اس انداز میں کی جائے کہ آپ کا اسوۂ کامل ہمارے زندگیوں کی اساس اور مرکز ومحور بن جائے۔ جب تک ہمارے اعمال کی بنیاد یا اساس مسنون نہیں ہوگی' ہماری زندگی ایمانی تقاضوں کو فراموش کرنے کی خطا کی مرتکب ہوتی رہے گی۔ پیغمبرانہ زندگی کو اسوۂ حسنہ قرار دینے کے بعد کوئی گنجائش نہیں کہ کوئی ذی روح یا نفس اتباعِ رسُول کے بغیر زندگی گزارنے کی جسارت کرے۔ آپ کا اسوۂ حسنہ انسانیت کی واحد پناہ گاہ ہے' جہاں ہمارے فکر وعمل کے سارے داعیات کو سلامتی اور صراط مستقیم میسر آسکتی ہے۔

انسان اگر اپنے مقصدِ تخلیق کے تقاضوں سے باخبر ہونا چاہتا ہے اور وہ ان مطالبات کی تعمیل بھی کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے سیرت نبوی کے آخری اور کامل نمونے کا مطالعہ ہوا' پانی اور روشنی کی طرح ناگزیر ہے۔ روئے زمین پر آج تک انسان دو طرح سے زندگی بسر کر رہے ہیں' ایک تو خود پسندی' خود پرستی اور نفس پرستی کا راستہ ہے جو ہر انسان کے اندر ایک چھوٹا یا بڑا نمرود' فرعون' ہامان یا شداد پیدا کر دیتا ہے' دوسرا خدا پرستی یا عبودیتِ الٰہیہ کا راستہ ہے جسے حق پرست پیغمبروں نے انسانیت کے لیے واضح کیا اور جس کا آخری اور مکمل نمونہ محمد الرسول اللہ ﷺ کے ذریعے ہمیں میسر آیا ہے۔ ان دونوں راستوں پر چلنے والوں کے کردار کیا کیا رہے ہیں۔ اس کا ایک واضح نقشہ ہمیں قرآن مجید میں رحمانی اور شیطانی کرداروں کے ضمن میں نمایاں ملتا ہے۔ اگر کوئی شخص انصاف پسندی اور غیر جانبداری سے اپنی زندگی کے مقصود کو جاننا چاہتا ہے اور اس مقصودِ حیات کے مطابق زندگی گزارنا چاہتا ہے تو اسوۂ رسول ہی ایک ایسا راستہ اور اتباع

رسول ہی ایک ایسا رجحان اور رضائے الٰہی ہی ایک ایسی منزل ہے' جو اس اسلوبِ زندگی کو اختیار کرنے کے فطری نتائج ہیں۔

رسول کریم ﷺ کی سیرت پر پہلی صدی ہجری سے لے کر گزشتہ چودہ صدیوں میں ہزاروں کتابیں اور لاکھوں مضامین و مقالات لکھے جا چکے ہیں۔ جن کا احاطہ کرنے کے لیے کتابداروں نے بہت سی کتابیات تیار کی ہیں۔ اگر اس پورے ادبیاتِ سیرت کا اندازہ لگایا جائے تو شاید تاریخ انسانی میں کوئی دوسری شخصیت ایسی نہیں جس پر اس قدر اور ہمہ پہلو لٹریچر تیار ہوا ہو۔ سیرت تو ایک مستقل میدانِ تحقیق و تصنیف ہے۔ خود متعلقات سیرت اس قدر متنوع اور وسیع ہیں کہ ان کا احاطہ کرنے کے لیے ایک الگ سے کتابی جائزے کی ضرورت ہے۔ سیرت نبوی ﷺ کے مراجع' منابع اور مصادر پر توجہ کی جائے تو حسب ذیل علوم وفنون اس کا سرچشمہ ہیں:

1- قرآن مجید
2- کتب احادیث' خطبات' مکاتیب' معاہدات' دستاویزاتِ سیرت
3- کتب مغازی و سیر عروہ بن زبیر (94ھ)' الزہری (124ھ)' محمد بن اسحٰق' موسیٰ بن عقبہ (151ھ)' ابن ہشام وغیرہ
4- کتب تاریخ
5- کتب تفاسیر
6- کتب شمائل نبوی ﷺ
7- کتب دلائل النبوۃ
8- کتب آثار واخبار
9- کتب انساب
10- کتب جغرافیہ عرب
11- کتب تاریخ الحرمین الشریفین

12- کتب اسماء الرجال

13- عربی ادبیات

14- اطلس وخرائطِ سیرت

15- حرمین کے سفرنامے

16- کتب نعتِ رسول مقبول ﷺ

سیرت طیبہ کے ان مراجع اور مصادر پر توجہ کریں تو ایک جہانِ سیرت اپنی تمام تر وسعتوں کے ساتھ ہمارے سامنے ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے اور یہ بات ہمیشہ حقیقت رہے گی کہ سیرت نبوی کا سب سے کامل اور معتبر ذخیرہ، لوازمہ اور سرمایہ خود قرآن مجید ہے۔ مجھے ان تمام سیرت نگاروں کی اس رائے سے کامل اتفاق ہے کہ دنیا سے تمام ذخیرۂ سیرت ختم ہو جائے اور صرف قرآن مجید کا متن موجود رہے تو آپ ﷺ کی سیرت مقدسہ ومطہرہ کا ہر پہلو محفوظ رہے گا۔ آپ ﷺ کی نبوی زندگی کا ہر ہر پہلو اور اسلامی ہدایت کا جملہ سامان اسی کتاب سے واضح ہے۔

قرآن مجید کے اسی لوازمہ سیرت کی کاملیت کے پیش نظر ہی تو قرآن نے اس بات کی شہادت دی ہے کہ

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا (الاحزاب:۲۱)

''درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخر کا امیدوار اور اللہ کو کثرت سے یاد کرے۔''

وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم:۴)

''اور بے شک آپ اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہیں۔''

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ☆ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا

سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا☆ (الفتح:۲۸-۲۹)

''وہ اللہ ہی ہے' جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تا کہ اسے سارے ادیان و مذاہب پر غالب کر دے اور اس حقیقت پر اللہ کی گواہی کافی ہے۔ محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت اور آپس میں رحمدل ہیں' تم جب دیکھو گے' انہیں رکوع و سجود' اور اللہ کے فضل اور اس کی رضا کی طلب میں مشغول پاؤ گے' سجود کے اثرات ان کے چہروں پر موجود ہیں' جن سے وہ نمایاں پہچانے جاتے ہیں۔ یہ ہے ان کی صفت تورات میں۔ اور انجیل میں ان کی مثال یوں دی گئی ہے کہ گویا ایک کھیتی ہے' جس نے پہلے کونپل نکالی' پھر اس کو طاقت دی' پھر وہ گدرائی' پھر اپنے تنے پر کھڑی ہوگئی۔ کاشت کرنے والوں کو وہ خوش کرتی ہے تا کہ کافر ان کی نشو ونما پر جلیں۔ اس گروہ کے لوگ جو ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں' اللہ نے ان سے مغفرت اور بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔''

ماخذاتِ سیرت میں قرآن مجید کی حیثیت اور حقیقت تو واضح ہے۔ احادیث بھی اس سیرت کا سب سے معتبر اور مستند ماخذ ہیں۔ صحاح ستہ اور اس کی شروحات میں' وہ تمام کارنامہء سیرت موجود ہے۔ اس کارنامہء سیرت کا اساسی لوازمہ حضور نبی کریم ﷺ کے اقوال و اعمال' فرامین و ارشادات اور ہر نوع کی دستاویزات میں موجود ہے۔ صحابہؓ نے اس ذخیرے کو جس عقیدت' محنت' مسئولیت اور ذمہ داری کے ساتھ آئندہ نسلوں کو منتقل کیا اور محدثین کی جماعت نے جس ترتیب و ترکیب کے ساتھ اس سے استفادے کی شکلیں پیدا کیں اور اس کے فہم کے لیے جس نوعیت کے علوم وفنون کا اختراع کیا یہ باب خود تاریخ علم کا ایک معجزاتی کرشمہ ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ قرآن مجید کے بعد احادیث کی مدد کے بغیر وقائع سیرت اور کارنامہء سیرت کی تکمیل نہیں ہوسکتی۔

سیرت کے مراجع اور مصادر کے ضمن میں جن سولہ مختلف علوم کی کتب کی اصناف کا تذکرہ کیا گیا' ان میں سے ہر ایک اپنے مقام پر اہم ہے۔ مگر قرآن مجید کے علاوہ تمام اصناف علم اور اقسام تحقیق کے لوازمے کو اصول سیرت کی روشنی میں پرکھنا چاہیے۔ ہر چند اصول تفسیر' اصول حدیث اور اصول فقہ کی طرح اصول سیرت پر الگ سے مستند کتب نہیں لکھی گئی ہیں۔ دور حاضر میں کچھ حضرات نے فقہ السیر ہ کے عنوان سے اس ضرورت کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر وقائع سیرت کے اخذ و ترک میں قریب قریب وہی منہج اور اصول اختیار کرنا پڑے گا جو اہل علم حدیث کے اخذ و قبول میں اختیار کرتے ہیں۔ مقامِ مسرت ہے کہ عربی زبان میں اس اصول کے تحت سیرت نگاری کی نئی اور مفید کوششیں منصۂ شہود اور منظر عام پر آ رہی ہیں۔

سیرۃ النبی ﷺ کا مطالعہ کرتے ہوئے' مصنفینِ سیرت کی کثرت ایک قاری کو حیران کرتی ہے اور بلاشبہ اس کی عقیدت میں اضافہ کرتی ہے کہ سیرت و سوانح پر گزشتہ چودہ صدیوں سے مسلسل لکھا جا رہا ہے مگر ہنوز روزِ اوّل کا معاملہ محسوس ہوتا ہے۔ ابتدائی صدیوں میں سیرت مغازی' دلائل' شمائل' مدارج' معارج' سیر اور میلاد کی صورت میں لکھی جاتی رہی مگر گزشتہ ایک صدی سے موضوعاتِ سیرت پر توجہ بڑھ گئی ہے۔ اس ضمن میں راقم الحروف کے ذاتی ذخیرۂ کتب بیت الحکمت میں ساڑھے تین ہزار سے زائد کتب سیرت میں سے نصف سے زائد وہ کتابیں ہیں جو کسی نہ کسی سیرت کے موضوع پر اختصاصی طور پر لکھی گئی ہیں۔ سیرت کے موضوع پر ابھی تک جو کوائف کتابیاتی تفصیلات کے ذریعے سامنے آئے ہیں۔ ان کے مطابق دنیا کی پچاس سے زائد زبانوں میں دس ہزار سے زائد چھوٹی بڑی کتابیں تحریر ہو چکی ہیں۔ ہر چند ان میں بعض زبانوں میں تخلیقی سطح پر سیرت نگاری کی بجائے تراجم سے کام لیا جا رہا ہے۔ بیت الحکمت لاہور میں قائم انسٹی ٹیوٹ آف سیرہ اسٹڈیز اس امر کا اہتمام کر رہا ہے کہ دنیا کی ان تمام زبانوں کا ذخیرۂ سیرت کسی ایک جگہ جمع کیا جائے۔ قرآن مجید' احادیث اور کتب سیرت کے تراجم دعوت اسلامی کے بنیادی ہتھیار ہیں۔ اس امر کی بھی ضرورت ہے کہ مختلف علمی اور دینی رسائل و جرائد میں جو لاکھوں مضامین سیرت کے موضوع پر شائع ہو چکے ہیں' ان کی بھی زبان وار فہارس تیار ہونا چاہیں اور اس

ذخیرے کوکسی ترتیب سے الیکٹرانک میڈیا پر بھی لے آنا چاہیے تاکہ اہل علم اس سے ایک ایسی قاموس، دائرۃ المعارف یا انسائیکلوپیڈیا مرتب کرسکیں جو دورِ حاضر کی انسانیت کی علمی، دعوتی اور دینی ضرورتوں کو پورا کرسکے۔ بیت الحکمت، لاہور میں بڑی خاموشی سے یہ کام ایک مدت سے جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کام کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔

سیرۃ النبی ﷺ کے امتیازات کے لیے جو تفصیلی پس منظر ہم نے بیان کیا ہے، یہ بذات خود امتیازاتِ سیرت کا ایک ناگزیر باب ہے۔ امتیازاتِ سیرت میں یہ امر لائق توجہ ہے کہ انسانیت کو جس سیرت کی ضرورت ہے وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے قرآن مجید میں محفوظ کردی گئی ہے۔ آپ ذرا قرآن مجید کا نسخہ ہاتھ میں تھامیے اور عربی متن کے ساتھ ان آیات کا ترجمہ پڑھتے چلے جائیے، تو آپ کو امتیازات سیرت کا واضح شعور اور ادراک حاصل ہوجائے گا، متن کی طوالت کے پیش نظر ہم صرف بعض قرآنی سورتوں کی متعلقہ آیات کے نمبر شمار درج کرنے پر اکتفا کررہے ہیں۔

(۲۱، الانبیاء، ۱۰۷)، (۳۴، سبا، ۲۸)، (۳۳، الاحزاب، ۴۰)، (۵، المائدہ، ۳)، (۲، البقرہ، ۱۵۱)، (۳، آل عمران، ۳۲-۳۱)، (۱۷، بنی اسرائیل، ۱)، (۵۳، النجم، ۳-۴)، (۱۰۸، الکوثر، ۱)، (۹۴، الم نشرح، ۴)، (۸، الانفال، ۶۵)، (۳۳، الاحزاب، ۲۱، ۴۵-۴۶)، (۶۸، القلم، ۴)

قرآن مجید کی مذکورہ آیات میں جو مضامین بیان کیے گئے ہیں، اس مختصر انتخاب سے کارنامۂ سیرت کے اس امتیاز کا اندازہ ہوجاتا ہے، جو حق تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائے ہیں۔

ہم اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین صرف اسلام ہے۔ آدمؑ سے حضور ختمی مرتبت ﷺ تک دین ہمیشہ سے ایک رہا ہے۔ قرآن مجید کی آخری وحی میں اس دین اسلام کی تکمیل کا اعلان یوں کیا گیا ہے۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِی وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا.

(المائدہ:۳)

''آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کردیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کردی ہے اور

تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کرلیا ہے۔''

کاروانِ اسلام اور قافلۂ نبوت کے اس سفر کے دوران ہزاروں انبیاء و رسل مبعوث ہوئے' ان کی طرف مستقل کتابوں کے علاوہ سیکڑوں صحائف بھی نازل کیے گئے۔ ان الہامی صحائف اور کتب سماوی میں تحریف کے باوجود جگہ جگہ نبی آخر الزماں حضرت محمدﷺ کے بارے میں واضح پیشین گوئیاں موجود ہیں' جن کا مصداق آپﷺ کی ذات اور شخصیت کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں۔ ن سب بشارات کا یہاں پر درج کرنا ممکن نہیں۔ جن حضرات کو اس سے دلچسپی ہو وہ صرف مولانا عنایت رسول چریا کوٹی کی ''بشریٰ'' کا مطالعہ کرلیں تو یہ حیرت انگیز اور ایمان افروز بشارت آپ میں محبت وعقیدت کا ایک نیا جذبہ پیدا کردیں گی۔ اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہبِ عالم کو دعوت پیش کرتے ہوئے اس لوازمے سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

آسمانی اور الہامی صحائف کی بشارات کے علاوہ غیر آسمانی کتابوں میں بھی آپﷺ کے لیے واضح پیشین گوئیاں موجود ہیں۔ ہمیں ان کتابوں کے بارے میں یقین ہے کہ یہ انسانی دماغ اور قلم کی پیداوار ہیں' مگر اس کا کیا کیجئے کہ ان میں بھی آپ کے لیے واضح پیشین گوئیاں دکھائی دیتی ہیں۔ اس سلسلے میں وید' پوران' دھمید اور اوستا جیسی کتب میں یہ لوازمہ موجود ہے۔

سیرت نبویﷺ کا ایک یہ امتیازی پہلو پیش نظر رہے کہ مسلمانوں کے علاوہ دنیا کے ہر مذہب کے سکالرز اور مصنفین نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے' ان میں سے اکثر کتب تو معاندانہ ہیں' کچھ میں اصلاح طلب مواد اور لوازمہ ہے اور چند ایک واقعتاً ایسی ہیں کہ ان کے ہر صفحے پر وفور محبت کا احساس نمایاں ہوتا ہے۔ اس طرح غیر مسلم شعراء نے آپ کی نعت میں گلہائے عقیدت پیش کیے ہیں۔ ایسے کلام کے مجموعے ہمارے ہاں شائع شدہ ہیں اور مطالعے کے لیے میسر ہیں۔

اس ضمن میں ہم مشہور مغربی مفکر تھامس کارلائل کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ اس نے ایک زمانے میں "Hero and Hero Worship" کے سلسلے میں اپنے خطبات کا سلسلہ شروع کیا۔ جب اس نے اس سلسلے کا دوسرا خطبہ Hero as a Prophet پیش کیا تو خطبے کے دوران لوگوں نے اس

لیے احتجاجاً واک آؤٹ کیا کہ وہ انبیاء کی تاریخ میں محمد عربی ﷺ کو انبیاء و رسل کا ہیرو قرار دے رہا ہے۔ تھامس کارلائل کے اس مضمون کے دو ترجمے اردو زبان میں ہو چکے ہیں۔ یہ خطبہ کوئی بہت مثبت جذبات کا حامل نہیں مگر اس کے باوجود اس میں آپ ﷺ کی عظمت و شوکت کے کچھ پہلو آشکارا ہوتے ہیں۔

ابھی ربع صدی قبل مائیکل ایچ ہارٹ کی ایک کتاب "The Hundred" کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ جس میں تاریخ انسانی کے سو ایسے نمایاں افراد کا تذکرہ ہے، جنہوں نے سب سے بڑھ کر تاریخی عمل کو متاثر کیا ہے۔ ساتھ ہی مصنف نے ان سب کی درجہ بندی بھی کر دی ہے کہ سب سے نمایاں شخصیات کون سی ہیں۔ وہ اپنے تاریخی شعور اور تجزیے کے باوصف اس امر کا اعتراف کرنے پر مجبور ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے تاریخ انسانی اور تہذیب انسانی کو سب سے زیادہ متاثر کیا ہے۔

مائیکل ایچ ہارٹ کی طرح مختلف مذاہب اور ممالک کے ماضی و حال کے بہت سے تذکرہ نگار ایسے ہیں، جنہوں نے آپ ﷺ کی تعریف و تحسین میں اچھے کلمات لکھے ہیں۔ غیر مسلموں کی ان آراء پر مبنی بہت سی چھوٹی بڑی کتابیں ذخیرۂ سیرت کا مستقل حصہ ہیں۔ ہم اس موقع پر مشہور مستشرق ڈاکٹر اسپرنگر کی اس رائے سے قارئین کو آگاہ کرنا چاہیں گے۔ ڈاکٹر موصوف نے یہ بات کہی ہے کہ پانچ لاکھ راویان سیرت نے آپ ﷺ کے وقائع کو بیان کیا ہے، یہ ایک ایسا مقدس سلسلہ ہے کہ جو کبھی ختم ہونے کا نام نہ لے گا اور ہر شخص اس میں حصہ لینے کا آرزومند دکھائی دیتا ہے۔

امتیازات سیرت پر توجہ کرتے ہوئے ہمیں ذخیرۂ حدیث میں صحیحین میں حضرت جابرؓ کی یہ روایت بہت اہم دکھائی دیتی ہے، جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ اَحَدٌ قَبْلِيْ نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ وَجُعِلَتْ لِيَ الْاَرْضُ مَسْجِداً وَطَهُوراً فَاَيَّمَا رَجُلٍ مِنْ اُمَّتِيْ اَدْرَكَتْهُ الصلوٰةُ فَلْيُصَلِّ وَاُحِلَّتْ لِيَ الْمَغَانِمُ ولاَ تُحِلُّ لِاَحَدٍ مّن قبلي وَاُعْطِيْتُ الشفاعةُ وكانَ النبّي يُبْعَثُ اِلٰى قَوْمِهِ خاصَّةً وَبُعِثْتُ اِلٰى لنّاسِ عَامَّةً.

''مجھے پانچ ایسے (امتیازات) دے گئے ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں ملے:

1- ابھی ایک ماہ کی مسافت باقی ہو کہ دشمن پر میرا رعب طاری ہو جاتا ہے۔

2- ساری روئے زمین میرے لیے مسجد اور پاکیزہ بنادی گئی ہے' جو جہاں چاہے' نماز پڑھ سکتا ہے۔

3- غنیمت کا مال میرے لیے حلال کر دیا گیا ہے' جو پہلے کسی پر حلال نہیں تھا۔

4- مجھے شفاعت کا حق دیا گیا ہے۔

5- پہلے کے انبیاء اپنی اقوام کے لیے خاص ہوا کرتے تھے' مگر میں ساری دنیا کے لیے نبی ہو کر آیا ہوں۔

رحمت عالم ﷺ کی سیرت سراپا امتیاز ہے۔ آپ ﷺ کو جو کتاب قرآن مجید کی شکل میں عطا کی گئی' وہ اپنی جگہ ایک دائمی اور زندہ معجزہ ہے۔ آپ کے صحابہؓ کی سیرتیں اس امر کی غماز ہیں کہ ان سے بہتر کوئی گروہ تاریخ میں نہ اس سے پہلے گزرا اور نہ آئندہ ممکن ہے۔ ان برگزیدہ اور پاک باز صحابہؓ کی جماعت نے آپ کی سیرت کو علمی اور عملی ہر دو اعتبار سے محفوظ کر دیا۔ پہلی صدی ہجری میں امت کا ادلۂ شرعیہ یہ کامل اجماع تھا۔ جس کی برکات سے امت مسلمہ اور انسانیت قیامت تک فیض یاب ہوتی رہے گی۔ یہ کیسی بابرکت بات ہے کہ پہلی وحی ہی میں علم کو قلم کی حمایت حاصل ہو گئی اور پھر کتابت کے حوالے سے کاتبوں کا ایک عظیم گروہ پیدا ہو گیا۔ جنھوں نے قرآن مجید' احادیث اور سیر و مغازی کے دفتر لکھے' جن پر ائمہ و محدثین نے ایسی جزرسی اور پختگی سے نگاہ رکھی کہ احوال و حقائق میں کسی نوعیت کی تحریف اور حک و اضافہ کی گنجائش باقی نہ رہی۔ آج اگر کوئی وقائع سیرت میں کوئی تغیر یا تبدیلی کرنا چاہے تو سیکڑوں علما اور محققین اس کی گرفت کرنے کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔ ائمہ و محدثین کی یہ انھی محنتوں کا صلہ ہے کہ اب روایت اور راوی کی تحقیق کے لیے درایت اور جرح و تعدیل کا فن موجود ہے' جن کی مدد سے تخریج کی تحقیقی ضروریات پوری ہو رہی ہیں۔

اس موقع پر سیرت کے امتیاز کو تحریری مسودات اور دستاویزات کے حوالے سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ خود عہد رسالت ﷺ میں آپ ﷺ نے عرب اور اس کے اردگرد کے بادشاہوں اور قبائل کے اکابرین کو خطوط لکھوائے' آپ ﷺ کے خطبات حفظ کیے جاتے تھے اور لوگوں کی فرمائش پر اس کی نقول

بھی فراہم کی جاتی تھیں۔ ایک ایسی ہی نقل خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر یمن کے بادشاہ ابوشاہ کو فراہم کی گئی۔ سفر ہجرت میں سراقہؓ بن مالک کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے غلام عامرؓ بن فہیرہ ایک امان نامہ آپ ﷺ کے حکم پر لکھ کر دیتے ہیں۔ مکہ سے مدینہ میں تشریف آوری پر مدینہ کی شہری ریاست کے لیے آپ نے پہلا آئین تحریر کروایا۔ جو دنیا میں اس امر کی مثال تھی کہ کسی فرمانروا نے پہلی مرتبہ اپنی ریاست کے باشندگان کے حقوق وفرائض کے۔ لیے ایک تحریری دستور لکھوایا اور عطا کیا۔ تمیم داریؓ کو ارض روم میں ان کے آباو اجداد کے علاقے لوٹانے کے لیے تاریخ اسلامی کا پہلا ہبہ نامہ بھی آپ ﷺ ہی نے تحریر کروایا۔ صلح حدیبیہ اور مختلف وفود کے ساتھ معاہدات آپ ﷺ ہی نے تحریر کرائے۔

اسلامی ریاست کی مردم شماری بھی آپ ﷺ کے حکم سے ریکارڈ کی جاتی تھی۔ حجاز کی وسیع تر اسلامی ریاست میں دوسری ریاستوں کے عمّال اور قاضیوں کو ریاستی احکامات لکھوا کر بھجوائے جاتے تھے۔ مسجد نبوی میں قائم ہونے والے بیت المال کی آمد وخرچ کی تمام مدّات موجود اور محفوظ ہوتی تھیں۔ آپ ﷺ نے مختلف نوعیت کے عائلی، دیوانی، فوجداری اور تجارتی فیصلوں کا اعلان کیا، جن کو بالآخر محفوظ کرلیا گیا، آپ ﷺ کے گھر میں آخری سالوں میں انسؓ بن مالک جو کچھ لکھتے تھے، وہ آپ ﷺ کو دکھا لیتے تاکہ ان کی تحریروں کی توثیق ہوسکے۔ الغرض قرآن مجید اور احادیث کے علاوہ بیسیوں قسم کی تحریرات اور دستاویزات ہیں، جو امت کی تعلیم اور راہنمائی کے لیے آج تک موجود ہیں۔ کیا ایسی علمی، تحقیقی اور دستاویزی شہادت کسی دوسری نبوت کے ساتھ وابستہ ہے۔ یہ امتیازات سیرت نبوی ﷺ کا ایک غیر معمولی کارنامہ ءسیرت ہے۔

امتیازات سیرت کا ایک انوکھا امتیاز یہ بھی ہے کہ آپ کی سوانح آپ کے حالات کو کمال حزم واحتیاط سے محفوظ رکھا گیا ہے اس امتیاز کو سمجھنے کے لیے، ذرا ایک مثال کو ذہن میں لائیے۔ فرض کیجیے کہ ہم موجودہ عہد کے دو بہت بڑے سیاسی سربراہوں کے صرف ایک دن کے چوبیس گھنٹے کے احوال کا مکمل نقشہ جاننا چاہیں کہ روس کی صدر پوٹن اور امریکہ کے صدر بش نے سال رواں کا ایک دن کیسے گزارا ہے۔ تو شاید اس کی مکمل اور جامع تفصیلات ہمارے سامنے نہ آسکیں۔ دراں حالیکہ اس دور میں ایسی شخصیات کے ساتھ

ان کے پرائیویٹ سیکرٹری' ان کا وسیع تر عملہ' ہمہ وقت اور ہمہ نوع خدمات کے لیے تیار ہوتا ہے۔فوٹو گرافرز موجود ہوتے ہیں۔آڈیو' وڈیو کی سہولتیں موجود ہیں۔ان کے پریس سیکرٹری موجود ہیں' ان کے ذاتی معالج' ان کے طعام خانے کے ماہر باورچی' ان کی تفریح کے لیے مخصوص افراد' دوست' احباب اور اہل خانہ اور متعدد دوسرے افراد اور ایجنسیز مختلف خدمات کے لیے موجود ہیں۔مگر ان سب کی موجودگی اور دستیابی بھی کسی ایک دن کی چوبیس گھنٹے کی لمحہ بہ لمحہ مصروفیات اور مشغولیات کا ریکارڈ پیش نہ کر سکیں گی۔

مگر قربان جائیے محمد عربی ﷺ کے کوائف حیات کے تمام ماہ و سال کے تمام وقائع اور مصروفیات کا جامع نقشہ اور تفصیلات آج ہمیں میسر ہیں۔آپ ﷺ کے معمولات کیا تھے۔آپ کا حلیۂ مبارک کیسا تھا۔گھریلو رہائش میں حجرے میں موجود بستر اور برتن کیسے تھے۔

آپ کی نشست و برخاست' خورد و نوش' لباس و طعام' اندازِ کلام' مختلف افراد سے باہمی میل جول' پیغمبرانہ ذمہ داریوں کی تفصیل' ملنے والوں کی روداد یں حتیٰ کہ اپنی ازواج مطہرات جو امت کی مقدس و محترم مائیں ہیں' ان کے ساتھ ازدواجی تعلقات' سب تفصیلات آپ ﷺ نے خود بیان کیں اور آپ کے متعلقین نے ان کا باضابطہ ریکارڈ مرتب کیا' کیا دنیا کی کوئی شخصیت ایسا کہہ سکتی ہے کہ اس کی شبینہ مصروفیات کو دن کی روشنی میں بیان کیا جائے' کیونکہ پیغمبر کی زندگی کا ہر لمحہ اور ہر عمل امت کے لیے خیر و فلاح کا باعث ہے۔سیرت نبوی ﷺ کا یہ امتیاز ایسا ہے' جو آپ ﷺ کی شخصیت اور کارناموں کو ایک امتیازی رنگ عطا کرتا ہے۔**اللهم صلی علی محمد**

نبی اکرم ﷺ ایک جامع ترین انقلاب کی نوید لے کر آئے۔یہ ایک ایسا انقلاب اور ایک ایسا دعوتی نظام تھا جو اعتقادی' علمی' معاشرتی' معاشی' عدالتی' عسکری' ثقافتی' تجارتی' سفارتی' تہذیبی' آئینی' سیاسی اور بین الاقوامی تعلقات کی سطح پر ایک کامل انقلاب تھا۔اس انقلاب کی اس جہت پر توجہ کیجئے کہ یہ قلیل ترین مادی وسائل کے ذریعے مکمل ہوا۔مادی سہولتوں اور مالی فراغتوں کے اعتبار سے مکی زندگی ہو یا مدنی دور' عمومی طور پر عسرت اور تنگ دستی کا عالم رہا۔

فقر و فاقہ کی زندگی کا چلن تھا۔صرف چند صحابہ اکرام ایسے تھے' جنہیں ہر طرح کی مالی آسودگی اور

معاشی فراغت میسر تھی اوران کے پاس اموال تجارت‘ مال مویشی یا کھیتی باڑی کا موزوں انتظام تھا۔ یہی باعث ہے کہ آپ کو تمام اہم امور خصوصاً بعض غزوات کے لیے خصوصی تعاون کے لیے اعلان کرنا پڑتا تھا۔ سیرت نبوی ﷺ کے اس دور میں شعب ابی طالب کی صعوبتوں کا منظر ہمارے سامنے ہے۔ بعض حالات میں صحابہؓ میں سے کوئی دنیا سے رخصت ہوتا تو اس کے لیے موزوں تجہیز و تکفین کا سامان تک فراہم نہ ہوتا۔ اگر کسی مرنے والے کا سر ڈھانپتے تو پاؤں ننگے ہو جاتے۔ پاؤں کو ڈھانپتے تو سر ننگا ہو جاتا تھا۔ صحابہؓ کے مکانات عموماً مختصر‘ کچے اور سادہ تھے۔ اسلامی ریاست کے اردگرد کی ریاستوں اور تہذیبوں کے نقشے کا کوئی رنگ یا شائبہ یہاں دکھائی نہ دیتا تھا۔ ان معاشی حالات میں اس انقلاب کی تکمیل ایک معجزنما اثر اور نتیجہ رکھتی ہے۔

اس انقلابِ اسلامی کی تکمیل کے لیے‘ جہاں تک افرادی قوت کا تعلق ہے‘ ہمیں بخوبی معلوم ہے کہ مکی زندگی میں تو مسلمانوں کی تعداد بمشکل دو سو سے کچھ زائد تھی۔ سیرت نگاروں نے تو ان کے نام اور قبیلے بھی محفوظ کر دیے ہیں۔ البتہ افرادی قوت کا پہلا مظاہرہ غزوۂ بدر کے موقع پر رمضان 2 ھ میں سامنے آتا ہے کہ مسلمان مردوں میں سے لڑنے کے لائق افراد کی امکانی تعداد ۳۱۳ سے آگے نہیں بڑھی۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر چودہ سو کے قریب صحابہؓ کا تذکرہ ملتا ہے۔

۹ ھ میں آپ ﷺ نے جو پہلا اور آخری حج ادا کیا‘ اس میں عرفات کے میدان میں ریکارڈ حاضری ایک لاکھ چالیس ہزار کے قریب صحابہ کی بتائی جاتی ہے۔ یہ وہ افرادی قوت تھی‘ جس نے اتنے بڑے عالمی اور آفاقی‘ اخلاقی اور ایمانی انقلاب کی تکمیل کی۔

ذرا ایک نظر اس نظام الاوقات پر بھی ڈال لیں۔ اس انقلاب کو اپنی تکمیل کے لیے مکہ مکرمہ میں تو تیرہ سال کا عرصہ ملا جس میں اسلامی تعلیمات اور دعوت و انقلاب کے لیے زمین اور زمانہ کی ناہمواریوں کے باعث ہجرت کے حکم الٰہی کے تحت اہل ایمان کا قافلہ اپنے امیرِ کارواں کے ساتھ مدینہ منورہ میں منتقل ہو گیا۔ یہاں کے دس سالوں میں آپ نے اس پیغام اور دعوت کے مطابق ایک صالح معاشرہ بھی تشکیل دیا اور ایک مثالی فلاحی‘ اسلامی اور آئینی ریاست کو بھی استحکام دیا۔ یوں اسلامی انقلاب کی عملی تکمیل مدنی

زندگی کے آخری آٹھ دس سال میں ہوئی۔اب ذرا انقلابات عالم کی تاریخ کو اپنی نگاہوں میں لائیے۔ اوّل تو کیا انہیں ایک انقلاب کہا بھی جا سکتا ہے یا نہیں' کیونکہ اس ایک مدنی انقلاب کے علاوہ سب عالمی تغیرات ایک فساد اور انتشار سے ابھرے اور اس کے نتیجے میں ایک بڑا فساد اور انتشار انسانیت کے سامنے آیا۔اس صورت حال کو سمجھنے کے لیے ہمیں چھٹی صدی عیسوی کا آخری زمانہ اور ساتویں صدی عیسوی کے ربع اوّل کے حالات وواقعات کو اپنے سامنے رکھنا ہوگا۔

اس زمانے میں حجاز کے شمال میں رومی شہنشاہوں اور بازنطینی تہذیب کا رواج تھا۔حجاز کے شمال مشرق کی جانب ایران کی وسیع سلطنت میں کسرائے ایران کی حکومت تھی۔مصری بھی ایک قدیم دیومالائی تصور کی حامل ثقافت کے خوگر تھے۔

ہندوستان کے علم الاصنام میں ویدانتی تعلیمات' گوتم بدھ کے ملفوظات اور بعض دوسرے ویدوں اور پورانوں کی تعلیمات کی ایک کھچڑی تھی' جس میں ذات پات کے بندھن نمایاں تھے۔انسان وحدت اور انسانیت اخوت سے محروم تھی۔کنفیوشش کی تعلیمات کا چراغ سرد ہو چکا تھا۔زرتشت کی ژند ہو یا پاژند دونوں معدوم ہو کر نئے دساتیر میں تبدیل ہو رہی تھیں۔اس کا یزداں اور اہرمن کا تصور دوئی اور تناقض کا شکار تھا۔ان احوالِ عالم میں جب کہ رومی بادشاہ ایسے اکھاڑے (Clossium) سجاتے تھے' جہاں بھوکے درندوں کے سامنے مجبور ومقہور انسانوں کو پھینک کران کی فریاد وفغاں سے محظوظ ہونے کی روایت تھی۔ٹھنڈی شکارگاہوں سے لوٹنے والے شہزادے فطری حرارت کے لیے دو تازہ دم غلاموں کے پیٹ چاک کر کے اپنے ٹھنڈے پاؤں ان میں ڈال دیتے تھے۔ایرانی بادشاہ اپنی بہنوں اور بیٹیوں تک سے ازدواجی تعلقات استوار کرنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتے تھے۔ہندی مذاہب میں عورت اور مرد کے آلات تناسل کی پوجا ہو رہی تھی۔خود حجاز کی سرزمین بعض خصوصیات کے استثنا کے باوجود فتنہ وفساد کی آماجگاہ تھی۔قرآن مجید نے اس عالمی صورت حال پر کیا جامع تبصرہ کیا ہے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ. (الروم:۴۱)

''خشکی اور تری میں فساد برپا ہوگیا ہے' لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے' تاکہ مزہ چکھائے' ان کو ان کے بعض اعمال کا' شاید کہ وہ باز آئیں۔''

عہد رسالتمآب میں عالمی سطح پر یہ وہ حالات تھے' جن کے بارے میں انتہائی مختصر اشارات کیے گئے ہیں۔اس صورت حالات میں ایک نئے عالمی انقلاب کی صالح بنیادوں کی تعمیر کے لیے آپ نے وحی الٰہی کی بنیاد پر جس معاشرے اور ریاست کی تعمیر کی وہ سیرت نبوی ﷺ کا سب سے بڑا امتیاز ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ جب حکم الٰہی کے تحت مکہ مکرمہ کی سرزمین کو چھوڑ کر مدینہ منورہ تشریف لائے' تو اس عظیم ہجرت کے نتیجے میں جس اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی گئی اس کا رقبہ بمشکل چار مربع میل تھا۔لیکن دس سالوں کی دعوتی سرگرمیوں اور تنظیمی اصلاحات کے باعث یہ ریاست آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں بارہ سے تیرہ لاکھ مربع میل تک پھیل چکی تھی۔

عہد فاروقی میں اس کا رقبہ ۲۲ لاکھ مربع میل سے زائد اور پہلی صدی ہجری کے اختتام تک یہ اسلامی ریاست ۶۵ لاکھ مربع میل تک پھیل چکی تھی۔یوں اسلامی ریاست اور اس کا حکمران اپنے زمانے اور عہد کی سب سے بڑی قوت بن کر ابھرا جو خالق کی کائنات میں مخلوق پر مخلوق کی حکمرانی کے سارے رشتے توڑ کر انسان کو خالق کائنات کی پہچان اور عبادت کے سارے مواقع فراہم کرتا ہے۔انسانیت پر آپ ﷺ کا یہ وہ احسان عظیم جس کے ذریعے آسمانی ہدایت کے مطابق معاشرہ اور ریاست اپنے وجود اور وجوب کو قائم کرتی ہیں۔یہ وہی کارنامۂ سیرت ہے جس کے احیاء کے لیے آج ملائشیا سے مراکش تک اسلامی تحریکیں اور اصلاحی تنظیمیں سرگرم عمل ہیں۔

سیرت نبوی ﷺ کے اس آفاقی پیغام کا مرکز مسجد کا ادارہ تھا۔اسلامی تاریخ کا وسیع اور گہرا مطالعہ رکھنے والے دانشور اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ اسلامی ریاست کا سول سیکرٹریٹ مسجد نبوی ہی میں قائم کیا گیا۔اس کا پارلیمنٹ ہاؤس یا شوریٰ بھی اسی مسجد میں منعقد ہوتی تھی۔اس کا جنرل ہیڈکوارٹر اور کنٹونمنٹ بھی اسی مسجد میں قائم کی گئی۔ ۲۸ غزوات اور ۵۴ سرایا کی کمان اسی مسجد میں مرتب کی گئی۔ان جہادی سرگرمیوں کے نتیجے میں دنیا سے خوف۔کے خاتمے سے امن وسلامتی کا احساس پیدا ہوا۔یہاں پر مناسب

ہوگا کہ ہم اس عسکری جدوجہد کو مختصر اعداد و شمار کے حوالے سے پیش کر دیں۔

تیرہ لاکھ مربع میل کی یہ اسلامی ریاست جن ۸۴ جہادی معرکوں کے نتیجے میں تشکیل پائی۔ اس میں کل ۱۰۱۸ لوگ کام آئے، جن میں مسلمان شہداء کی تعداد ۲۵۹ اور کفار کے ہلاک ہونے والے افراد کی تعداد ۷۵۹ ہے۔ ان تمام جنگوں میں مسلمانوں کا صرف ایک مجاہد قیدی بنا جب کہ دشمن کے ۶۵۶۴ سپاہی قیدی بنائے گئے، جن میں سے ۶۳۴۷ قیدیوں کو موقع پر رہا کر دیا گیا۔ باقی ماندہ ۲۱۷ قیدیوں میں سے صرف دو کو ان کے سابقہ جرائم کی پاداش میں قتل کیا گیا۔ باقی ۲۱۵ کے بارے میں اگرچہ تحقیقی آرا ہمارے سامنے نہیں ہیں مگر امید واثق ہے کہ ان حضرات کو بھی رسول رحمت ﷺ کے دامن عاطفت میں پناہ مل گئی ہوگی۔ ان مذکورہ جنگوں کا پالیسی ساز ہیڈ کوارٹر بھی مسجد نبوی میں قائم تھا۔

یہی مسجد نبوی مسلمانوں کی عدالت عالیہ اور عدالت عظمیٰ بھی تھی۔ اس پر آپ نے پانچ سو سے زائد مقدمات کے فیصلے دیئے۔ اور یہیں پر آپ دوسرے قضاۃ کے فیصلوں پر نظر ثانی کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ اسی مسجد کا دامن مسلمانوں کا مالیاتی ادارہ بیت المال کی حیثیت میں کام کر رہا تھا۔ جو شاید تاریخ انسانی میں اپنی مسئولیت اور احتساب کے لحاظ سے پہلا سٹیٹ بنک تھا۔ اسی مسجد نبوی میں ریاض الجنہ سے کچھ پیچھے جانب مشرق وہ چبوترہ ہے، جسے صفہ کے نام سے جانا اور پہچانا جاتا ہے، یہاں پر مسلمانوں کی سب سے بڑی درسگاہ، جامعہ یا یونیورسٹی تھی، مگر فرق صرف اس قدر تھا کہ یہاں علوم پڑھائے نہیں بلکہ بنائے جاتے تھے۔

اسلام کی حکیمانہ تعلیمات کی درس و تدریس کا یہ سب سے بڑا مرکز تھا۔ یہاں پر مختلف موضوعات کے متخصصین تھے، اور یہ سارا علمی کارنامہ نبی امی ﷺ کے ہاتھوں انجام پا رہا تھا۔ یہ مسجد نبوی مسلمانوں کا سٹیٹ گیسٹ ہاؤس بھی تھی، جہاں پر دوسری اقوام اور ممالک کے مہمان ٹھہرائے جاتے تھے، ان کی خاطر تواضع کی جاتی تھی اور ان کے ساتھ معاہدات تحریر کیے جاتے تھے۔ ذرا اور بھی جان لیجئے کہ یہ مسلمانوں کا سب سے بڑا ثقافتی مرکز بھی تھا، جہاں پر نکاح کی تقریبات منعقد ہوتی تھیں۔ یہیں پر صالح تفریح کے مواقع بھی میسر آتے تھے۔ کیا یہ سیرت نبوی ﷺ کا امتیاز نہیں کہ اس کامل دعوتی انقلاب کی تمام سرگرمیوں

کا مرکز مسجد کا احاطہ اور چار دیواری تھی۔ کاش ہماری مساجد کو بھی ان کا چھٹا ہوا مقام اور وقار واپس مل جائے۔

اسلامی ریاست کے قیام کے ساتھ ہی اسلامی معاشرہ بھی تشکیل پا رہا تھا۔ آپ ﷺ نے ایسے صالح اسلامی معاشرے کی تعمیر و تشکیل کے لیے جن ضوابط، جن حقوق اور جن فرائض کا تعین کیا اس کے سبب اس معاشرے کے سو فیصد شہری تزکیۂ نفس کی لیبارٹری سے گزر کر نفس مطمئنہ کے حامل شہری بن جاتے تھے۔ یہ وہ مقدس اور پاک باز شہری ہیں جنہیں قرآن مجید نے **فاصبحم بنعمته اخوانا** اور **رحماء بینھم** کی صفات کے ساتھ یاد کیا۔ یہ اس درجہ اللہ کے پسندیدہ بندے تھے کہ قرآن مجید نے ان کی پہچان کراتے ہوئے انہیں راشدون، صدقون، مفلحون اور فائزون جیسی صفات و کمالات سے آراستہ دکھایا ہے۔

امتیازات و کمالات سیرت نبوی ﷺ کا تذکار مبارک تو بہت ناگزیر تفصیلات کا تقاضا کرتا ہے۔ اس مختصر مضمون میں اس کا صرف ایک مجمل نقشہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ آپ ﷺ کے امتیازات میں غلامی کے خاتمے، عورتوں کے حقوق کا تعین، دشمنوں کے ساتھ عفو و درگزر، نسلی امتیازات کے خاتمے، جاہلی عصبیتوں کا خاتمہ، ایک دستوری اور شورائی ریاست کا قیام، عدل اجتماعی کی اقدار کا فروغ، بچوں، عورتوں، والدین، اولاد، ذوجین حتیٰ کہ جانوروں، پرندوں، فصلوں اور راستوں تک کے حقوق کا تعین، قانونِ وراثت کی درستی، فلاحی ریاست کا کامل نقشہ، حدود و تعزیرات کا تعین، قانون بین الممالک کی روایت، سفارتی نظام کی تشکیل، احتساب اور مسئولیت کی روایت، حکومت برائے خدمت کی تعلیم، سادگی اور حیا کا کلچر، مختلف دوائرِ حیات میں اعتدال و توازن کی روش تزکیۂ نفس اور صالح تربیت کے آداب و ضوابط کی عملی رہنمائی۔ یہ سب امور انسانیت کی مستقل خیر خواہی اور تہذیب و تمدن کے بقا و استحکام کا محکم راستہ اور روشن منزل ہے۔ اسی باعث اس نبی رحمت ﷺ کے تذکار کو قرآن مجید میں **ورفعنا لک ذکرک** کے خطابِ عظیم سے یاد کیا گیا ہے۔

اس سیرتِ مطہرہ کا آپ جس قدر مطالعہ کرتے چلے جائیں گے، اسی قدر یہ راز آپ پر منکشف ہوتا

چلا جائے گا کہ یہ بیان کی نہیں عمل کی سیرت ہے۔ ہمیں اپنے انفرادی اور اجتماعی امور میں اسی سیرت سے روشنی اور رہنمائی حاصل کرنا ہے۔ یہ بالاتفاق ایک غلبے کی سیرت ہے۔ مگر مطالبات سیرت سے بے اعتنائی کے باعث ہم مغلوبیت اور مرعوبیت کا شکار ہو گئے ہیں۔ آج مسلمان عالمی سطح پر اس سیاسی مرعوبیت اور عسکری

مغلوبیت کا تدارک صرف سیرت نبوی پر عمل کے ذریعے کر سکتے ہیں۔ اس مقصدِ عظیم کے لیے ہمیں اپنے اعتقاد و عمل کو مسنون دائروں میں لانا ہوگا۔ ہمیں مسنون نبوی زندگی کے سارے آداب و رسوم کو اختیار کرنا ہوگا۔ مسلمان ایک ایسے کلچر کا پیغام بر ہے، جس میں توحید کا رنگ اور ذائقہ موجود ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں امتیازات سیرت نبوی ﷺ کے اس مطالعے کے ذریعے وہ جادۂ حق نصیب کرے جس پر چل کر دین و دنیا کی سرفرازی عطا ہوتی ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العلمين

............☆............

سیرت النبی ﷺ اور عصر حاضر کے مسائل

پروفیسر محمد عبدالجبار شیخ *

ہمارے رسول حضرت محمد ﷺ خاتم الانبیاء بن کر تشریف لائے تو آپ کی وساطت سے دنیا والوں کو ایک ایسا ابدی اور آفاقی نظام حیات ملا جس میں ہر عصر اور ہر دور کے مسائل کے لئے رہنماء اصول موجود ہیں اور ہر زمانے کے واسطے کے ضابطہ ہدایت میسر ہے۔

اس لئے وقت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم عصر حاضر کے تناظر میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں پیش پا افتادہ مسائل کا حل تجویز کریں کیونکہ ہمارے نبی کے بتائے ہوئے زندہ و جاوداں متحرک اور زندہ و جاوید اصول وضوابط ہر لحاظ سے دکھی انسانیت کے لئے ان کے مصائب و آلام کا مکمل اور آخری مداوا ہیں۔ دور جدید کا انسان جن کو اختیار کر کے یقیناً سکھ اور چین کی زندگی بسر کرسکتا ہے۔۔

دور حاضر کے مسائل کیلئے سیرت طیبہ کی جامع اور آفاقی حکمت عملی کی تشریح سے پہلے لازم ہے کہ عصر حاضر کی اصطلاح کا معنوی تعین کیا جائے چنانچہ عصر حاضر سے مراد آج کا ترقی یافتہ دور ہے جس میں معاشی اور سائنسی عوامل نے پوری دنیا کو انسانوں کی ایک بستی میں متشکل کر دیا ہے اور پورا عالم ایک گلوبل ولیج کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ ذرائع ابلاغ اور مواصلاتی نظام نے جس طریقے سے مختلف خطوں اور ملکوں کو باہم ملا دیا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ کسی بھی پیغام اور پروگرام کی ترتیب سے پہلے دور جدید کے انسانوں کو پیش نظر رکھا جائے جو آج کے عالمی شہر کے عالمی اور آفاقی شہری ہیں۔ اور جس شہر میں فاصلے سمٹ جانے کے باوجود بیشتر غیر فطری سرحدیں تا حال موجود ہیں کہ جنہوں نے قریب رہنے کے باوصف انسانوں میں دوریاں اور فاصلے بڑھا رکھے ہیں جن سے مادی وسائل کا اختلاف تو ہے لیکن ذہنی اور فکری سطح پر انسان باہمی انتشار اور افتراق کا شکار ہے۔

آج کی ترقی یافتہ دنیا اور یورپ جسے عصر حاضر کا پیشوا اور رہنما خیال کیا جاتا ہے، فکری انارکی اور

---

* ڈائریکٹر سیرت سٹڈی سنٹر، کینٹ سیالکوٹ

معاشرتی عدم توازن کی بنا پر تباہی کے دہانے پر ہے جس کے نتیجے میں مغرب اطمینان اور سکون جیسی نعمت سے یکسر نا آشنا اور محروم ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی نے انسان کو اڑنا تو سکھا دیا ہے کہ وہ پرندہ بن گیا، تیرنے سے مچھلی بن کر سمندر کی گہرائیوں میں اترا، زمین پر تیز رفتار گھوڑے سے کہیں زیادہ تیز دوڑنے کا اس نے سبق سیکھا، سامان حرب اور تباہ کن ہتھیاروں کی ایجادات سے اس نے کائنات انسانی کو درندہ بن کر پھاڑنے اور تباہ کرنے کا منصوبہ بنایا غرضیکہ وہ سب کچھ بن گیا لیکن صد افسوس کہ انسان نہ رہا۔ اس لئے کہ مادی اور جسمانی ترقی نے اس کے اندرون کا انسان موت کے گھاٹ اتار دیا اور اسے انسانیت کی عظیم نعمت سے محروم کر دیا۔

یہی وجہ ہے کہ آج کا انسان ایک طرف عدم تحفظ کے شدید احساس اور خوف و ہراس میں مبتلا اور دوسری طرف وہ نفرت باہمی اور خود بیزاری کی بنیاد پر ہر آن انسانی الفت و محبت سے محروم ہوتا جا رہا ہے۔

نتیجہ یہ ہے کہ بھائی بھائی کو اور ہمسایہ ہمسایہ کو بھی اجنبی خیال کرنے لگا ہے اور معاشرتی کج روی اور مستقبل کی بے یقینی کا احساس بالخصوص نوجوان نسل میں شدت اختیار کر گیا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ قومیتوں اور عصبیتوں کے عفریت نے انسانوں کو تفرقوں اور دھڑے بندیوں میں اور خطے، رنگ نسل اور مذہب کی بنیاد پر مختلف طبقات میں منتشر کر کے رکھ دیا ہے۔

اس لحاظ سے مغربی دنیا تو در کنار فی الوقت عالم اسلام ہی شدید قسم کے افتراق و انتشار میں مبتلا ہے۔ غیر ملکی اور اجنبی نظریات و افکار کی عالم اسلام پر یلغار ہے نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان اسلام کے سنہری اصولوں کو یکسر فراموش کر بیٹھے ہیں ایک ارب تینتیس کروڑ پر مشتمل "بنیان مرصوص" بن کر ابھرنے اور پنپنے کی بجائے ہم منتشر انسانوں کی بھیڑ اور مختلف نظریات و افکار کا مجمع بن کر رہ گئے ہیں۔ مادی اور معاشی وسائل و ذرائع سے مالا مال ہو کر بھی دوسروں کی نظروں میں ضعیف اور حقیر ہیں۔ اور وہ وقت آن پہنچا ہے کہ تعلیمات نبوی سے کنارہ کشی اختیار کرنے پر امت مسلمہ انحطاط اور تنزل سے قریب ہے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق کثرت کے باوجود مسلمانوں کی مثال سیلاب کے پانی پر اٹھنے والے جھاگ کی سی ہے کہ ہم بہہ جاتے ہیں ادھر کو جدھر سیلاب کا ریلا ہمیں بہا کر لے جاتا ہے پھر اجنبی نظریات کے بہاؤ میں آ کر ہمیں اپنے فکر اپنے تصور نظریہ اور ایمان سے بھی ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔

اس سنگین صورت حال میں عالم اسلام کے لئے ﴿ واعتصموا بحبل الله جميعاً ولا تفرقوا ﴾ کے قول جمیل کی صورت میں ہمارے لئے ایک زرّیں پیغام عمل موجود ہے۔ جو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے کھلے طور پر آج کے وقت میں دیا جا رہا ہے۔

یقین مانئے کہ توحید ورسالت اور آخرت کے اصول ثلاثہ کی بنیاد پر قائم ہونے والی اس امت واحدہ کی اکائی جس وقت انتشار اور افتراق میں مبتلا دکھائی دیتی ہے تو چرخ نیلگوں بھی خون کے آنسو روتا ہے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ یہی وہ حالت زار ہے جس کے مداوا کے لئے حضرت علامہ اقبال بھی پکار اٹھے۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر (بانگ درا)

اعتصام بحبل الله کے اس عظیم سبق کو یاد کرنے کے باوجود ہماری صورت حال کچھ ایسی دگرگوں ہے کہ وہ نبی جو پورے عالم انسانیت کا نبی ہے، ہر زمانے اور دور کا نبی ہے، ہر خطے اور قوم کا نبی ہے جس کا پیغام ازلی اور ابدی ہے جو ایک جہان نہیں سارے جہانوں کا نبی ہے اس کے ماننے والوں نے اپنوں میں افتراق وانتشار پر مبنی ایسی سرحدیں قائم کر رکھی ہیں کہ ہر کوئی ایک دوسرے سے سربکف ہے اور باہم دست بر گریباں ہونے کو نجات آخرت کی دلیل خیال کرتا ہے۔ حال یہ ہے کہ ہم نے حرف قرآن کو پس پشت ڈال کر اور نبی کے فرمان کو صرف نظر کر کے تعارف اور تفاخر کی خاطر شناخت کے نئے نئے معیار قائم کئے ہیں هُوَ سَمَّاكم المسلمين کے تحت مسلمان کہلانا پسند نہیں اور اپنے فرقے اور گروہ سے منسوب ہونا زیادہ محبوب ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں بالآخر نبی محترم روز محشر انہیں پکار کر کہیں گے۔

﴿ يرب اِنّ قومى اتخذوا هٰذا القرآن مهجورا ﴾ (الفرقان: ۳۰)

''اے میرے رب میری یہ قوم ہے جس نے اس قرآن کو نظر انداز کر دیا ہے۔''

چیچنیا، بوسنیا، فلسطین اور کشمیر میں ایمان والوں کے خون کی ارزانی اور دختران اسلام کی بے حرمتی کا منظر آج مسلمانوں کے انحطاط کی بدترین مثال ہے۔ اس حالت زار کے مداوا کے لئے سیرت طیبہ کے پیغام زرفشاں میں مسلمانان عالم کے لئے اہم ترین عامل وہ دعوت عمل ہے جو سیرت وسنت نبوی ﷺ کی

پیروی کے لئے دیا جارہا ہے۔جیسا کہ فرمایا:

﴿ لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة لمن كان يرجوا الله واليوم الاخر ﴾ (الاحزاب : ۲۱)

''بے شک تمہارے لیے اللہ کے رسول (کی زندگی) بہترین نمونہ ہے۔جن کا اللہ اور روز آخرت پر ایمان ہے اور جن کو یہ امید ہے کہ ایک دن اللہ سے کامیاب ملاقات ہوگی۔''

تمہارے لئے لمحہ فکر یہ ہے کہ آؤ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خوبصورت اسوہ عمل میں تمہارے لئے ایک بے مثال نمونہ اور عمل زندگی کا ایک صاف وشفاف آئینہ ہے۔آؤ اور اپنی زندگیوں میں اسے نافذ کر کے تمام مشکلات ومصائب سے نجات حاصل کرلو۔

اس واسطے امت مسلمہ کے حالیہ بھیانک اور دلخراش منظر میں سیرت طیبہ کے عملی پہلو کو اجاگر کرنا اور زیادہ ضروری ہوگیا ہے۔کیونکہ امت کے سقوط وانحطاط کی سب سے بڑی وجہ بھی تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلوتہی کرنا ہے اور قرآن اور سیرت طیبہ کے پیغام کو پس پشت ڈالنا ہے۔اس واسطے لازم ہے کہ سیرت مطہرہ کے عملی پہلو کو ہر زاویہ زندگی میں اپنایا جائے اور کلیات دین کے علاوہ جزئیات عمل میں بھی پوری امت کی سیرت سازی کا اہتمام کیا جائے تاکہ متبعین سنت کی ایک جماعت تیار ہو جو سیرت پاک کا خالص نمونہ بن کر ابھرے کہ ہر فرد کو سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیکر بنا دے اور جو کہے وہ کر کے دکھا دے ورنہ اگر محض گفتار وتقریر سے امت کی تقدیر بدل سکتی ہوتی تو جس قدر تقاریر کے جلسے اور گفتار کی مجالس اس امت مرحومہ میں منعقد ہوچکی ہیں،ان کی بنیاد پر اس امت کو اب تک بام عروج پر پہنچ جانا چاہئے تھا۔لیکن محض کہنے اور سننے سے بات نہیں بن سکی نتیجہ یہ ہے کہ ہم اس بے عملی کی بناء پر اپنی شاندار روایات سے محروم ہوکر آج تاریخ کے بدترین دور میں ہیں۔

اس بھیانک صورت حال کا نتیجہ ہے کہ کئی سالوں سے ہمارا قبلہ اوّل ایک مٹھی بھر معاند قوت کے ہاتھوں غلامی میں سسک رہا ہے اور پکار کر کہہ رہا ہے کہ پھر سے ہمارے اندر کوئی صلاح الدین ایوبی اٹھے اور اسے آزادی سے ہمکنار کرے لیکن نہ جانے سنت وسیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر مبنی عمل کی وہ قوت ہمارے

میں کب پیدا ہوگی اس واسطے ضروری ہے کہ ہر مسلمان عمل بالمعروف اور اجتناب عن المنکر کے اصول کو اپنی عملی زندگی میں اپنائے کہ جس میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کے سارے زاویوں کو ایسی بنیادوں پر استوار کیا جائے کہ جن سے معاشرتی زندگی میں طہارت و پاکیزگی توسط و اعتدال حسن معاملہ وحسن سلوک کی جملہ اقدار نافذ و جاگر ہو کر رہیں۔

لیکن یہ بات اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ اعمال میں اخلاق میں اطوار میں اور احوال میں خدا خوفی اور تقویٰ کو جاری وساری کرنے کی سعی پیہم نہ کی جائے تا کہ ہر دم اور ہر قدم پر ایمان والا اس قدر احتیاط سے چلے کہ مبادا میرے اس کام سے میرا رب ناراض تو نہیں یہی وہ کیفیت ہے۔ کہ جسے قرآن انسانوں میں پیدا کر کے انسانیت کو شرافت اور عظمت سے ہمکنار کرنا چاہتا ہے کیونکہ اللہ کے ہاں شرافت اور عظمت کا یہی معیار ہے۔

﴿ان اکرمکم عند الله اتقاکم﴾ (الحجرات: ١٣)

''سنو اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہی ہے جو تم سب سے زیادہ اللہ کے ڈر اور تقویٰ سے متصف ہے۔''

دوسرے لفظوں میں اگر یوں کہا جائے کہ تقویٰ اور خوف خدا انسانیت کی روح ہے اور انہی چیزوں سے انسانوں میں انسانیت نکھرتی اور پنپتی ہے تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔

اس لئے کہ اگر دل سے خدا کا خوف نکل جائے تو پھر انسان انسان نہیں رہتا۔ پھر وہ انسانیت کی عظمتوں سے گر کر بھیانک سے بھیانک عمل بھی کر گزرتا ہے۔ تقویٰ کے منفی ہونے سے انسان انسانیت سے محروم ہو جاتا ہے گویا کہ انسان کے روپ میں جانور ہیں۔ درندہ بھیڑیا اور چوپایہ بلکہ ﴿بل هم اضل﴾ (الاعراف: ١٧٩) کے مصداق ان سے بھی کہیں بدتر اور گمراہ تر۔

اس واسطے ﴿یا یها الذین امنوا اتقو الله حق تقاته و لا تموتن الا و انتم مسلمون﴾ (آل عمران: ١٠٢) کے حکم سے ایمان والوں کو تقویٰ کا پیغام دے کر زیور انسانیت سے آراستہ کیا جا رہا ہے۔ کیونکہ متقی ہونا دراصل یہی ایک معیاری انسان ہونا ہے جسے دوسرے لفظوں میں مسلمان کہتے ہیں

اور ﴿لا تموتن الا و انتم مسلمون﴾ کے الفاظ سے اسی نصب العین کی نشان دہی کی جا رہی ہے جو انسانوں کی آخری اور پر وقار منزل اور مسلمان کا عظیم مقام ہے۔

تقویٰ اور انسانیت کے اسی فقدان کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں میں نفسانفسی کا عالم ہے۔ اور (تکونوا شھداء علی الناس) کے منصب عظیم پر فائز ہو کر بھی ہم خود فراموشی کی دلدل میں پھنس بیٹھے ہیں باہمی محبت وشفقت سے عاری ہو کر اسلامی اخوت اور رواداری کے احساس سے بھی محروم ہوتے جا رہے ہیں نتیجہ یہ ہے کہ آج ہم ایک دوسرے کو بھی برداشت کرنے کیلئے آمادہ نہیں جبکہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تیرہ سالہ مکی زندگی میں اسلامی رواداری کا ایک ایسا عملی نمونہ پیش فرمایا کہ تاریخ عالم میں اس کی مثال نہیں انہوں نے اپنے اسوۂ حسنہ سے کفر وشرک کے کھلے اختلاف پر بھی غیروں کو گلے لگایا اور مخالفین کو جھوٹ پر مبنی معاندانہ مسلک پر قائم دیکھ کر بھی ان سے شفقت ومحبت کا سلوک کیا۔ وہ رحمت للعالمین بن کر خلق عظیم کے مرتبہ سے ہٹنے کے لئے ہرگز تیار نہ تھے۔ وہ تو آپس میں ملانے آئے تھے ملاتے چلے گئے چاہے اس کے لئے کس قدر محنت ہی درکار کیوں نہ تھی۔

پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے غیروں کو اپنا بنایا اور اپنے باغی دشمنوں کو بھی اخلاق کی قوت سے زیر کر کے حلقہ بگوش اسلام فرمایا۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں:۔

شنیدم کہ مردان راہ خدا
دل دشمناں ہم نہ کردند تنگ
ترا کے میسر شود این مقام
کہ بادو ستانت خلاف است و جنگ

(گلستان سعدی: ۹۷)

امت مسلمہ کی باہمی شکست وریخت اور خود فراموشی کی اس حالت زار کے عالم انسانیت پر جو منفی اثرات مرتب ہو رہے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ نہ صرف یہ امت اپنے قائدانہ فرائض سے کوتاہی کی مرتکب ہے بلکہ الٹا بنیاد پرستی اور دہشت گردی کے الزامات سے اس کی حیثیت عرفی کو داغدار کیا جا رہا ہے۔ مغربی

میڈیا اور یہودی لابی اس امت کی حالیہ ابتری سے پورا پورا فائدہ اٹھا کر دین اسلام کی آفاقی قدروں کو دھندلانے اور مٹانے میں سرگرم ہے۔

دوسری طرف سامراجی اور استعماری قوتوں سے سرمایہ کے زور سے معاشی اور معاشرتی عدم توازن اور ابتری کو ہوا دے کر انسانوں کو حقیقی طمانیت سے محروم کر کے رکھ دیا ہے کہ ان کی منزل مشکوک اور موہوم ہو کر رہ گئی ہے۔ نیز ملحدانہ ادب وثقافت کا جو سیلاب امنڈتا آ رہا ہے وہ اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ اخلاقیات کا معاملہ قابو سے باہر ہے۔ جبلتوں اور نفسانی خواہشوں پر کوئی کنٹرول نہیں رہا۔ جس سے دنیا میں وہ معاشرتی اور سماجی انارکی نمودار ہو رہی ہے جس نے عریانی جنس پرستی اور اخلاقی کج روی کو جنم دیا ہے۔ اخلاقیات کو فراموش کر کے صرف تن پرستی اور حواس کی زندگی پر زور دینے کا ایک نقصان یہ ہوا ہے کہ آج زندگی محض تعیش کا دوسرا نام ہے۔ دولت پرستی زراندوزی اور تکاثر واحد مقصد حیات ہے جس کی وجہ سے استعمار اور استحصال کا دور دورہ ہے اور دنیا رقابتوں اور عداوتوں کا گہوارہ بن چکی ہے۔

قرآن نے ﴿ الھکم التکاثر حتی زرتم المقابر ﴾ کے اعلان سے دنیا والوں کو تن پرستی اور تکاثر سے اجتناب کر کے اعتدال اور اقتصاد پر مبنی معاشی اور سیاسی میانہ روی کی تلقین فرمائی حضور ﷺ نے معیشت اور معاش کیلئے جو حکمت عملی تجویز فرمائی وہ عالمگیر اور عادلانہ نظام پر مشتمل ہے کہ جس میں انتہا پسندی سے بیزاری کا اعلان ہے اور اسلام یہ چاہتا ہے کہ افراط وتفریط سے بچ کر ہر کوئی خوشدلی سے حلال کمائے اور دوسروں کو بانٹ کر کھائے۔

حالانکہ انسانوں کو موجودہ معاشرتی بے اطمینانی اور معاشی عدم توازن نے یکسر خود فراموشی اور سماجی دیوالیہ پن میں ایسا مبتلا کر رکھا ہے۔ کہ ہر کوئی ذہنی پریشانی اور قلبی ہیجان کا شکار ہے۔ ظاہر ہے کہ موجودہ سائنسی اور معاشی ترقی ان داخلی اذیتوں کا کیا علاج کر سکے گی جس نے دراصل عالم انسانیت کو خود فراموشی کی بھیانک وادی میں دھکیل کر خدا فراموشی کی خطرناک آزمائش میں ڈال دیا ہے ایسی صورت حال سے دوچار عالم انسانیت کے لئے' اس کے گھمبیر مسائل کا حل صرف آنحضرت سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں ہی میسر ہے۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن وسنت کی روشنی

میں دنیاوالوں کے سامنے پیش فرمایا ہے۔اس کیلئے ضروری ہے کہ امت مسلمہ کے تمام افراد شھداء علی الناس کے منصب جلیل پر فائز ہوکراٹھ کھڑے ہوں اور(اخرجت للناس) کے فریضہ منصبی کو صحیح معنوں میں انجام دے کردنیاوآخرت میں سرخرو ہوں۔

اس واسطے کہ رحمۃ للعالمین ہوتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام رحمت میں دکھی اور سسکتی انسانیت کے لئے تمام تر پدرانہ،مادرانہ،معلمانہ اور مربیانہ محبتیں اور شفقتیں پوری جامعیت کے ساتھ موجود ہیں یہی وجہ ہے کہ جہاں پر نبی رحمت بنا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجنے والا رب رحمان ورحیم ہے وہاں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رؤف رحیم بنا کر شفقتوں اور رحمتوں کے بانٹنے کا فریضہ تفویض کیا گیا ہے۔اس بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری زندگی دوسروں کے لئے تسلی اور تشفی کے ساتھ مداوائے غم بھی رہے۔اور آپ کی تعلیمات میں انساں کے روحانی دکھوں اور بےزاریوں سے نجات کا سامان بھی موجود ہے۔انسانیت جوکہ آنکھوں کو چندھیادینے والی سائنسی اور تہذیبی ترقی کی بنا پر ایمان کی عظیم نعمت سے محروم ہوتی جارہی ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اسوۂ حسنہ کے عملی پیغام سے اسے ایمان ویقین کی طرف لانا چاہتے ہیں۔اس وجہ سے عصر حاضر اور آج کا دور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور آپ کے پیغام کے موثر اور نتیجہ خیز ہونے کے واسطے انتہائی موزوں اور مناسب ہے۔

لہٰذا آج اس خطہ ارضی کے اس عالمگیر شہر کو جس میں سائنسی اور معاشی ارتقاء کی بنا پر فاصلے سمٹتے جارہے ہیں اور دنیا ایک قصبے اور شہر کی صورت اختیار کرچکی ہے ایک ایسے عالمگیر نظام کی ضرورت ہے جس کی بنیاد ایک خدااور ایک رسول ایک امت اور ایک آفاقی ہئیت اجتماعی پر مشتمل ہو جس کی وحدت کی طرف محض دین اسلام ہی اپنی آفاقی دعوت کے ذریعہ بلا رہا ہے۔کیونکہ اسلام کے پیش رو مذاہب میں اور فکر جدید کے موجودہ افکار ونظریات میں ایسا جامع اور عالمی سطح کا نظام کہیں بھی موجود نہیں جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات کے ذریعے عالم انسانیت کے لئے تجویز فرمایا ہے۔آپ نے ایک طرف معیشت اور معاشرت میں ہرفرد کو توسط اور اعتدال کی راہ پر گامزن فرمایا اور دوسری طرف سیاست میں لادینی اور بےلگام جمہوریت کی جگہ اسلامی شورائیت کے زریں اصول نافذ فرمائے۔کہ جس میں انسانی

شرافتوں اور عزتوں کو تقوی اور خوف خدا کے میرٹ پر قائم فرمایا کیونکہ اسلام میں عزت اور اقتدار کا یہ اعلی ترین معیار ہے۔ چنانچہ اپنے خطبہ حجۃ الوداع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح اعلان فرمایا کہ:

''کسی عربی کو عجمی پر کسی احمر کو اسود پر کوئی برتری حاصل نہیں صرف تقویٰ کی بنیاد پر ہی ہر کوئی شخص عزت اور شرافت کے حصول کا اہل ہے۔ محض رنگ ونسل، خطے، ملک اور عقیدے کو اسلام میں شرافت کا معیار قرار نہیں دیا جا سکتا''

حالانکہ آج نسلی تفریقات کا یہ حال ہے کہ سفید فام اقوام اپنے رنگ اور دیگر خصوصیات کو وجہ تفاخر و عزت سمجھتی ہیں اور امریکہ جیسے ترقی یافتہ معاشرے میں آج بھی نسلی امتیاز اور کالے اور گورے کی تفریق شدت سے موجود ہے جو کہ ننگ انسانیت ہے اور جس سے انسانوں کے سر شرم کے مارے جھک جاتے ہیں۔

اس کے برخلاف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں اسلامی معاشرتی انصاف اور عدل اجتماعی کا ایک ایسا عملی نمونہ پیش فرمایا کہ آج کا معاشرہ جو نسلی امتیاز اور تفریقات کی آماجگاہ بنا ہوا ہے اس سے رہنمائی حاصل کر کے نفرتوں اور اذیتوں سے نجات پا سکتا ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع میں کئے گئے اعلان عظیم میں وحدت نسل انسانی کا جو تصور پائیدار طریقے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمایا وہ ایک ایسا بین الاقوامی ھیئت اجتماعی کا عظیم چارٹر ہے جو پورے عالم کی واحد عالمی ریاست کی نشان دہی کر رہا ہے۔ جبکہ یہ عالمی اجتماعی نظام اور دنیا بھر کی انسانی ریاست کا عملی نقشہ یقینی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور آپ کی سیرت طیبہ کے دستور العمل میں ہی میسر ہے کیونکہ جہاں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کافة للناس اور رحمة للعالمين بن کر تشریف لائے وہاں پر آپ کو بھیجنے والے رب کریم بھی رب الناس اور رب العالمين ہے کہ جس پر ایمان ویقین کی بنیاد پر ہی عالمی ریاست اور بین الاقوامی آفاقی اقتدار اعلیٰ کی پہچان ہو سکتی ہے۔ فوز وفلاح کی منزل تک پہنچنے کے لئے نکتہ وری کا یہ وہ عظیم مقام تھا جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دور میں دنیا والوں کو نافذ کر کے دکھا دیا کہ اسلام تفریقات کو قائم کرنے نہیں بلکہ مٹانے کے لئے آیا۔

جو فلسفیوں سے حل نہ ہوا اور نکتہ وروں سے کھل نہ سکا
وہ راز اس کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

چنانچہ یہ ثابت ہوگیا کہ عالمی ریاست کے عالمی معاشرے میں سیدنا صہیب روم سے آئے ہیں اور سیدنا ابو ہریرہ یمن سے سیدنا سلمان فارس سے آتے ہیں اور بلال حبشہ سے پھر ہر رنگ ونسل کے ساتھی اصحابی کالنجوم کے مصداق ایک ہی چاند کے گرد ستارے بن کر جمع ہوتے ہیں کہ کسی کو بھی کسی پر معاشی اور معاشرتی فوقیت اور برتری کا احساس ہونے نہیں پاتا اس لئے پورے وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ وہ عالمگیر خوف اور عدم تحفظ کا بین الاقوامی احساس جس نے عصر حاضر کو انفرادی اور اجتماعی رقابتوں اور محاذ آرائیوں کا مرکز بنا رکھا ہے اس سے نجات پانے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سیرت میں ایک پائیدار عالمی دستور العمل موجود ہے جس دن دنیا والوں نے اسے عملی زندگی میں نافذ کرلیا تمام تر معاشرتی، معاشی، سماجی اور سیاسی زاویئے خود بخود خدا پرستی توسط واعتدال اور اقتصاد کے اصولوں پر چلنے لگیں گے اور زمین اللہ کی حاکمیت کا اور انسانوں کے لیئے امن وعافیت کا گہوارہ بن جائے گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی وہ پیغام سیرت ہے جو عصر حاضر کے مسائل کے حل کے لئے دنیا والوں کو دیا جا رہا ہے اور جس میں ایک طرف عالم اسلام کو اتحاد وعمل کی تلقین ہے اور دوسری طرف عالم انسانیت کو توحید ورسالت اور آخرت کے اصول ثلاثہ پر مبنی ایمان کی طرف بلایا جارہا ہے۔ اور یہی دو چیزیں وقت کا اہم ترین تقاضا ہیں۔ چنانچہ حضور ﷺ کے آفاقی اور ابدی پیغام کی وسعت اور عمومیت کو بیان کرتے ہوئے قرآن نے اعلان فرمایا کہ:۔

﴿وما ارسلنک الا کافةً للناس بشیرا و نذیرا ولکن اکثر النا س لا یعلمون٥﴾

''اے پیارے نبی ﷺ ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے واسطے خواہ عرب ہوں یا عجم شرقی ہوں یا غربی موجود ہوں یا آئندہ آنے والے تمام انسانوں کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے آپ کو چاہیے کہ ایمان لانے پر ایمان والوں کو ہماری رضا خوشنودی اور ثواب کی خوشخبری سناتے جایئے اور انکار کرنے والوں کو ہمارے غضب وعذاب سے ڈرایئے اکثر لوگ آپ کو اور آپ کی لائی ہوئی آفاقی قدروں سے ناواقف ہیں۔''

عصرِ حاضر کے مسائل اور قرآن وسیرت نبوی ﷺ کی روشنی میں اصحاب علم وفضل کی ذمہ داریاں

* ڈاکٹر معراج الاسلام ضیاء

تعارف:

پاکستان کو وجود میں آئے پچاس سال سے زائد کا عرصہ ہو چکا ہے۔ اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا یہ ملک اسلامی اخوت اور بھائی چارے کے راستے پر گامزن ہونے کی بجائے فرقہ پرستی، لسانی تعصبات اور فکری پستیوں کے دلدل میں پھنس گیا ہے۔ بلکہ اب تو بات یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ عبادت گاہوں میں خالق کائنات کے حضور سجدہ ریز ہونے والوں کے خون سے بھی ہولی کھیلی جانے لگی ہے۔ اسباب وعلل کا جائزہ لینے والے محقق کی توجہ اس ضمن میں کئی امور پر مرکوز ہوتی ہے۔ جن میں ایک اہم سبب اصحاب علم و فضل کا کردار اور ان کے رویے ہیں۔

مذکورہ اصحاب جو مختلف مذہبی گروہوں اور تنظیموں کے ساتھ منسلک ہیں، نے بلاشبہ چند مفید کام بھی کیے ہیں، لیکن ان کے مخصوص مزاج اور رویوں کی بناء پر، ملت اسلامیہ کو ان سے حسب ذیل نقصانات بھی پہنچے ہیں اور پہنچ رہے ہیں۔

(الف) ملت اسلامیہ کی وحدت پارہ پارہ ہو کر مختلف گروہوں اور تنظیموں میں بٹ گئی ہے۔ یعنی مسلمان ایک امت نہیں رہے۔ بلکہ کئی امتوں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اسلامی عصبیت وحمیت کی جگہ، جاہلی عصبیت وحمیت (گروہ پسندی) نے لے لی ہے۔ ورنہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا خون کیسے کر سکتا ہے!

(ب) اس فرقہ وارانہ ذہنیت کے نتیجے میں اصحاب علم وفضل کی نظر محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ صرف چند متعین

---

* ایسوسی ایٹ پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سنٹر پشاور یونیورسٹی

جزئی مسائل ان کے پیش نظر رہتے ہیں۔ عصر حاضر کے تقاضوں اور فتنوں سے یا تو وہ بالکل بے خبر ہیں، یا پھر ان کی اہمیت کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

(ج) دین کا تصور اور دینی کام کرنے کا رنگ ڈھنگ انتہائی محدود ہو گیا ہے۔ سارا زور بیان و قلم چند جزئیات اور محدود فقہی موشگافیوں کے منوانے ہی میں صرف ہوتا ہے۔

(د) ضعیف و موضوع روایات کی اشاعت کے بارے میں احتیاط نہیں برتی جاتی، جس کے نتیجے میں یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ اسلام (نعوذ باللہ) کوئی دیو مالائی مذہب ہے، جس کا تعلق حقائق اور صحیح روایات کے بجائے عجائب پسندی سے زیادہ جڑا ہوا ہے۔

(ھ) چند اصحاب علم و فضل دین و سیاست کے امتزاج کے مدعی ہیں۔ لیکن سیاسی تقاضے اور وقتی مصالح ان کے دینی مزاج پر غالب آ گئے ہیں۔ بلکہ کچھ تو جدید تحریکات سے مرعوبیت کی بناء پر نصوص و احکام شرعیہ میں ردوبدل سے بھی گریز نہیں کرتے۔ اس پالیسی نے دین کی راہ میں حداثت اور انحراف کے فتنے پیدا کئے ہیں ایک عجیب افراط و تفریط کی فضا بن گئی ہے، ایک طرف تو اصحاب علم و فضل اجتہاد کا نام سننے کے بھی روادار نہیں۔ (خواہ اجتہاد شرعی ضرورت اور حدود کے اندر رہتے ہوے کیوں نہ کیا جائے) جبکہ دوسری طرف اس معاملہ میں فراخ دلی کا یہ عالم ہے کہ اجتہاد کے ڈانڈے تحریف سے جا ملتے ہیں۔

(و) جہاد کے نام پر مسلمان دوسرے مسلمان کے خون کے درپے ہوا ہے۔ مسلح ٹولہ ہر صاحب علم و فضل کی تنظیمی ضرورت بن گیا ہے۔ گزشتہ چند سالوں میں تو یہ رجحان اس خطرناک حد تک بڑھ گیا ہے کہ الحفیظ والامان اس روش کی وجہ سے مملکت عزیز پاکستان ایک طرف تو بین الاقوامی برادری تقریباً تنہا ہو کر رہ گیا ہے اور دوسری طرف ملک کے داخلی حالات بھی رفتہ رفتہ طوائف الملوکی اور مکمل انارکی کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

(ز) فرقہ واریت اور سیاسی گروہ بندیوں کا ایک بدترین نتیجہ یہ بھی عام ہوتا چلا جا رہا ہے کہ دعوت الی اللہ والرسول اور اسلام کے بجائے فرقوں، جماعتوں، سیاسی مقاصد و تصورات اور روحانی و

سیاسی شخصیتوں کی جانب دی جانے لگی ہے۔اور آج کسی بھی شخص کے لیے کافی نہیں کہ وہ اپنی نسبت،اسلام کی حد تک محدود رکھے۔

خلاصہ یہ کہ بدقسمتی سے ہمارے مدارس، ہماری مساجد اور دوسرے دینی و تعلیمی ادارے اپنی تمام تر خوبیوں اور فوائد کے باوجود، افراد کی تربیت کے باب میں وہ کامیابی حاصل نہیں کر سکے' جو ماضی میں ان کا طرۂ امتیاز تھا اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جہاں بین الملی اعتبار سے ہماری تبلیغ کا دائرہ ،فرقہ وارنہ،مناقشات، باہمی تکفیر و تفسیق اور توہمات کے جمود تک محدود ہو چکا ہے۔ہماری تبلیغ کا مساعی امت کو مربوط کرنے اور افرادامت میں تعلق باللہ،حب رسول ، ایمان بالآخرۃ ، اخلاق فاضلہ، اعمال صالحہ اور تعمیر سیرت و کردار کا ولولہ پیدا کرنے کے بجائے باہمی انتشار و تصادم اور جب دنیا کے غلبے اور اخلاقی زوال پر منتج ہو رہی ہے۔ اس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ ہمارے، ہاں کسی نہ کسی درجے میں تعلیم و تعلم کا سلسلہ تو جاری ہے لیکن اس علم کو رضاء الٰہی کے لیے استعمال کرنے اور اس کے ذریعے اسلام کے علم کو بلند کرنے اور اس کے وسیلہ سے سیرت سازی اور کردار کی تعمیر کے فریضہ سے سبکدوش ہونے کی تربیت کا اہتمام بہت کم لوگوں میں باقی رہا ہے۔اور حالت یہ ہوگئی ہے کہ دین کے بنیادی شعور سے محروم افراد اگر کسی مذہبی حلقے میں کچھ دن آنے لگیں تو ان کا تاثر یہ ہے کہ دین نام ہے افتراق کا اور مذہب ذریعہ ہے باہمی مشت وگریبانی کا.... اور اسی باعث مسلمان، اقوام عالم سے فرو تر اور ان کے دست نگر ہیں۔

یہ پہلو بھی ہمارے ہاں کے اصحاب اخلاص کی توجہ کا مرکز بننا چاہیے کہ اس وقت دنیا میں عیسائیت ،قادیانیت، بہائیت اور بدھ مت کے پیروکار تبلیغی میدان میں معرکے سرکر رہے ہیں ۔مگر ہمارے ہاں کے اصحاب علم و فضل بجز بعض طبقات وافراد کے باہمی جنگ وجدال اور فروعی مسائل میں انہماک سے باعث بدترین زوال کے نرغے میں ہیں۔اس لیے کہ وہ باہر کے ممالک میں بھی زیادہ تر وقت مناظرانہ چشمکوں اور مجادلانہ آویزشوں کی نذر کرتے ہیں۔ان حالات میں کار اصلاح کی تجدید و تکمیل کے لئے ازبس ضروری ہے کہ اسلامی تصور علم کو عام کرنے کے ساتھ ساتھ ، اس کو پیش کرنے والوں کی تربیت کا بھی اہتمام کیا جائے۔

زیر نظر مقالے میں کوشش کی گئی ہے کہ قرآن مجید اور احادیث نبویہ ﷺ کی روشنی میں اصحاب علم و فضل کے مقام، کردار اور خصائل وصفات (رویوں) کا جائزہ لیا جائے، اس نیت کے ساتھ کہ وحدت امت اور اعتصام بحبل اللہ کی توفیق نصیب ہو۔

☆ قرآن وسنت کے حوالے سے علماء کا مقام وکردار:

علم اور اہل علم کی جو توقیر و تنظیم قرآن کریم وسنت نبوی کے اندر نظر آتی ہے، اس کی نہ تو تاریخ میں کوئی مثال پہلے تھی اور نہ اس کی نظیر بعد کے زمانے میں پیش کی جاسکتی ہے۔ معلّمی کا منصب چونکہ منصب پیغمبری ہے اس لیے اسلام میں معلم کی تنظیم وتکریم میں بھی اس پہلو کو ملحوظ رکھا گیا علما کو اسلامی معاشرے میں ہمیشہ بلند سے بلند تر مقام دیا گیا ہے۔ بادشاہوں اور وزیروں کو بھی عالم کی چوکھٹ پر سرنگوں کرنے کا حکم تھا۔ فقہاء اسلام کی منزل عظمیٰ کے بیان کیلئے یہی کافی ہے کہ ان کی اطاعت کو لازمی قرار دیا گیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

﴿ یا ایھا الذین آمنو اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم ، فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الاخر ، ذلک خیر واحسن تاویلا﴾ (سورۃ النساء:۹)

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے اہل اختیار کی اطاعت کرو، پھر اگر تمہارے درمیان کسی چیز میں اختلاف ہو جائے، تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ، اگر تم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ بات اچھی ہے اور اس کا انجام بہتر ہے

''عبداللہ بن عباس کی ایک روایت کے مطابق اس آیت میں اولی الامر سے مراد علماء ہیں۔ یہی رائے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما، حسن بصری، ابو العالیۃ، عطاء بن ابی رباح، ضحاک اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ہے(۱)

۱۔ اعلام الموقعین عن احکام رب العالمین ، ابن قیم الجوزیہ (تحقیق و تعلق طہ عبدالرئوف) جلداول، صفحات ۹-۱۰ . شرکۃ الطباعۃ الفنیۃ المتحدۃ، ۱۹۶۸ .

اصحاب علم وفضل کے مرتبہ ومقام اور فضیلت کا ذکر قرآن حکیم کی کئی اور آیات میں بھی کیا گیا ہے۔مثلاً یہ کہ اللہ کے ہاں اہل ایمان اور اہل علم کے درجات بلند کیے جاتے ہیں:

﴿یرفع الله الذین امنوا منکم و الذین اوتوا العلم درجت ﴾(۲)

''اور یہ کہ اللہ کی عظمت وجلال کی صحیح معرفت واعتراف صرف اہل علم ہی کر سکتے ہیں۔''

'' انما یخشی الله من عباده العلماء''(۳)

''اللہ کے بندوں میں سے تو صرف اہل علم ہی اس سے ڈرتے ہیں۔''

اسی طرح قرآن نے علم وحکمت کو خیر کثیر قرار دیا:

'' ومن یؤت الحکمة فقد اوتی خیر اً کثیراً(۴)

''جس کو حکمت دی گئی تو بے شک اسے خیر کثیر عطا کیا گیا۔''

المختصر یہ کہ صاحب علم اور نا سمجھ کیسے برابر ہو سکتے ہیں:

﴿ قل هل یستوی الذین یعلمون و الذین لایعلمون ﴾(۵)

کتب احادیث کے اندر علم اور علماء کی فضیلت اور طلب علم کی ترغیب پر کئی کتابیں اور ابواب پائے جاتے ہیں، جن کی درج احادیث اسے اصحاب علم وفضل کے بلند مرتبے کا اندازہ ہو جاتا ہے۔مثال کے طور پر:

''من یرد الله به خیراً یفقهه فی الدین'' (٦)

''اللہ تعالیٰ جس سے بھلائی کا ارادہ فرمالیتا ہے تو اسے دین کی سمجھ وبوجھ عطا کر دیتا ہے۔''

عالم کے اعلیٰ وارفع مقام کی پہچان کیلئے رسول اکرم ﷺ کی یہ حدیث کافی وشافی ہے کہ وہ انبیاء

۲۔ سورة المجادلة: ۱۱۔

۳۔ سورة فاطر ۲۸

۴۔ سورة البقرة ۲۶۹

۵۔ سورة الزمر ۹

٦۔ ابن ماجه / باب ۱۷، حدیث نمبر ۲۰۸ (تحقیق محمد مصطفی الاعظمی)، سعودی عرب، ۱۹۸۴

کے وارث ہوتے ہیں۔ کثیر بن قیس سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں:

عن کثیر بن قیس ؛قال :کنت جا لساً عند ا بی الدرداء فی مسجد دمشق .فاتاہ رجل ،فقال لہ :یاابا الدرداء!اتیتک من المدینہ الرسول ﷺ لحدیث بلغنی انک تحدث بہ عن رسو ل اللہ ﷺ قال :فما جاء بک تجارتہ ؟قال :لا ، قال :ولا جاء بک غیرہ ؟قال لا قال:فانی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ''من سلک طریقاً یلتمس فیہ علماًسھل اللہ لہ طریقاً الی الجنۃ . وان الملئکتہ لتضع اجنحتھا رضاًلطالب العالم .وان طالب العالم یستغفر لہ من فی السماء والارض.حتی الحیتان فی الماء وان فضل العا لم علی العابد کفضل القمر علی سائر الکواکب .ان العلماء ھم ورثتہ الانبیاء.ان الانبیاء لم یورثوا دیناراًولا درھماً انما ورثو العلم .فمن اخذہ ،اخذ بحظ وافر(۷)

'' میں مسجد دمشق میں ابوالدرداءؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی اس کے پاس آیا، اور کہا: اے ابوالدرداءؓ! میں آپ کے پاس مدینہ (شہر رسول ﷺ) سے آیا ہوں تاکہ آپ سے ایک حدیث سنوں، جس کے بارے میں مجھے پہنچا ہے، کہ آپ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں۔ ابو الدرداءؓ نے اس آدمی سے کہا: تو آپ یہاں کسی تجارتی غرض سے نہیں آئے؟ جواب دیا: نہیں۔ پھر پوچھا: نہ کسی اور غرض سے ہی؟ جواب دیا: بالکل نہیں۔ تب ابوالدرداءؓ نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ آپ ﷺ فرما رہے تھے کہ ''جو کوئی علم حاصل کرنے کی غرض سے کسی راستے پر گامزن ہوتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت جانے کا راستہ آسان فرما دیتا ہے اور یہ کہ طالب علم سے خوش ہو کر فرشتے اس کے لیے اپنے پر بچھاتے ہیں اور یہ کہ آسمان و زمین کی مخلوقات طالب علم کیلئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں، یہاں تک کہ سمندروں کی مچھلیاں

۷۔

بھی۔اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسے ہے جیسا کہ چاند کی فضیلت سب سیاروں پر ہے۔ یقیناً علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔انبیاء وراثت میں درہم ودینار نہیں بلکہ علم چھوڑتے ہیں۔پس جس کسی نے بھی علم کو لے لیا، تو بیشک اس نے بہت کچھ حاصل کیا''۔

☆ قرآن مجید اور علماء اہل کتاب کے رویوں سے مستفاد دروس وعبر:

قرآن مجید میں علمائے اہل کتاب (احبار ورھبان) کے تذکرے جابجا موجود ہیں۔ان تذکروں کا مقصد ان سے دروس وعبر کا حصول اوران اعمال بد سے کنارہ کشی ہے جن میں احبار ورھبان عملاً مبتلا تھے۔قرآن حکیم کا بنظر غور مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اہل کتاب کے علماء دوگروہوں میں بٹے ہوئے تھے،ایک وہ جو مخلص اور دیندار تھے (۸) اور دوسرے وہ جنہوں نے دین کو خواہشات نفسانی کا تابع بنا کر مختلف مقاصد کیلئے استعمال کیا۔اپنے سفلی اہداف کے حصول کیلئے ان کے عیوب اور مختلف چالبازیوں کو خلاصہ قرآن حکیم سے کچھ یوں مستنبط کیا جاسکتا ہے:

☆ باہمی مشت وگریبانی:

الکتاب پڑھنے کے باجود یہود ونصاری حق کو فراموش کرکے اس سے اپنے مطلب کی بات نکالتے تھے اور ایک دوسرے پر دشنام طرازیاں کرتے تھے۔ارشاد باری تعالی ہے:۔

وقالت الیھود لیست النصاری علی شیی ء وقالت النصاری لیست الیھود علی شیی ء وھم یتلون الکتاب (۹)

''اور یہود کہتے ہیں نصاری کا دین کچھ نہیں اور نصاری کہتے ہیں یہود کا دین کچھ نہیں حالانکہ دونوں فرقے اللہ کی کتاب پڑھتے رہتے ہیں''۔

اس آیت کی تفسیر میں امام فخر الدین الرازی لکھتے ہیں۔

'' واعلم ان ھذہ الواقعة بعینھا قد وقعت فی امة محمد ﷺ فان کل طائفة

۸۔ اعراف۔۷/۱۶۴-۱۶۵

۹۔ البقرة:۲/۱۱۳

تکفر الا خری مع اتفاقھم علی تلاوتہ القر آن"(۱۰)

"اور جان لو کہ ہو بہو یہی حالت امت محمد ﷺ کی بھی ہوگئی ہے کہ ایک قرآن کی تلاوت پر متفق ہونے کے باوجود ہر ایک فرقہ دوسرے کو کافر قرار دے رہا ہے۔"

☆ **عناداً حق بات کو نظر انداز کرنا:**

علمائے اہل کتاب کو علم تھا کہ محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ﷺ ہیں:۔

﴿یعرفونہ کمایعرفون اُبناء ھم﴾(۱۱)

لیکن اس کے باوجود وہ عناداً آپ کی رسالت کے منکر رہے۔اور کہنے لگے:۔

﴿قلوبنا غلف﴾(۱۲) اور:﴿قلوبنا فی اکنۃ مما تدعونا الیہ وفی آذاننا وقرومن بیننا وبینک حجاب﴾(۱۳)

☆ **ناجائز مادی فوائد کے حصول کے لیے دین کا مسخ کرنا:**

لفظی ومعنوی تحریف، تلبیس حق وباطل، کتمان حق، قضائے زور وغیرہ دین حق کو مسخ کرنے کے مختلف طریقے ہیں، جو اہل کتاب کے علمائے سوء میں رائج تھے(۱۴) وہ عام لوگوں کو ان پڑھ سمجھ کر ان سے ان کا مال بٹورنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے اور بانگ دہل افتخار کے ساتھ کہتے تھے کہ:۔

لیس علینا فی الامیین سبیل(۱۵)

☆ **خود قوانین بنا کر انہیں اللہ کی طرف منسوب کرنا:**

علمائے یہود کی سب سے بڑی خرابیوں میں سے ایک یہ تھی کہ وہ مال وجاہ کے حصول کی خاطر

۱۰۔ تفسیر رازی

۱۱۔ البقرۃ:۲/۱۴۶

۱۲۔ البقرۃ:۲/۸۸

۱۳۔ البقرۃ:۲/۱۴۶

۱۴۔ البقرۃ:۲/۱۴۶

۱۵۔ البقرۃ:۲/۱۴۶

قوانین خود وضع کر کے انہیں اللہ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ان کی اس روش کو انتہائی ناپسندیدہ قرار دیا گیا اور انہیں عذاب الیم کی خوشخبری سنائی گئی۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فويل للذين يكتبون الكتاب بايديهم ثم يقولون هذا من عند الله ليشتروا به ثمناً قليلاً فويل لهم مما كتبت ايديهم وويل لهم مما يكسبون﴾ (١٦)

''پس خرابی ہے ان کے لیے جو کتاب تو اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کے پاس سے اتری ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ اس کو بیچ کر تھوڑا مول کمائیں، ہائے خرابی ان کی اس لکھائی پر، وائے خرابی ان کی اس کمائی پر''۔

☆ دوسروں کو نصیحت خود میاں فضیحت:

دنیا کا کوئی بھی نظام (خواہ اچھا ہو یا برا) اس وقت تک مقبول نہیں ہو سکتا، جب تک اس کا پیش کرنے والا خود اس پر عمل نہ کرے یہی وجہ ہے کہ انبیاء و رسل شریعت پیش کرتے وقت اس پر سب سے پہلے خود ایمان لاتے رہے ہیں جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿آمن الرسول بما انزل اليه من ربه والمومنون﴾ (١٧)

''یہ پیغمبر (محمد ﷺ) ایمان لائے، اس کتاب پر جو ان کے رب کی طرف سے ان پر اتری اور (ان کے ساتھ) مسلمان بھی سب ایمان لائے''۔

قول و فعل کا تضاد ایک بدترین اخلاقی برائی اور دنیوی و اخروی بربادی کا باعث ہے۔قرآن حکیم میں اس طرز عمل کیلئے ﴿کبر مقتاً﴾ (۱۸) ''انتہائی قابل نفرت'' کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔یہود کے اکثر علماء اس بیماری میں شدت سے مبتلا تھے جس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں تنبیہ کر کے فرمایا:

۱۶۔ البقرہ:۲/۷۹

۱۷۔ البقرہ:۲/۲۸۵

۱۸۔ الصف:۶۱/۳

﴿اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم وانتم تتلون الکتاب افلا تعقلون﴾(۱۹)

''تم لوگوں کوتو کہتے ہو نیکی کو اور اپنی خبر ہی نہیں لیتے حالانکہ تم کتاب (تورات بھی) پڑھتے ہو' کیا تم کو عقل نہیں ہے۔''

سیرت نبوی ﷺ کی روشنی میں اصحاب علم وفضل سے متوقع رویئے

☆ تواضع اور انکساری:

انسان کا مقام کتنا ہی اعلیٰ اور ارفع کیوں نہ ہو، وہ ہمیشہ اللہ کی طرف سے ہدایت (نور علم) کا محتاج ہوتا ہے، **وفوق کل ذی علم علیم** ، اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام بادشاہی اور نبوت کے مناصب پر فائز ہونے کے باوجود تعلیم الٰہی کے حصول سے مستغنی نہیں تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ **واتاہ اللہ الملک والحکمۃ وعلمہ مما یشاء** ﴾ (البقرہ: ۲۵۱)

''اور اللہ تعالیٰ نے اسے (داؤد کو) بادشاہت اور پیغمبری دی اور جو چاہا اسے سکھلایا''

موسیٰ علیہ السلام حصول علم کی خاطر عبدالصالح سے رفاقت کی التماس کرتے ہیں:

﴿ **قال لہ موسی ھل اتبعک علی ان تعلمن مما علمت رشداً** ﴾ (الکہف: ۲۲)

''موسیٰ نے اس سے کہا: کیا میں تیرے ساتھ رہ سکتا ہوں تاکہ جو بہتر علم تجھے سکھایا گیا ہے، تو مجھے دکھادے''

اس طرح وحی الٰہی کے نزول سے پہلے رسول اللہ ﷺ کو کتاب وایمان کی باتوں کا علم نہیں تھا:

﴿ **ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان ولکن جعلناہ نوراً نھدی بہ من نشاء من عبادنا** ﴾ (الشوریٰ: ۵۲)

''اس سے پہلے تو نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا چیز ہے اور ایمان کیا ہے، لیکن ہم نے قرآن کو ایک نور بنایا، جس کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں، ہدایت کردیتے ہیں۔''

۱۹۔ البقرہ ۲/۴۴

اللہ تعالیٰ ہی نے انہیں سب کچھ سکھا دیا:

﴿ وانزل الله عليك الكتاب والحكمة وعلمك مالم تكن تعلم ﴾

(النساء:۱۱۳)

''اور اللہ نے آپ پر کتاب اتاری اور حکمت دی اور وہ سب کچھ سکھا دیا جو تو پہلے نہیں جانتا تھا۔''

مندرجہ بالا آیات سے یہ درس ملتا ہے کہ علم کا منبع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ انبیاء و رسل جو ایمان و عمل اور مرتبے میں قافلہ انسانیت کے سالار ہیں، وہ بھی علم الٰہی کے محتاج ہوتے ہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ کو بھی جو افضل الرسل اور افضل البشر تھے، حکم دیا گیا کہ وہ بارگاہ الٰہی میں زیادتی علم کے لیے دعا کرتے رہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وقل رب زدني علماً ﴾ (طه:۱۱۴)

''اور کہیے کہ اے پروردگار میرے علم میں اضافہ فرما''

چنانچہ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

'' اللهم انفعني بما علمتني ، وعلمني ما ينفعني ، وزدني علماً۔''

جب انبیاء علیہم السلام کا یہ حال ہو، تو امت کے اصحاب علم و فضل کی علمیت کی کیا حیثیت ہوگی۔ کتنا بہتر ہوگا اگر پاکستان اور عالم اسلام کے تمام علماء اپنے مسلک کو آخری اور مکمل ''سمجھنے کی بجائے اس میں صحیح ادلہ شرعیہ کے ذریعے اصلاح کی گنجائش چھوڑ دیں۔ اس طرح بہت سارے بلا دلیل اختلافات کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔

☆ رحماء بينهم:

داعی کے منصب پر فائز خواتین و حضرات سے اسلام توقع رکھتا ہے کہ وہ خیر کی طرف بلائیں، امر بالمعروف اور نهی عن المنکر کا حکم دیں اور ان لوگوں جیسا طرز عمل اپنانے سے اجتناب کریں جو بینات (واضح دلائل) کے باوجود تفرقے اور اختلاف کے راستے پر چل نکلے ورنہ نتیجتاً عذاب الیم کے حقدار بن جائیں گے۔ (۲۰) سخت خوئی اور سخت دلی سے پرہیز کریں۔ عفو و کرم اور نرمی کا مظاہرہ کریں،

۲۰۔ آل عمران ۱۰۵/۳

بصورت دیگر عوام ان سے بیزار ہو جائے گی ۔(۲۱) مزید برآں اہل ایمان کی بنیادی صفت یہ ہے کہ وہ آپس میں رحمدل اور کفار کے مقابلے میں سخت ہوتے ہیں (۲۲)۔

بدقسمتی سے ہمارے علماء کی ایک معقول تعداد مذکورہ بالا تقاضوں کی تکمیل کے لیے مطلوبہ معیار سے مطابقت نہیں رکھتی ۔ بات کرتے ہیں اتحاد بین المسلمین کی اور ہر جماعت کے ایک سے دو اور دو سے تین دھڑے دھڑلے سے قائم ہیں قرآن و حدیث کے دروس رات دن چلاتے ہیں اور "**رحماء بینهم**" کی تاویلیں اپنے ہی دھڑے کے افراد میں اٹھک بیٹھک کیلئے استعمال کرتے ہیں۔ **الحب لله** اور **البغض لله** کے حوالے دیتے نہیں تھکتے ،مگر اس پر عمل درآمد یوں کرتے ہیں کہ اس کا مصداق مخالف مسلک کے افراد کو قرار دیتے ہیں ۔افسوس اور صد افسوس کہ قرآن پڑھنے پڑھانے کا یہ کبھی حاصل نہیں رہا، نہ ہی رسول اکرم ﷺ کا طریقہ دعوت ایسا تھا۔ اپنی کمزوریوں، خامیوں اور غلطیوں کو قرآنی آیات کے ذریعے حق بجانب قرار دیتے رہنا کسی طور درست نہیں اور پنے پیروکاروں کو لفظی ساحری کے ذریعے مطمئن یا خاموش کر دینا کسی طور سودمند نہیں ۔ یہ سمع واطاعت یقیناً قرآن وحدیث کو مطلوب نہیں۔

☆ قیادت:

انبیاء کے ورثاء ہونے کے ناطے علماء امت کا بنیادی کردار قائدانہ نوعیت کا ہے۔ انہیں سیاسی ، سماجی، علمی ،فکری ،ثقافتی اور روحانی تمام میدانوں میں مسلمانوں کی تربیت اور قیادت کرنی ہے۔ تاہم تحریک پاکستان کے وقت سے لے کر پاکستان کی گزشتہ ۵۲ سالہ سیاسی تاریخ پر نظر دوڑائیں، ملک کے تعلیمی، معاشی، معاشرتی اور سماجی ڈھانچے کا تسلسل اپنے تمام تر اکھاڑ پچھاڑ کے باوجود وہی ہے، جو انگریز کے دور سے ایک خاص نہج پر استوار ہے۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ مذہبی طبقہ عوام کو مثبت قیادت دینے میں ناکام رہا ہے۔ اہل مذہب ذہن تیار کر سکے، نہ افراد موجودہ سیاسی نظام سے کٹ سکے نہ جڑ سکے عوام اعتماد حاصل کر سکیں نہ انہیں اسلامی سیاست وریاست کا وہ وژن فراہم کر سکے، جو عوام کو مغربی طرز سیاست کی خرافات سے بیزار کرتا

۲۱۔ آل عمران ۳/۱۵۹

۲۲۔ الفتح ۴۸/۲۹

اور اس کے علمبرداروں کے فساد سے خبردار۔ اس کی بجائے مذہبی گروہوں کے باہمی تنازعات اور جماعتی تعصّبات کا یہ تسلسل تھا، جو عوام کے نالج سٹرکچر میں ان کے منفی امیج کو پیوست کر گیا۔ یہ تنازعات مدہم ہوئے، نہ جماعتی تعصّبات ختم ہوئے۔ وقت کے ساتھ یہ پھلے پھولے اور پھیلے۔ چنانچہ عوام کے ذہنوں میں مذہبی حلقوں کا منفی امیج انتخابی سیاست میں انہیں دینی سیاسی قوتوں کے قریب نہ کر سکا۔ اس جائزے سے یہ بات کی طرح واضح ہوتی ہے کہ علماء قوم کی صحیح اور جامع اسلامی قیادت دینے میں ناکام رہے ہیں۔

☆ اسلام کو مطلوب علماء:

قرآن وحدیث کے مطالعے کے بعد اسلام کو مطلوب علماء داعیان حق اور رجال فکر کے اوصاف کا خلاصہ کچھ یوں سمجھا جاسکتا ہے۔

قلب ونظر کے لحاظ سے مسلمان ہوں، ایمان راسخ اور عزم کامل کے نشے سے سرشار ہوں۔ اخلاص وتقوی کی دولت سے مالا مال ہوں ان کا ہر قدم اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے اٹھے، ان میں دنیا پر آخرت کو ترجیح وفوقیت دینے کا جذبہ غالب ہو، شہرت وجاہت اور مال ومناصب کی ہوس سے ان کے دل پاک ہوں، قناعت واستغناء سے ان کی زندگی آراستہ ہو نہ دنیاوی تنعم کے دلدادہ ہوں اور نہ راہبانہ زندگی کو مقصد اسلام سمجھتے ہوں بلکہ ان دونوں کے درمیان اعتدال کی راہ پر گامزن ہوں۔ اسلامی قانون میں درک وبصیرت کے ساتھ ساتھ ''قلب سلیم'' و''قلب منیب''۔ ''قلب شاکر'' اور''لسان ذاکر'' کی دولت سے مالا مال ہوں۔ اسلامی شریعت کو ہر دور اور زندگی کے ہر شعبے میں یکساں اہمیت کا حامل سمجھتےہوں۔ ان کے علم کا مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہو نہ کہ مال وزر کی تجمیع، سفلی جذبات وافعال سے مبرا ہوں، تعصب سے خالی ہوں، ریا ونفاق اور خیانت وتحریف کو انسانیت کے لیے زہر قاتل سمجھتے ہوں۔ مزید برآں حکمت سے بھرپور ہوں۔

☆ حرف آخر:

ضرورت اس امر کی ہے کہ دین کو اپنے دو اساسی منابع قرآن وسنت سے حاصل کیا جائے اس کی وہی توضیح معتبر قرار دی جائے جو صحابہ کرامؓ اور تابعین عظام نے کی ہے۔ اجتہادی امور میں قرآن وسنت پر

گہری نظر رکھنے والے علماء کے بورڈ تشکیل دیئے جائیں جو خلوص، بصیرت اور خالص علمی زبان میں عصر حاضر کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اجتہادی مسائل حل کریں۔ دین کی تبلیغ واشاعت کے سلسلے میں درشتی، بدزبانی اور گالی گلوچ سے قطعاً احتراز کیا جائے۔ وہ زبان استعمال کی جائے جو نبی ﷺ نے مشرکین مکہ کے بارے میں استعمال کی تھی اور جو موسیٰ نے دنیا کے سب سے بڑے کافر فرعون کے متعلق استعمال کی تھی۔

اقول قولی هذا، واستغفر الله لی ولکم ولسائر المسلمین

............☆............

عصر حاضر میں سیرت نبوی ﷺ کے مطالعہ کی اہمیت اور اس کی روشنی میں جدید مسائل کا حل

* پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر

کسی انسانی سیرت کے دائمی نمونہ عمل ہونے کیلئے ضروری ہے کہ اس کے صحیفہء حیات کے تمام حصے سچائی اور صداقت پر مبنی ہوں۔ اگر اقوام عالم کی تاریخ کا مطالعہ کریں اور شارعین ادیان اور بانیان مذاہب کے سوانح اور سیرتوں کے معیار کو جانچیں، تو معلوم ہوگا کہ سیرت نبویؐ کے علاوہ کسی دوسرے شخص کی زندگی کے واقعات اس معیار پر پورے نہیں اترتے۔

حضرت موسیٰ علیہ اسلام کی سیرت کے بارے میں صحیح اور درست معلومات مہیا نہیں ہیں۔ علماء یہود نے ان میں تحریف و ترمیم کر دی ہے۔ عرصہء دراز کے بعد انہیں لکھا گیا تھا اور مصنف بھی نا معلوم ہیں۔ صرف یہی بات موسیٰ علیہ السلام کی سیرت کی صحت و صداقت میں شبہ پیدا کرنے کے لیے کافی ہے۔

یہی کیفیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سیرت کی ہے۔ مسیحی کلیسا کے نزدیک سرکاری طور پر جس مجموعے کو انجیل کہا گیا اور تسلیم کیا گیا ہے وہ حضرت عیسیٰ کے صدیوں بعد آخری دور میں ترتیب دیا گیا۔ اناجیل کی اپنی صحت مشکوک ہے سینکڑوں اناجیل کے نسخے مسیحیوں کے درمیان پھیلے ہوئے ہیں۔

بدھ اور کنفیوشس کے حالات میں کاہنوں کی من گھڑت کہانیاں ملتی ہیں۔ صحیح ترین سیرت، مدلّل، علمی تواتر کی حد تک درست اور صداقت کے معیار پر مبنی سیرت صرف محمد رسول اللہ کی ہی ہے اور اس دعوی میں کوئی مبالغہ نہیں کہ دنیا کی تمام قومی اور علاقائی زبانوں میں حضرت محمد ﷺ کی سیرت پر کتب لکھی جا چکی ہیں۔ جن کا شمار ممکن نہیں۔ آکسفورڈ یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر مارگولیتھ (Margoliouth) نے ''محمد اور ظہورِ اسلام'' کے نام سے نبی اکرم ﷺ کے حالات پر انگریزی میں ایک کتاب لکھی تو اس کی

* ڈائریکٹر سیرت چیئر، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور

ابتداء ان الفاظ سے کی:

The biographers of Prophet Mohammad form a long series which is impossible to end but in which it would be honourable to find a place(1)

سیرت نبوی ﷺ کی دوسری خصوصیت آپ کی زندگی کے تمام واقعات کا پورے تسلسل کے ساتھ معلوم ہونا ہیں۔ آپ کی زندگی کا کوئی واقعہ ایسا نہیں جو پردہ راز اور ناواقفیت کی تاریکی میں گم ہو۔ آپ کے والد عبداللہ اور والدہ آمنہ کی شادی سے لے کر آپ ﷺ کی زندگی کے آخری لمحات تک سب معروف اور معلوم ہیں۔

حضرت موسیٰ کا بچپن، شباب اور نبوت سے قبل کی زندگی کے بارے ہم کچھ نہیں جانتے اور جو کچھ نبوت کے بعد حالات زندگی ہیں ان سے آپ کی شخصیت کی مکمل تصویر سامنے نہیں آتی۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ کے واقعات بھی ہم سے اوجھل ہیں۔

ان سیرتوں کا آپ کی سیرت سے کیا مقابلہ، اس لئے محمد رسول اللہ ﷺ نے جب قریش مکہ کو دعوت حق دی تو یہ فرمایا: ﴿فقد لبثت فيكم عمرًا من قبله افلا تعقلون﴾(۲) (میں نے تم میں اس سے پہلے عمر کا ایک حصّہ گزارا ہے کیا تم عقل نہیں کرتے)۔ آپ کی حیات طیبہ ایک کھلی اور روشن کتاب ہے جس کا ہر باب روز روشن کی طرح واضح ہے۔ مغربی مفکر Hittii نے سیرت طیبہ کی اس خصوصیت کا ذکر ان الفاظ میں کیا:

Mohammad was born with the full light of history(3)

سیرت نبوی ﷺ کی تیسری خصوصیت آپ کی سیرت کی کاملیت ہے کیونکہ کوئی زندگی خواہ کسی

۱۔ Margoliouth , Muhammad and the rise of Islam, Ruthman sons, New Yark, 3edition, P-23

۲۔ یونس:۱۴

۳۔ Phillips .K Hitti, History of Arabs (London) P-6

قدر تاریخی ہو جب تک کامل نہ ہو نمونہ نہیں بن سکتی ﴿لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ﴾(۴) سیرت نبوی ﷺ ایک مکمل حیات طیبہ ہے۔آپ ﷺ کی سیرت میں کوئی ایسا پہلو نہیں جس کی تکمیل باقی ہو: ﴿الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا﴾(۵)(آج میں نے آپ کے لئے آپ کے دین کو مکمل کر دیا اور آپ پر اپنی نعمت کی تکمیل کردی اور آپ کے لئے اسلام کو بطور دین پسند کیا ہے)۔

رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ انسانی زندگی کے تمام گوشوں اور شعبوں پر محیط ہے یعنی آپ ﷺ کی حیات طیبہ جامع زندگی کا نمونہ ہے۔جس میں وہ تمام قواعد اور اصول بیان ہیں ۔جن سے قوموں کی فلاح اور ترقی وابستہ ہے۔اس میں انفرادی،اجتماعی،گھریلو اور معاشرتی زندگی کے ہر پہلو کے متعلق رہنمائی میسر ہے۔جو دوسرے انسانوں کی سیرتوں میں نظر نہیں آتی جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کی زندگی ایک قومی لیڈر کی زندگی ہے جس میں اپنی قوم کو غلامی کے اس طوق سے نجات دلانا ہے جو مصریوں نے ان کے گلے میں ڈال رکھا تھا۔بقیہ امور زندگی کے متعلق کوئی رہنمائی میسر نہیں ہے۔ایسے ہی عیسیٰ علیہ السلام ایک عابد، زاہد،اور داعی کی نمائندگی تو کرتے ہیں مگر دیگر امور زندگی سے بالکل بے نیاز ہیں۔ان حالات میں سیرت نبوی ہی ایک ایسی جامع حیات طیبہ ہے۔جو انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہے۔جس میں ہر نوع،ہر قسم،ہر گروہ اور ہر صنف انسانی کے لئے رہنمائی کی مثالیں موجود ہیں۔اسی لیے اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:۔

﴿ان الدین عند اللہ الاسلام﴾(۶) (بے شک اللہ کے ہاں اسلام ہی دین ہے)۔

سیرت نبوی کی چوتھی خصوصیت عالمگیریت ہے۔سیرت محمد ﷺ یہ تمام بنی نوع انسان کے لئے رہنمائی مہیا کرتی ہے جس میں نہ تو رنگ نسل کی کوئی قید ہے اور نہ ہی علاقہ اور زبان کی۔جب ہم دوسرے انبیاء کی سیرتوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ واضح ہوتا ہے کہ ان کی تعلیمات صرف اسی قبیلے یا علاقے کے لئے تھیں اور صرف اسی دور کیلئے تھیں۔جس میں وہ نبی تھے لیکن نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ آنے والے تمام

۴۔ الاحزاب، ۲۱.

۵۔ المائدۃ، ۳.

۶۔ آل عمران،۱۹۔

ادوار اور بنی نوع انسان کیلئے ہے۔

ارشاد ربانی ہے۔

﴿قل یایها الناس انی رسول الله الیکم جمیعًا﴾(۷)(فرما دیجئے اے لوگو بے شک میں آپ کی طرف اللہ کا رسول ہوں)۔

حضرت محمد ﷺ سے پہلے انبیاء کسی خاص علاقے یا خاص قوم کیلئے مبعوث ہوتے تھے۔ان کی تعلیمات صرف انہیں لوگوں کیلئے نمونہ تھیں مگر رسول اللہ کی سیرت عمومی اور عالمگیر حیثیت رکھتی ہے۔

ارشاد ربانی ہے ﴿وما ارسلنک الا کافة للناس بشیرًا و نذیرًا﴾(۸)(ہم نے آپ ﷺ کو تمام لوگوں کیلئے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا)۔

اس کا اظہار نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان سے بھی ہوتا ہے ﴿بعثت الی کل احمر واسود﴾(۹)(میں ہر ایک سرخ اور سیاہ کی طرف بھیجا گیا ہوں)۔

ایک اور جگہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿وکان النبی یبعث الی قومه وبعثت الی الناس عامّة﴾(۱۰)(کسی نبی کو اس کی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا میں تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں)۔

سید سلیمان ندوی دلائل دے کر کہتے ہیں: عالمگیر اور دائمی نمونہ صرف محمد رسول اللہ کی سیرت ہے(۱۱) آپ ﷺ کی سیرت کی اس خصوصیت کا ذکر قرآن کریم نے سورۂ احزاب میں اس طرح فرمایا ہے: ﴿یا یها النبی انا ارسلنک شاهدًا و مبشرًا ونذیرًا وداعیًا الی الله باذنه وسراجًا منیرًا﴾(۱۲)(اے نبی ﷺ ہم نے آپ کو شاہد مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف

۷۔ الاعراف، ۱۵۸۔

۸۔ سبا، ۲۸۔

۹۔ مسلم، الجامع الصحیح (دارالسلام، الریاض، الاولی ۱۹۹۸) ص ۲۲، حدیث نمبر ۱۱۶۳، کتاب المساجد، باب المساجد۔

۱۰۔ خطیب تبریزی، مشکاۃ المصابیح (مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور مع ترجمہ، ۱۲۰)۔

۱۱۔ سید سلیمان ندوی، خطبات مدراس (مسجد اہل حدیث، سانگلہ ہل، شیخوپورہ) ۲۱۔

۱۲۔ الاحزاب، ۴۵-۴۶

داعی اور سراج منیر بنا کر بھیجا)۔

مطالعہ سیرت نبوی ﷺ کی اہمیت:

حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی جملہ اوصاف حمیدہ کا مجموعہ ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت صادق وامین تاجر، اولوالعزم مبلغ و داعی، اعلیٰ ترین معلم انسانیت، بے مثال مربّی و مزکّی، عظیم سپہ سالار، مدبر و منتظم، بے مثال قانون ساز، عدیم النظیر منصف و قاضی، قابل تقلید سربراہ خاندان، اعلیٰ اخلاق کے مالک انسان اور رسول رحمت جیسی صفات کا مجموعہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی ہمہ گیر سیرت کے مطالعہ کی اہمیت میں نہایت ہی اختصار کے ساتھ ان اوصاف حمیدہ کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

آپ ﷺ کو اللہ نے رحمت للعالمین بنا کر بھیجا۔ آپ ﷺ کا اخلاق قرآن کی تفسیر ہے وہ کون سا شعبہ زندگی ہوگا جس میں اسوہ حسنہ سے رہنمائی میسر نہ ہوگی۔

مسلمانوں کو آپ کی سیرت کا مطالعہ اس نقطہ نظر سے کرنا چاہیئے کہ آپ ﷺ ایک انسان کامل کی حیثیت سے پوری دنیا کی رہنمائی کیلئے آئے جو حکم کسی دوسرے کو دیا سب سے پہلے خود عمل کر کے دکھایا اور کوئی ایسا حکم امت کو نہیں دیا امت جس کے کرنے سے قاصر رہی ہو۔ اللہ نے اس بارے میں ارشاد فرمایا: ﴿وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا﴾ (۱۳) (جو کچھ رسول تمھیں دے اس پر عمل پیرا ہو جاؤ اور جس چیز سے وہ تمھیں روکے رُک جاؤ)۔

اس لئے کہ رسول ﷺ اپنے طور پر نہ کسی بات کا حکم دیتا ہے نہ اس سے روکتا ہے وہ تو پیغام خداوندی پہنچاتا ہے جیسا کہ سورۂ نجم میں ارشاد ہے: ﴿وما ینطق عن الھوی، ان ھو الا وحی یوحی﴾ (۱۴) (وہ اپنی خواہش سے گفتگو نہیں کرتے وہ تو وحی ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے)۔

اس لئے مسلمان کیلئے ضروری ٹھہرا کہ وہ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کے مطالعے کے بعد اس پر

۱۳۔ الحشر: ۷۔

۱۴۔ النجم: ۳-۴

عمل پیرا ہو۔ آپ کا اسوۂ حسنہ باعث نجات بھی ہے اور اکمال ایمان بھی ہے۔

ایک عام آدمی سیرت طیبہ کا مطالعہ اس لئے کرے کہ اسے انسانیت کا پتہ چلے کہ انسان کیا ہے؟ اس کا مقصد تخلیق کیا ہے؟ جو آسائشیں اور سہولتیں زندگی میں ملی ہیں ان کا مصرف کیا ہے اور اس کے بارے میں اسے کس کے سامنے جوابدہ ہونا ہے؟

جب اس نہج پر ایک عام آدمی (جو مسلمان بھی نہیں ہے) مطالعہ کرے گا تو اس کی زندگی میں ایک بہت بڑا انقلاب پیدا ہوگا۔ پھر وہ بے مقصد زندگی کو با مقصد بنائے گا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿**وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون**﴾(۱۵) (میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے)۔

مال و دولت کا حصول ہی مقصد زندگی نہ ہوگا بلکہ انفاق فی سبیل اللہ کا جذبہ بھی پیدا ہوگا۔ زندگی کا وہ راستہ منتخب کرے گا جو فلاح اور کامیابی کا راستہ ہے ﴿**ومن یطع اللہ ورسولہ فقد فازا فوزًا عظیمًا**﴾(۱۶) (جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی تحقیق وہ بہت بڑی کامیابی کو پہنچا)۔

ایک سیاستدان جب آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرے گا تو یقینًا اسے ریاست اور اہلیان ریاست کے حقوق اور ان قواعد وضوابط کا پتہ چلے گا جس پہ ریاست کی فلاح کا انحصار ہے۔ وہ تدبیر منزل کو اپنی مفادات پر اہمیت دے گا۔ ﴿**ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ ومن یوق شح نفسہ فاولئک ھم المفلحون**﴾(۱۷)

(وہ اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ ان کو خود ضرورت ہے جو نفس کی بخیلی سے بچ گیا تو یہی لوگ کامیاب ہیں)۔ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے ایک چادر پہنی تھی ایک صحابی نے تعریف کی کہ اچھی ہے آپ نے اتار کر اس کو دے دی۔ یہ واقعہ کتب حدیث وسیرت میں بہت معروف ہے۔

ایک سپہ سالار اور مجاہد جب آپ ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کرینگے تو اس بات کا سبق ملے گا کہ عزم واستقلال کی پختگی بڑے سے بڑے اور طاقتور دشمن کے سامنے ایک آہنی دیوار ثابت ہوسکتی ہے۔ عرب

۱۵۔ الذاریات:۵۶۔

۱۶۔ الاحزاب:۷۱۔

۱۷۔ الحشر:۹۔

کی تاریخ میں آپ نے خندق کھود کر جنگ لڑی۔ طائف کے محاصرے میں دبابہ (ٹینک) استعمال کیا گیا۔ یہ تمام حربی تدابیر میدان جنگ میں دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے جدید سے جدید جنگی تدابیر کا سبق دیتی ہیں۔

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿انفرو خفافًا وثقالاً جاھدوا باموالکم وانفسکم﴾ (۱۸) (ہلکے اور بوجھل نکلو اور اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرو)۔ نبی اکرمؐ اس کی زندہ تصویر ہیں۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں: ﴿انا کنا اذا حمی الباس واحمرت الحدق، واتقینابرسول اللہ فمایکون احدًا اقربنا الی العدو منه﴾ (۱۹) (جب گھمسان کا رَن پڑتا اور لڑنے والوں کی آنکھوں میں خون اتر آتا اس وقت ہم نبی ﷺ کی اوٹ کرلیا کرتے تھے اور سب سے آگے دشمن کی جانب نبی ﷺ ہی ہوتے تھے)۔

آپ ﷺ کی سیرت کے مطالعے سے ایک سپہ سالار اور مجاہد کو بھی سبق ملتا ہے کہ جب وہ دشمن پر غالب آجاتے تو مغلوب دشمن کے ساتھ کیا سلوک کرے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر فرمایا: ﴿من دخل دار ابی سفیان فھو آمن، ومن اغلق بابه فھو آمن ومن دخل المسجد فھو آمن﴾ (۲۰) (جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گیا وہ امن میں ہوگا۔ جس نے اپنا دروازہ بند کرلیا وہ امن میں ہوگا۔ وہ جو مسجد (حرام) میں داخل ہو گیا وہ امن میں ہوگا)۔

ایک تاجر یا دکاندار کو آپ ﷺ کی سیرت پاک کے مطالعہ سے یہ درس ملے گا کہ تجارت نہ صرف حصول معاش کا ذریعہ ہے بلکہ دین اور دنیا کی کامیابی اور بھلائی کا راز اس میں پوشیدہ ہے۔ پھر نہ تو وہ اس میں ملاوٹ کرے گا نہ ناپ تول میں کمی کرے گا، نہ سودا فروخت کرتے وقت اس کے عیب چھپائے گا اور نہ ہی ذخیرہ اندوزی کرے گا تاکہ لوگوں کی مجبوری سے فائدہ اٹھائے۔

قرآن میں ارشاد ہے: ﴿واوفوا الکیل والمیزان بالقسط﴾ (۲۱) (ماپ اور تول انصاف سے پورے پورے دو)۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿من غشّ فلیس منّا﴾ (۲۲) (جس نے

۱۸۔ التوبہ: ۴۱۔

۱۹۔ احمد، المسند (القاھرۃ)، ۱/ ۱۲۶۔

۲۰۔ ابن ھشام، عبدالملک، السیرۃ النبویۃ (دار الجیل بیروت،، الطبعۃ الثالثۃ، ۱۹۹۸) ج ۳، جزء ۵، ص ۲۰۔

۲۱۔ الانعام: ۱۵۲۔

ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں ہے)۔ ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿المحتکر ملعون﴾ (۲۳) (ذخیرہ اندوزی کرنے والا ملعون ہے)۔

آپ ﷺ نے جھوٹی قسمیں کھا کر مال فروخت کرنے سے بھی منع فرمایا: ﴿عن ابی ذر عن النبی ﷺ قال: ثلاثة لا یکلمهم الله یوم القیامة ولا ینظر الیهم ولا یزکیهم ولهم عذاب الیم. قال ابو ذر: خابوا و خسروا، من هم یا رسول الله؟ قال: المسبل، والمنان، والمنفق سلعته بالحلف الکاذب﴾ (۲۴) (حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا: تین شخصوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ کلام کرے گا اور نہ ہی ان کی طرف دیکھے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا۔ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ حضرت ابوذرؓ نے فرمایا: وہ نقصان میں رہے اللہ کے رسول ﷺ وہ کون ہیں؟

فرمایا:۔ چادر لٹکانے والا، احسان جتانے والا اور جھوٹی قسم سے مال فروخت کرنے والا)۔

رسول اللہ خود تجارت میں کبھی دھوکہ نہ کرتے تھے۔ دیانت داری سے کام لیتے۔ جس کی گواہی میسرہ نے دی۔ اس وجہ سے حضرت خدیجہ نے شادی کا پیغام بھیجا۔

ایک شوہر اور باپ جب سیرت طیبہ کا مطالعہ کرے گا تو اسے اپنی زندگی کو عدل و انصاف اور مساوات سے گزارنے کا درس ملے گا۔ آپ ﷺ نے عورتوں کی عزت و وقار میں جس قدر اضافہ فرمایا اس سے قبل کی عورت اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔

حضور ﷺ کے ارشادات کے مطابق انسان کے اخلاق و کردار اس کے اہل خانہ کے ساتھ سلوک سے ظاہر ہوتے ہیں۔

﴿عن عائشةؓ قالت. قال رسول الله خیرکم خیرکم لاهله وانا خیرکم

۲۲۔ ترمذی، السنن (دارالسلام الریاض، الطبعۃ الاولی، ۱۹۹۹ء) ص ۳۱۹، حدیث نمبر ۱۳۱۵۔

۲۳۔ ابن ماجہ، السنن (مکتبۃ المعارف الریاض، الطبعۃ الاولی، ۱۹۹۸ء، تعلیق ناصر الدین البانی) ۲/ ۴۴۸۔

۲۴۔ ابن ماجہ، السنن، کتاب التجارۃ، باب ماجاء فی کراھیۃ الایمان فی الشرائط (مکتبۃ المعارف الریاض، الاولی، ۱۹۹۸ء، تعلیق ناصر الدین، البانی جلد نمبر ۴، ص نمبر ۳۷۳-۳۷۴، حدیث نمبر ۲۲۴۸۔

لاھلی﴾(۲۵)(حضرت عائشہؓ سے روایت ہے رسول اللہﷺ نے فرمایا آپ میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کیلئے بہتر ہو۔میں آپ میں سے اپنے گھر والوں کیلئے بہتر ہوں)۔

حضورﷺ ویسے بھی سب بیویوں کے ساتھ انصاف سے کام لیتے تھے۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿**قوا انفسکم واھلیکم نارا**﴾(۲۶)(اپنے آپ کواور اپنے گھر والوں کوجہنم کی آگ سے بچاؤ)۔جس سے ایک باپ اپنے فرائض کا بخوبی اندازہ کرسکتا ہے۔

ایک حکمران یا سربراہ ادارہ کی حیثیت سے جب آپﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کیا جائے تو اوصاف حمیدہ سے تعمیر کردار کا سبق ملتا ہے۔عدل کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔

﴿**ان اللہ یامر بالعدل والاحسان**﴾(۲۷)(اللہ تعالیٰ عدل واحسان کا حکم دیتا ہے)۔

سیرت طیبہ پر عمل کرنے سے عدل جیسی صفت پیدا ہوتی ہے۔اخلاص پیدا ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿**قل لا اسئلکم علیہ اجرًا الا المودۃ فی القربی**﴾(۲۸)(کہہ دیجئے میں آپ سے اجر کا مطالبہ نہیں کرتا سوائے قرابت داری کی محبت کے)۔

جوابدہی کے پیشِ نظر حکمران وقت من مانی نہیں کرتا بلکہ مخلوق کی فلاح چاہتا ہےاور فرائض نیابت ادا کرتا ہے کیونکہ حقیقی ملکیت صرف اللہ کی ہے۔ارشاد ہے:﴿**للّٰہِ ملک السموات والارض**﴾(۲۹)(اللہ ہی کیلئے آسمان وزمین کی بادشاہت ہے)۔

بلکہ رسول اللہﷺ نے فرمایا:﴿**من جعل قاضیًا بین الناس فقد ذبح بغیر سکین**﴾(۳۰)

۲۵۔ ابن ماجہ،السنن(دارالسلام،الریاض،الطبعہ الاولی،۱۹۹۹ء)ص۲۸۳،حدیث نمبر۱۹۷۷۔

۲۶۔ التحریم،۶۔

۲۷۔ النحل،۹۰۔

۲۸۔ الشوریٰ،۲۳۔

۲۹۔ المائدۃ،۱۲۰۔

۳۰۔ احمد،المسند۲/۳۶۵۔

(جس کولوگوں کے درمیان جج بنایا گیا وہ چھری کے بغیر ذبح ہوگیا) یعنی اس پر بہت بڑی ذمہ داری پڑگئی جس میں اس کو ہر حال میں انصاف کرنا ہوگا۔ انبیاء کرام دنیا میں اصلاح عقیدہ کے لیے تشریف لاتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے اصلاح عقیدں میں اہم کردار انجام دیا۔ اوران کا تزکیہ کیا۔ اس ذہنی انقلاب کی جھلک دیکھنے کے لئے رسول اللہ کی سیرت کا مطالعہ ضروری ہے۔

عصر جدید کے مسائل اوران کا حل:

آج کا انسان بے شمار مسائل میں گھرا ہوا ہے۔ یہ مسائل معاشی بھی ہیں، سیاسی بھی اور اخلاقی بھی۔ کہیں انفرادی مسائل ہیں تو کہیں اجتماعی، قومی بھی اور بین الاقوامی بھی۔ آخران مسائل کا کوئی حل بھی ہے؟ یقیناً عصرِ جدید کے ان تمام مسائل کا حل سیرت طیبہ میں موجود ہے۔ آپ کی سیرت مقدسہ ایک مکمل دستور حیات ہے۔ اس لئے فرمایا گیا: ﴿لقد كان لكم فى رسول الله اسوة حسنة﴾ (۳۱) (تمھارے لیے رسول اللہ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے)۔

اس دستور حیات میں عصر حاضر کے طوراطوار کی اصلاح موجود ہے۔ آج کے اس ترقی یافتہ دور کا انسان ستاروں پر کمند اور چاند پر اپنا قدم جمانے کے باوجود گونا گوں مسائل میں گھرا ہوا ہے۔ معاشی اور معاشرتی مسائل میں بڑھتی ہوئی آبادی، غربت، ناخواندگی اور جہالت، بیروزگاری، بیماری، مہنگائی، معاشی بدحالی اور معاشی ناہمواریاں قابل ذکر ہیں۔ طبقاتی کشمکش، نسلی امتیاز، آزادی نسواں کا مسئلہ، عائلی نظام میں شکست وریخت کا عمل، منشیات کا استعمال، شراب نوشی، لاقانونیت، ناجائز ذرائع سے دولت کمانے کا جنون، مذہب سے دوری و معاشرتی بے راہ روی، الحاد و ہریت، معاشرتی بدحالی اور بدامنی بین الاقوامی بدنظمی، بے حیائی اور مغرب کی اندھی تقلید قابل توجہ مسائل ہیں۔ اس مقالہ میں ان میں سے چند مسائل کو زیر بحث لایا جائے گا۔

۱۔ آبادی میں اضافہ: جدید دور کا سب سے اہم مسئلہ بڑھتی ہوئی آبادی ہے جو پاکستان جیسے ترقی

۳۱۔ الاحزاب، ۲۱۔

۳۲۔ الاسراء، ۳۱۔

۳۳۔ الاحزاف، ۱۰۔

پذیر ملک کی سماجی، اقتصادی اور عوامی فلاح و بہبود میں رکاوٹ پیدا کر رہا ہے۔ تیسری دنیا میں اب اس اضافہ کی شرح تین فیصد سالانہ ہے جس کی وجہ سے ہر سال تقریباً ۷۵ ملین افراد کا اضافہ ہو رہا ہے۔ روزگار اور بہتر معیار زندگی کے لئے شہروں کی طرف نقل مکانی کا رجحان تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ ۲۰۳۰ء تک شہری اور دیہی آبادی میں تناسب بالکل بدل جائے گا۔

سیرت طیبہ میں جب ہم آبادی کے مسئلہ کا حل دیکھتے ہیں تو یہ سبق ملتا ہے۔ اولاد کو اس اندیشہ سے قتل نہ کیا جائے کہ وہ رزق میں حصہ دار بن جائیں گے۔

﴿**ولا تقتلوا اولادکم خشیة املاق نحن نرزقهم وایاکم ان قتلهم کان خطأ کبیرا**﴾ (۳۲) (اپنی اولاد کو افلاس کے ڈر سے قتل نہ کرو ہم ان کو بھی اور آپ کو رزق دیتے ہیں۔ ان کا قتل بہت بڑا گناہ ہے)۔

اسلام آبادی میں اضافہ کا حقیقی حل اضافہ پیداوار کی شکل میں تجویز کرتا ہے۔

ارشاد قرآن ہے۔

﴿**ولقد مکنکم فی الارض وجعلنا لکم فیها معایش**﴾ (۳۳) (ہم نے تم کو زمین میں قدرت دی اور اس میں تمھارے وسائل معیشت بنائے)۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: ''رزق کا دروازہ عرش تک کھلا ہے اور اسباب معیشت غیر محدود ہیں'' (۳۴)۔

مخلوق انسانی رحمت ہے اگر انہیں صحیح سمت لگایا جائے اور منصوبہ بندی سے کام لیا جائے تو اضافہ آبادی مسئلہ نہیں بلکہ Man Power کے طور پر انسانی ترقی کے لئے نفع بخش ہو سکتا ہے۔ زمین انسان کا مسکن ہے۔

ارشاد ربانی ہے ﴿**ولکم فی الارض مستقر ومتاع الی حین**﴾ (۳۵) (آپ کے لیے زمین میں ٹھہرنا ہے اور کچھ وقت کیلئے فائدہ اٹھانا ہے)۔ اور رزق مہیا کرنا اللہ کے ذمے ہے۔

۳۴۔ کنوز الحقائق، ص ۲۱۵۔

۳۵۔ البقرۃ، ۳۶۔

۳۶۔ الزخرف، ۳۲۔

﴿نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیاۃ الدنیا﴾(۳۶)(ہم نے دنیا کی زندگی میں ان کی معیشت کو تقسیم کر دیا)۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿لیس لابن آدم حق سوی ھذہ الخصال بیت یسکنہ او ثوب یواری بہ عورتہ وجلف خبزِ والماء﴾(۳۷) ان آیات وحدیث کے حوالے سے انسانی آبادی میں اضافہ اس وقت باعث تشویش ہوگا جب لوگ ہاتھ پہ ہاتھ دھرے تقدیر کے منتظر ہوں گے وگرنہ وسائل بہت زیادہ موجود ہیں۔

۲۔ ناخواندگی اور جہالت:

جہالت کا خاتمہ اور تعلیم کا فروغ عصر حاضر کی ایک اہم ضرورت ہے کیونکہ عالم اسلام سائنسی میدان اور تعلیم کی دنیا میں اقوام عالم سے بہت پیچھے ہے۔ اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ سیرت نبوی ﷺ کی روشنی میں ہم ناخواندگی کو علم کی روشنی میں کیسے تبدیل کریں تاکہ ہم بھی مغربی اقوام کی طرح ترقی کی منازل طے کر سکیں۔ پہلی وحی کے الفاظ سے ہی علم کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے پھر سورۃ قلم میں اللہ تعالی نے قلم اور لکھنے کی قسم کھائی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فروغ تعلیم کے متعلق ارشاد فرمایا:

﴿طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم﴾(۳۸)(علم طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے)۔

نبی اکرم ﷺ کا طلب علم کا انداز قرآن نے یوں بیان کیا ہے:

﴿قل رب زدنی علمًا﴾(۳۹)(کہہ دیجئے اے میرے رب مجھے زیادہ علم عنایت فرما)۔

اہلِ علم کو اللہ کے ہاں زیادہ عزت دیگر اہل علم کی برتری کا اظہار قرآن میں اس طرح ہے:

﴿قل ھل یستوی الذین یعلمون الذین لا یعلمون﴾(۴۰)(کہہ دیجئے کیا اہل علم اور ناخواندہ برابر ہو سکتے ہیں)۔

۳۷۔ المشکاۃ ۳/۱۱۰، ح ۵۱۸۶۔

۳۸۔ ابن ماجہ، السنن (دارالسلام الریاض) ص ۳۴، حدیث نمبر ۲۲۴۔

۳۹۔ طہ: ۱۱۴۔

۴۰۔ الزمر: ۹۔

علم سے ہی اللہ کے قانون اور رضا کی صحیح پہچان ہوتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء﴾ (۴۱) (اللہ سے اس کے بندے علماء ہی ڈرتے ہیں)۔

حدیث نبوی ﷺ ہے:

﴿خیر کم من تعلم القرآن وعلمہ﴾ (۴۲) (آپ میں بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے''۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿انما بعثت معلما﴾ (۴۳) (مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا)۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کے گھر میں پھر دار ارقم اور شعب ابی طالب میں یہ سلسلہ قائم رکھا۔ مدینہ سے عقبہ ثانیہ کے بعد حضرت مصعب بن عمیر کو معلم بنا کر روانہ فرمایا کہ وہ قرآن مجید کی تعلیم دیں (۴۴)۔ مدینہ میں مسجد نبوی کے اندر صفہ کی درسگاہ تھی۔ اس طرح دیگر مساجد میں، تعلیم وتعلم کا سلسلہ مسجد قبا میں بھی تھا جس کا ابن عبدالبر نے ذکر کیا ہے۔

﴿حدثنی عشر من اصحاب رسول اللہ ﷺ قالوا کنا نتدارس العلم فی مسجد قبا اذ خرج علینا رسول اللہ فقال: تعلموا ما شئتم ان تعلموا فلن یاجرکم اللہ حتی تعملوا﴾ (۴۵) (نبی ﷺ کے دسیوں صحابہ نے مجھ سے بیان کیا کہ ہم لوگ مسجد قبا میں علم دین سیکھتے پڑھتے پڑھاتے تھے۔ اس حال میں کہ نبی ﷺ ہمارے پاس آئے اور فرمایا کہ جو چاہو تم لوگ پڑھو جب تک عمل نہیں کرو گے اللہ اجر وثواب نہیں دے گا)۔

آپ ان کو قرآن، حدیث، فقہ اور دین کی تعلیم دیتے تھے۔ یہ مسجد نبوی کا وہ ستون تھا جس سے حضرت ابولبابہؓ نے غزوہ تبوک میں شرکت نہ کرنے کی وجہ سے اپنے آپ کو باندھ لیا تھا یہاں تک کہ اللہ نے ان کی توبہ قبول کرلی۔ نبیؐ اس کے پاس اکثر نوافل پڑھا کرتے تھے اور یہیں صبح کی تعلیمی مجالس قائم فرماتے تھے۔

۴۱۔ فاطر، ۲۸۔

۴۲۔ البخاری، الجامع الصحیح (دارالسلام الریاض، الطبعۃ الثانیہ، ۱۹۹۹ء) ۹۰۱، حدیث نمبر ۵۰۲۷۔

۴۳۔ ابن ماجہ، السنن ص ۳۵۔ ح ۲۲۹۔

۴۴۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ ۲/ ۲۸۱۔

۴۵۔ ابن عبدالبر، جامع بیان العلم وفضلہ ۲/ ۶۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نماز فجر ادا فرما لیتے تو ہم لوگ آپ کے پاس بیٹھ جاتے اور ہم میں سے کوئی آپ سے قرآن کے بارے میں سوال کرتا کوئی فرائض کے بارے میں دریافت کرتا اور کوئی خواب کی تعبیر معلوم کرتا تھا(۴۶)۔

عہد نبویؐ میں گھر گھر قرآن حکیم کی تعلیم کا رواج عام ہو گیا۔ گھریلو مکاتب جاری ہو گئے۔ صحابہ کرامؓ ان کے بچے، ان کے پوتے اور بیویاں تک قرآن کی تعلیم سے استفادہ کرنیوالوں میں سے ہو گئیں۔ حضرت ابوالدرداءؓ ایک دفعہ نبیؐ نے علم دین کے اٹھ جانے کی بات کی تو حضرت زیاد بن لبید انصاری بیاضیؓ نے آپؐ سے عرض کیا ﴿**کیف یختلس منا وقد قرأ نا القرآن فو الله لنقرأنه نساء نا وأبناؤنا**﴾(۴۷) (علم ہم سے کیسے اٹھا لیا جائیگا حالانکہ ہم نے قرآن پڑھ لیا ہے۔ خدا کی قسم ہم اسے پڑھتے ہیں، ہم اپنی عورتوں کو پڑھائیں گے اور اپنے بیٹوں کو پڑھائیں گے)۔ اس سے مدینہ میں قرآن اور دینی تعلیم کے لیے گھریلو مدارس کی کثرت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے تعلیم و تعلم کا اہتمام اگرچہ مکہ میں بھی کیا تھا لیکن مدینہ پہنچ کر تعلیمی و تبلیغی سرگرمیوں میں اضافہ کر دیا تھا۔ حضرت مصعب بن عمیر نے ایک مکان میں تدریس کا سلسلہ شروع کیا یہی سلسلہ رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری پر اصحاب صفہ کی اقامتی یونیورسٹی بن گیا۔ جس میں دور دور سے طالب علم آکر قیام کرتے اور علم حاصل کرتے رہتے تھے۔ سب سے بڑے حافظ حدیث اور فقیہ صحابی حضرت ابو ھریرہؓ جن سے پانچ ہزار سے زیادہ احادیث مروی ہیں اس درسگاہ کے طالب علم تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی کو تعلیم و تدریس کے لیے وقف کیا۔ مسلمانوں میں اس کے باوجود عربی لکھنے والوں کی تعداد بہت کم تھی۔ اس زمانہ میں عربی رسم الخط اپنی ابتدائی حالت میں تھا۔ اسی وجہ سے اسکا سیکھنا بے حد مشکل تھا۔ جنگ بدر میں جب قریش کے ستر سرکردہ افراد گرفتار ہو کر آئے تو پتہ چلا کہ ان میں سے چند ایسے قیدی بھی ہیں جو لکھنا پڑھنا جانتے ہیں۔ نبی ﷺ نے موقع غنیمت جانتے ہوئے ان کے لیے شرط مقرر کی کہ اگر ان میں سے ہر قیدی

۴۶۔ محمد بن محمد الفاسی، جمع الفوائد، (المکتبہ الاسلامیہ سمندری فیصل آباد) ۱:۴۸

۴۷۔ ترمذی، السنن، ابواب العلم- باب ماجاء فی ذھاب العلم(کتب خانہ رشیدیہ دہلی)۲:۹۰۔

مدینہ منورہ کے دس مسلمان بچوں کولکھنا پڑھنا سکھا دیگا تو انہیں رہا کر دیا جائیگا اور یہ تعلیمی خدمت ہی ان کی رہائی کا سبب بن جائیگی (۴۸)۔ رسول اللہ کے نظام تعلیم کی یہ خصوصیت ہے کہ اس پر کسی کی اجارہ داری نہیں ہے اور اس کا ایک خاص پہلو تعلیم کے ساتھ تربیت وتزکیہ ہے۔ جو دیگر نظام تعلیم کے نظریات میں نہیں ہے۔

۳۔ جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام:

عصرِ جدید کا ایک اہم مسئلہ جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام ہے۔ یہ طبقہ سیاست اور ملکی وسائل پر قابض ہے۔ غریب محنت کش اور مزدور پیٹ بھر کر روٹی کیلئے بھی محتاج ہے۔ اس سرمایہ دارانہ نظام اور جاگیر دارانہ نظام نے تمام دنیا کو شکنجے میں قابو کر رکھا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے جس فلاحی ریاست کی بنیاد رکھی۔ اس میں سرمایہ داری کی کوئی گنجائش نہیں۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿**خذ من اموالھم صدقة**﴾ (۴۹) (ان کے اموال سے زکوٰۃ لیں)۔ اس آیت میں نبی کریمؐ کو حکم ہے کہ امراء سے جبرًا زکوٰۃ وصول کریں۔

رسول اکرم ﷺ نے کسب حلال کا حکم دیا۔ سود کی ممانعت فرمائی۔ جوئے اور سٹے کو حرام قرار دیا۔ ذخیرہ اندوزی، ناپ تول میں کمی، ناجائز منافع خوری کو حرام قرار دیا۔ رزق حلال کمانے کی ترغیب قرآن نے یوں دی ہے ﴿**یایھا الناس کلوا مما فی الارض حللاً طیبًا ولا تتبعوا خطوات الشیطن انه لکم عدو مّبین**﴾ (۵۰) (اے لوگو زمین میں جو حلال پاکیزہ ہے اسے سے کھاؤ اور شیطان کے نشانات کے پیچھے نہ چلو وہ تمھارا واضح دشمن ہے)۔ اور وہ تمام راستے اسلام نے بند کر دیئے ہیں جو ناجائز ہیں ذرائع آمدن ہیں ارشاد ہے۔ ﴿**یایھا الذین آمنوا لا تاکلوا الربوا اضعافًا مضعفة واتقوا الله لعلکم تفلحون**﴾ (۵۱) (اے ایمان والو کئی گنا کر کے سود نہ کھاؤ اللہ سے ڈرو تا کہ تم فلاح پا جاؤ)۔

اور فرمایا: ﴿**یایھا الذین آمنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارة**

۴۸۔ ابن کثیر، سیرت النبی (مکتبہ قدوسیہ لاہور، طبع اوّل ۱۹۹۶ء) اردو ترجمہ ۱/۶۲۱۔

۴۹۔ التوبہ، ۱۰۳۔

۵۰۔ البقرۃ، ۱۶۸۔

۵۱۔ آل عمران، ۱۳۰۔

عن تراض منکم﴾ (۵۲) (اے ایمان والو آپس میں تمھارا مال باطل طریقہ سے نہ کھاؤ سوائے اس کے کہ تجارت میں رضامندی سے)۔ زکاۃ کا فلسفہ رسول اللہ ﷺ نے یوں ارشاد فرمایا ﴿توخذ من اغنیائھم وترد الی فقراء ھم﴾ (۵۳) رسول اللہ ﷺ خود بھی کسی سائل کو خالی نہ لوٹاتے۔ حضرت بلالؓ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آزاد کر دیا تو فرمایا ﴿ربحت تجارۃ ابی بکر﴾ (۵۴) (ابوبکرؓ کی تجارت فائدہ مند ثابت ہوئی) اسلام میں سرمایہ داری کی اس لحاظ سے گنجائش نہیں ہے۔ دونوں کو ایک دوسرے کے حقوق کی تلقین کی۔ مسند احمد میں حدیث ہے۔ رسول اللہؐ ایک دفعہ اہل مجلس سے دولت مندی اور دنیاوی خوشحالی کا کچھ تذکرہ کرنے لگے کہ یہ چیز اچھی ہے یا بُری اور دین اور آخرت کے لیے مضر ہے یا مفید تو آپ نے اس سلسلہ میں ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور اس کے احکام کی پابندی کرے اس کے لیے مالداری میں کوئی مضائقہ نہیں اور کوئی حرج نہیں اور صحت مندی صاحبِ تقویٰ کے لیے دولت مندی سے بھی بہتر ہے اور خوش دِلی بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ہے (جس پر شکر واجب ہے)۔ (۵۵) پاکستان کی معشیت پر جاگیرداروں کا قبضہ ہے زیادہ تر وہ جاگیردار ہیں جن کو انگریزوں نے مسلمانوں کی جاسوسی کرنے کے صلہ میں انہیں جاگیریں دیں۔ یہ عیاشیوں پر دولت کو ضائع کرتے ہیں ان کا صحیح سراغ لگا کر ان کی جائدادیں ضبط کر کے غریب لوگوں میں تقسیم کی جائیں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دور میں زمین آباد نہ کرنے کی وجہ سے حضرت بلالؓ کی زمین واپس لے لی تھی جو رسول اللہ ﷺ نے عنائت فرمائی تھی، پھر ان لوگوں کی جائدادیں کیوں نہ ضبط کی جائیں۔ جو مسلمانوں اور اسلام کے غداری کے صلہ میں دی گئی ہیں۔

۴۔ غربت:

عصرِ جدید کا ایک سنگین مسئلہ غربت بھی ہے جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ترقی یافتہ ممالک نے تجارتی

۵۲۔ النساء، ۲۹۔

۵۳۔ بخاری، الجامع الصحیح ص ۲۲۴-۲۲۵، ح ۱۳۹۵ (کتاب الزکاۃ)۔

۵۴۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ ودیگر کتب سیرت وتاریخ

۵۵۔ ڈاکٹر عبداللہ، اسوہ رسول اکرم ﷺ ص ۲۹۔

اور اقتصادی میدان میں اپنی اجارہ داری قائم کر رکھی ہے۔ جس کی وجہ سے پسماندہ ممالک اقتصادی طور پر کمزور ہو گئے ہیں۔ ترقی یافتہ ممالک نہ تو پسماندہ ممالک کی اشیاء خریدتے ہیں اور نہ ہی دلی طور پر ان کی معاشی ترقی چاہتے ہیں۔ اقتصادی و سودی نظام کی پابندیوں سے ان کی معاشی حالت مزید خراب ہوتی جا رہی ہے جبکہ ترقی یافتہ ممالک آپس میں ہی تجارت کو فروغ دیتے ہیں۔ سیرت نبوی ﷺ میں اس مسئلے کا حل موجود ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ایک فلاحی ریاست کی بنیاد رکھی۔ زکوٰۃ صدقات کے نظام کے ذریعے سے غربت کا خاتمہ کیا گیا اور معاشی طور پر ایک دوسرے کی مدد کو رواداری اور اخوت کا نام دیا۔ اللہ نے امراء سے زکوٰۃ وصول کرنے کا نبی ﷺ کو حکم دیا۔ ﴿خذ من اموالھم صدقة﴾ (۵۶) (ان کے مالوں سے زکوٰۃ لو)۔

سود کو اللہ نے اپنے اور رسولؐ کے خلاف اعلانِ جنگ قرار دیا کیونکہ غربت کی ایک وجہ سودی لین دین بھی ہے۔ اس لئے فرمایا: ﴿یایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مؤمنین فان لم تفعلوا فأذنوا بحرب من اللہ ورسوله﴾ (۵۷) (اے لوگو جو ایمان لائے ہو، خدا سے ڈرو اور جو کچھ تمہارا سود لوگوں پر باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو، اگر واقعی تم ایمان لائے ہو، لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا، تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلانِ جنگ ہے)۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (الربا سبعون حوبًا أیسرھا أن ینکح الرجل أمّه) (۵۸) (سود کی ۷۰ سے زیادہ قسمیں ہیں کم ترین یہ ہے کہ انسان اپنی ماں سے نکاح کرے)۔ رسول اللہؐ نے جب سود کو ختم کرنے کا اعلان فرمایا تو ساتھ ہی فرما دیا: میں سب سے پہلے اپنے چچا عباس کا سود معاف کرتا ہوں۔ (۵۹)

حضور ﷺ نے فرمایا: ﴿اقسم المال بین اھل الفرائض علی کتاب اللہ﴾ (۶۰) (اہل فرائض میں کتاب اللہ کے مطابق مال تقسیم کرو)۔ اسلامی معاشرے میں گردش دولت کو ہی معاشرتی زندگی

۵۶۔ التوبہ، ۱۰۳۔

۵۷۔ البقرہ ۲۷۹۔

۵۸۔ ابن ماجہ، السنن ص ۳۲۴، ج ۲ ۲۲۷۔

۵۹۔ خطبہ حجۃ الوداع ص ۹۷۔

۶۰۔ ابو داؤد، السنن (دارالسلام، الریاض، الطبعۃ الاولی، ۱۹۹۹ء) ص ۴۲۲، حدیث ۲۸۹۸، کتاب الفرائض۔

قرار دیا ہے ﴿کی لا یکون دولة بین الاغنیاء منکم﴾ (٦١) (تمہاری دولت صرف غنی لوگوں میں ہی گردش نہ ہوتی رہے)۔

اسی طرح اہل ایمان کی نشانی بتائی کہ وہ اپنی ضرورت پر بھی ترجیح دیتے ہیں: ﴿ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصة ومن یوق شح نفسہ فاولئک ھم المفلحون﴾ (٦٢) (وہ اپنے نفس پر ترجیح دیتے ہیں خواہ ان کو ضرورت ہو۔ جو اپنے نفس کی بخیلی سے بچ گیا تو یہی لوگ کامیاب ہیں)۔ ﴿واللہ فضل بعضکم علی بعض فی الرزق فما الذین فضلوا برادی رزقھم علی ما ملکت ایمانھم فھم فیہ سواء فبنعمة اللہ یجحدون﴾ (٦٣) (وہ ذات جس نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی۔ وہ لوگ جو فضیلت دیئے گئے کہ وہ اپنا رزق اپنے غلاموں کو نہیں دیتے کہ وہ برابر ہو جائیں گے۔ کیا وہ اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں)۔

اس طرح فرمایا: ﴿والذین فی اموالھم حق معلوم للسائل والمحروم﴾ (٦٤) (ان کے مالوں میں سائل اور نہ سوال کرنے والے کا حق معلوم ہے)۔

رسول اللہؐ نے غربت کے خاتمہ کے لئے عملی اقدامات کئے۔ ایک دفعہ ایک شخص کو آپؐ نے مانگتے پھرتے دیکھا تو اس کو آپؐ نے روک دیا اور فرمایا: آپ کے گھر میں کوئی چیز ہے تو اس نے کہا ایک موٹا کمبل ہے جس کا بعض حصہ اوپر لیتے ہیں اور بعض حصہ بچھا لیتے ہیں اور ایک پیالہ ہے جس میں ہم پانی پیتے ہیں تو آپؐ نے فرمایا: وہ دونوں چیزیں لے آؤ۔ جب وہ دونوں چیزوں کو لے آیا تو رسول اللہؐ نے اپنے ہاتھ میں لیکر فرمایا: ان دونوں چیزوں کو کون خریدنا چاہتا ہے ایک آدمی نے کہا میں ایک درہم میں خریدوں گا۔ آپؐ نے فرمایا کوئی ایک درہم سے زیادہ دینا چاہتا ہے ایک اور آدمی نے کہا میں دو درہم میں خریدلوں گا۔ آپؐ نے وہ دونوں چیزیں لیکر اس سے دو درہم لیے اور مانگنے والے انصاری کو دیکر فرمایا ایک

٦١۔ الحشر، ٧۔

٦٢۔ الحشر، ٩۔

٦٣۔ النحل، ٧١۔

٦٤۔ المعارج، ٢٤-٢٥۔

درہم سے غلّہ خرید و اور اپنے گھر والوں کو دے دو اور دوسرے درہم سے ایک کلہاڑا خرید کر میرے پاس لاؤ جب وہ لایا تو آپؐ نے اپنے ہاتھ سے دستہ ڈال دیا اور فرمایا جاؤ لکڑیاں اکٹھی کرو اور بیچو اور فرمایا میں آپ کو پندرہ دن تک نہ دیکھوں وہ آدمی چلا گیا لکڑیاں اکٹھی کرتا رہا اور بیچتا رہا وہ آیا تو اس کے پاس دس درہم تھے بعض کے اس نے کپڑے خریدے اور بعض کا غلّہ خریدا۔ رسول اللہؐ نے فرمایا یہ آپ کے لیے اس بات سے بہتر ہے کہ مانگنے کی وجہ سے قیامت کے دن آپ کے چہرے پر سیاہی ہو(۶۵)۔

مسلمان خود مزدوری کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ بھی کام کرتے تھے لیکن ان میں سے کوئی بھی سوال کرنے کو اچھا نہیں سمجھتا تھا سب میں خودداری تھی محبت کی فضا دی۔ نعیم صدیقی نے رسول اللہؐ کے دور کے مثالی معاشرے کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔ ''کیا دنیا ان کا ایثار دیکھ دیکھ کر مبہوت نہ ہوتی ہوگی کہ انصار نے اپنے گھر بار اور مال و متاع آدھوں آدھ بانٹ کر مہاجرین کے سامنے رکھ دیئے کیا عوام کے دل اس مساوات کا سماں دیکھ کر کھنچتے نہ ہوں گے؟ کہ ادنیٰ ترین غلام خاندانی ہستیوں کے ساتھ اور غریب طبقوں کے افراد اہل ثروت کے ساتھ اور گھروں سے اجڑ کر آنے والے لوگ مدینہ منورہ کے مقامی باشندوں کے ساتھ صف واحد میں کھڑے ہیں۔ ہر ایک کو اہمیت حاصل ہے، ہر ایک کی عزت ہوتی ہے، ہر ایک کی رائے وزن رکھتی ہے، اور ہر ایک کو ذمہ داریاں اٹھانے اور جوہر دکھانے کا موقع ملتا ہے۔ یہ ایک برادری ہے جس کے سارے افراد اچھے حالات میں بھی شریک رہتے ہیں اور تکلیف اور مصیبت میں بھی حصّہ دار بنتے ہیں۔ ان کے غم مشترک، ان کی مسرتیں مشترک، ان کا سوچنا مشترک اور ان کے اقدام مشترک! بھوک کا دور ہے تو اس میں سب سے زیادہ حصّہ دار سوسائٹی کا قائد ہے اور خوشحالی کا دور آتا ہے تو اس میں سب سے کم حصّہ وہ اپنے لئے لیتا ہے۔ جاہلی تصورات کے مطابق اونچے اور نیچے خاندانوں کے درمیان شادی بیاہ کے تعلقات لوگوں کو حیرت میں ڈال دیتے ہوں گے۔ رسوم و رواج کی بوجھل بیڑیاں کاٹ کر سادہ معاشرت کا جو نہج نکالا گیا تھا اس کی طرف طبائع از خود کھنچتی ہوں گی۔ کتنی محبت بھری زندگی

۶۵۔ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی، مشکاۃ المصابیح، باب من لاتحل لہ مسئلہ (نور محمد اصح المطابع کراچی) ص ۱۶۳۔
بحوالہ / سنن ابوداؤد، سنن ابن ماجہ

تھی، کتنی ہلکی پھلکی، کتنی پُر امن اور کتنی اطمینان بخش، صحیح معنوں میں حیات طیبہ''(٦٦)۔

رسول اللہ ﷺ غرباء سے محبت کرتے تھے اور اُن میں بیٹھنا پسند فرماتے تھے چنانچہ آپ کا ارشادِ گرامی ہے۔ ﴿ابغوني في ضعفاء كم، فانما ترزقون و تنصرون بضعفاء كم﴾(٦٧) (مجھے ضعفاء میں تلاش کرو تمہیں کمزوروں کے سبب رزق دیا جاتا ہے اور تمہاری مدد کی جاتی ہے)۔ رسول اللہ ﷺ دعا فرمایا کرتے تھے: ﴿اللهم احيني مسكينًا وامتني مسكينًا واحشرني في زمرة المساكين يوم القيامة﴾(٦٨) (اے اللہ مجھے مسکین زندہ رکھ اور مسکین حالت میں مجھے موت دے اور مجھے قیامت کے دن مسکینوں کے زمرے میں اٹھا)۔ غریب ہونا اتنا برا نہیں ہے اس میں انسان عزت و وقار اور خودی کا خیال ضروری ہے۔ صحابہ کرام کے متعلق علامہ اقبال نے فرمایا:

فقیری میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے
کہ منعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا

۵۔ آزادی نسواں:

موجودہ تہذیب کا ایک نعرہ عورت کی آزادی، مساوات اور ترقی کا ہے۔ اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اسلام نے عورت کے ان پہلوؤں کو نظر انداز کر کے اس کے ساتھ زیادتی کی ہے اور مغرب میں مساوات مرد وزن اور ترقی نسواں کے فریب میں عورت کو گرفتار کر کے اسے زندگی کے ہر میدان میں مردوں کے برابر بلکہ ان سے بھی آگے نکال دیا ہے وہ اب صرف نائٹ کلبوں کی زینت ہی نہیں بلکہ مردوں کی ہوس کا ساماں بننے کے لیے پرسنل سیکرٹری، ٹائپسٹ کے قدرے شائستہ روپ سے بڑھ کر ایئر ہوسٹس اور فوٹو گرافر تک نظر آتی ہیں۔ اشتہار بازی کے لیے بھی عورت کو استعمال کیا جاتا ہے۔ اس سے معاشرے میں سکون کی بجائے ذہنی پریشانی اور نفرت کا دور دورہ ہے۔ حالانکہ اسلام نے بحیثیت انسان مرد و عورت کو برابر قرار دیا ہے۔ عقائد کے لحاظ سے بھی دونوں میں مساوات ہے نیکی اور بدی کے بدلے کے لحاظ سے دونوں

٦٦۔ حافظ سعد اللہ، وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والے ﷺ (اقبال پبلشنگ کمپنی، اکرم آباد، مدینہ کالونی لاہور کینٹ) ص ۲۴۵-۲۴۶۔ بحوالہ محسن انسانیت

یکساں ہیں۔ جرائم کی سزا کے لحاظ سے بھی دونوں میں مساوات ہے۔ ملکیت رکھنے کے لحاظ سے بھی ہر ایک کو اپنی ملکیت میں تصرف کی اجازت ہے۔ اسلام مرد و عورت میں فطری صلاحیتوں اور جسمانی ساخت کی وجہ سے ذمہ داریوں کے لحاظ سے فرق سمجھتا ہے۔ گھر کے باہر کے تمام کام مرد کے ذمہ ہیں۔ نسل کی پرورش عورت کی ذمہ داری ہے گھر کے اندرونی معاملات کی عورت ذمہ دار ہے جہاں تک عورت کی آزادی کا تعلق ہے۔ پیغمبر علیہ السلام کے زمانہ میں بھی عورت کو اپنی بات کہنے کی آزادی تھی چنانچہ قرآن کریم نے حضرت خولہ بنت ثعلبہ کے واقعہ کو واضح طور پر بیان کیا (۶۹)۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿قد سمع الله قول التی تجادلک فی زوجها وتشتكى الى الله والله يسمع تحاوركما ان الله سميع بصير﴾ (۷۰)

''اللہ نے سن لی اس عورت کی بات جو اپنے شوہر کے معاملے میں تم سے تکرار کر رہی ہے اور اللہ سے فریاد کیے جاتی ہے اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا ہے وہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے''۔

حضور ﷺ صحابہؓ کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ اسماءؓ حاضر خدمت ہوئیں اور مندرجہ ذیل تقریر کی:۔

''رسول خدا ﷺ پر میرے ماں باپ قربان! میں مسلمان عورتوں کی طرف سے یہ پیغام لیکر آئی ہوں کہ اللہ نے آپ ﷺ کو مرد و زن کی ہدایت کے لیے بھیجا۔ ہم سب آپ ﷺ کے متبع ہیں اور آپؐ پر ایمان لاتے ہیں مگر ہم میں اور مردوں میں بڑا فرق ہے۔ ہم گھروں میں محصور ہیں۔ ہم آپ لوگوں کی اولاد کو پالتی ہیں تم لوگ مرد ہو، نماز جمعہ اور نماز جنازہ میں شرکت کرتے ہو۔ حج کرتے ہو اور سب سے زیادہ یہ کہ راہ خدا میں جہاد کرتے ہو۔ ہم ان تمام معاملات میں تم لوگوں کے ساتھ نہیں ہیں۔ تمہارے مال کی حفاظت کرتے ہیں۔ لباس کے لیے چرخہ کاتتے ہیں تو کیا ہم اجر و ثواب میں تمہارے ساتھ شریک نہ ہوں گے۔

۶۷۔ خطیب تبریزی، مشکاۃ المصابیح (المکتبہ التجاریہ، دار الفکر، بیروت ۱۹۹۱ء) باب فضل الفقراء، ۳/۱۲۰، ح ۵۲۴۲۔

۶۸۔ خطیب تبریزی، مشکاۃ المصابیح ص ۱۲۰؛ ترمذی، السنن (مکتبہ دار السلام الریاض) ص ۵۳۷، ح ۲۳۵۲۔

۶۹۔ نعیم صدیقی، عورت معرض کشمکش میں (ادارہ معارف اسلامی منصورہ لاہور) ص ۱۲۰-۱۲۱۔

۷۰۔ المجادلہ، ۱۔

ان کی تقریر سن کر حضور ﷺ صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کیا تم لوگوں نے مذہب کے بارے کبھی کسی عورت سے ایسی گفتگو سنی۔ صحابہ نے عرض کیا ہمیں تو کبھی اس بات کا خیال تک نہ آیا کہ کوئی عورت ایسا سوال کرسکتی ہے حضور ﷺ نے فرمایا اگر کوئی عورت اپنے شوہر کی رضامندی، فرماں برداری اور موافقت کرتی ہے اور زوجیت کے فرائض ادا کرتی ہے تو اسے بھی مردوں کے برابر ثواب ملے گا (۷۱)۔

۶۔ مذہبی تعصب، بدامنی اور بین الاقوامی بدنظمی:

بعثت نبویؐ کے وقت امن عالم کی حالت ناگفتہ بہ تھی اس وقت کی دو متمدن سلطنتیں روم اور فارس آپس میں برسرِ پیکار تھیں۔ بڑی طاقتوں کی خانہ جنگی کی وجہ سے پورا عالمی امن تباہ تھا۔ دولت چند ہاتھوں میں مرتکز تھی۔ معاشرہ میں طبقاتی کشمکش تھی۔ مختلف مذاہب کے پیروکار مذہبی تعصب اور فرقہ پرستی کے رجحانات رکھتے تھے۔ ہر طرف پریشانی کا عالم تھا۔ قرآن مجید نے اس کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے ﴿ظهر الفساد فی البر والبحر بما كسبت ايد ی الناس﴾ (۷۲)۔ چنانچہ اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین ﷺ کو مبعوث فرمایا اور ارشاد فرمایا: ''بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب آ چکی اللہ اس کے ذریعے ان لوگوں کو جو اس کی رضا کے طلب گار ہیں۔ سلامتی کے راستوں کی ہدایت کرتا اور اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آتا ہے'' (۷۳)۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبرؐ کے ذریعے مذہبی تعصب کو ختم کرنے کے لیے توحید کی دعوت دی جو کہ تمام انبیاء کی مشترکہ دعوت تھی چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿يا اهل الكتاب تعالوا الى كلمةٍ سواءٍ بيننا وبينكم الاّ نعبد الا الله ولا نشرک به شيئًا ولا يتخذ بعضنا بعضًا ارباباً من دون الله فان تولوا فقولوا اشهدوا بانّا مسلمون﴾ (۷۴) (اے الہامی کتاب کو ماننے والو! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے ہم اللہ کے سوا کسی اور کو نہ پوجیں اور اس کا کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں

۷۱۔ پروفیسر عاصمہ فرحت، سیرت نبوی ﷺ میں عورت کا کردار (اسلامک پبلیکیشنز لاہور ۱۹۹۶) ص ۱۰۵-۱۰۶۔

۷۲۔ الروم: ۴۱۔

۷۳۔ المائدہ: ۱۵۔۱۶

۷۴۔ آل عمران: ۶۴۔

اور ہم خدا کو چھوڑ کر اپنے ہی میں سے کسی کو رب نہ بنالیں۔ اگر یہ لوگ منہ موڑیں تو کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تم اس پر سرِتسلیم خم کر چکے)''۔

اسی طرح پیغمبر ﷺ نے دیگر تمام معاملات جن کے اندر اختلاف اور برتری کا جذبہ تھا اس کو ختم کرنے کی بھرپور کوشش کی چنانچہ یہ ارشاد ہوا ﴿یاایھا الناس انا خلقنکم من ذکر وانثی وجعلناکم شعوبًا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم﴾(۷۵) (اے انسانو! ہم تمہیں ایک مرد، ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں قوموں اور قبیلوں میں محض اس لیے بانٹا تا کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو ورنہ خدا کے نزدیک تم میں سب سے معزز تو وہی ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار اور خداترس ہو)۔

اسی طرح حضور نبی کریم ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا ''کسی کالے کو گورے پر اور گورے کو کالے پر، کسی عجمی کو عربی پر اور عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں سوائے تقوٰی کے'' (۷۶)۔

رسول اللہ ﷺ نے غیر مسلموں کو خط لکھتے ہوئے کبھی غلط انداز نہ اپنایا بلکہ ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' سے شروع فرماتے اور ساتھ ہی ''سلام علی من اتبع الھدی'' لکھتے۔ نجران سے عیسائی وفد آیا تو آپ نے ان کی مہمان نوازی کی، ان کو مسجد نبوی میں اپنے مذہب کے مطابق عبادت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اس سے رسول اللہ ﷺ کے غیر متصبانہ رویہ کا پتہ چلتا ہے۔ صلح حدیبیہ کی شرائط بھی آپ کی پیش بینی اور صلح کن رویہ کی غماز ہیں مدینہ منورہ میں یہود کے ساتھ آپ کا میثاق مدینہ اور بعد کا سلوک بھی سب مذاہب کے لوگوں کے لئے روشنی کا مینار ہے۔

۷۔ دہشت گردی:

قبل از اسلام عرب کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ بات بات پر جھگڑنا ان کا قومی شعار بن چکا تھا۔ پھر قبائلی رقابت اور نسلی تفاخران جھگڑوں کو مستقل جنگوں کی شکل میں تبدیل کر دیتے تھے اس کے علاوہ ان میں

۷۵۔ الحجرات: ۱۳۔

۷۶۔ خطبہ حجۃ الوداع تمام کتب حدیث ملاحظہ ہوں۔

''ثار'' کا عقیدہ راسخ ہو چکا تھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ جب تک مقتول کے خون کا بدلہ نہ لیا جاتا۔ اس کی روح پرندے کی شکل اختیار کر کے مسلسل چیخ و پکار کرتی رہتی ہے کہ ''میں پیاسی ہوں اور یہ پیاس صرف قاتل یا اس کے قبیلے کے کسی فرد کا خون بہانے سے ہی بجھ سکتی ہے۔ اس عقیدے کے تحت اگر قبائل میں جنگ چھڑ جاتی تو بعض اوقات صدیوں تک جاری رہتی تھی۔

دنیا سے فتنہ و فساد ختم کر کے اللہ کا دین قائم کرنے کی ذمہ داری ہی حقیقتاً وہ مقصد تھا جس کے لیے اللہ تعالیٰ مختلف ادوار میں انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا۔ جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے تو، نیا ظلم ز سے بھری ہوتی تھی۔ آپؐ نے اس عالمی دہشت گردی کو بڑے منظم انداز میں کنٹرول کیا۔ بسا اوقات ایسے اقدامات اٹھائے جس میں بظاہر تو اپنا نقصان معلوم ہوتا تھا لیکن اس کے نتائج بڑے اچھے انداز میں ظاہر ہوئے'(۷۷)۔

۸۔ شراب نوشی:

شراب کا عرب میں اس قدر رواج تھا کہ ہر مرد اس میں مبتلا رہتا تھا اور بچے اور عورتیں شراب پلانے پر مامور ہوتے شراب خانے ممتاز مقامات پر سارا وقت کھلے رہتے اور نشان کے لیے وہاں جھنڈے اڑتے رہتے تھے۔

شراب کی حرمت جس تدریج سے نازل ہوئی اسی سے اندازہ ہوگا کہ تمام ملک کس قدر اس میں مبتلا تھا اور جب تک کنایہ اور اشارہ سے گذر کر صاف صاف ممانعت نہیں کر دی گئی لوگ سمجھ ہی نہ سکے۔

سورۃ بقرہ میں ہے ﴿یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیھما اثم کبیر ومنافع للناس﴾(۷۸) (وہ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں کہیے ان دونوں کاموں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں)۔

ایک دفعہ ایک صحابی نماز میں امامت کرتے ہوئے الفاظ غلط پڑھ گئے سورۃ نساء میں نشے کی

۷۷۔ مولانا عبدالرحمٰن کیلانی، رسول اکرم بحیثیت سپہ سالار (مکتبۃ السلام وسن پورہ لاہور) ص ۴۱-۴۴۔

۷۸۔ البقرہ: ۲۱۹۔

حالت میں نماز کی ممانعت کی گئی ہے ﴿لا تقربوا الصلوۃ وانتم سکاری﴾ (۷۹)۔

اس بنا پر اذان کے ساتھ ساتھ منادی کر دی جاتی کہ شراب کی حالت میں کوئی نماز میں شرکت نہ کرے پھر بھی لوگوں نے شراب پینے سے ہاتھ نہ کھینچا اور نماز کے بعد شراب پیتے رہے پھر یہ ہوا کہ چند انصار اور مہاجروں میں شراب کی حالت میں معمولی سی جھڑپ سے سخت لڑائی شروع ہو گئی اس کے بعد سورۃ مائدہ میں شراب نوشی حرام کر دی گئی۔

﴿یا ایھا الذین آمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطن فاجتنبوہ لعلکم تفلحون﴾ (۸۰)

(اے ایمان والو! یہ شراب اور جوا اور آستانے اور پانسے سب گندے شیطانی کام ہیں لہٰذا ان سے بچتے رہو تاکہ تم فلاح پا سکو) فوراً لوگوں نے اپنے پیالے اور شراب کے برتن توڑ ڈالے اور شراب مدینہ کی گلیوں میں پانی کی طرح بہا دی گئی اور یوں امت نے شراب کو خیر باد کہا'' (۸۱)۔

تاریخ عالم کے مطالعہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس نے ہمیشہ ہی انسانیت کو نقصان پہنچایا۔ رسول اللہ ﷺ نے دور جاہلیت میں بھی اس ام الخباثت کو کبھی ہاتھ نہ لگایا اب بھی رسول اللہ ﷺ کے اسوہ کے مطابق اس سے نجات حاصل کرنا ضروری ہے۔

۹۔ کفر والحاد:

عرب جاہلیہ کی معاشرتی وسیاسی روایات سے متعلق اسلام نے کیا طرزِ عمل اختیار کیا اس رجحان و رویہ کا اندازہ لگانے کے لیے احادیث طیبہ بنیادی اہمیت رکھتی ہیں۔ اس ضمن میں آنحضرت ﷺ کی احادیث طیبہ کا بغور جائزہ لیں تو دونوں طرح کا طرزِ عمل سامنے آتا ہے یعنی بعض چیزوں کو بالکل مسترد کر دیا گیا اور اس معاشرے میں جو خیر کے پہلو تھے ان کو قبول کرنے میں کوئی تعامل نہیں کیا بلکہ وہ اشخاص جو زمانہ جاہلیت میں عزت و احترام رکھتے تھے۔ اسلام لائے اور آنحضرت ﷺ نے انہیں اسی قدر و منزلت سے

۷۹۔ النساء: ۴۳۔

۸۰۔ المائدہ: ۹۰۔

۸۱۔ عبدالمجید، آخری نبی ﷺ اور ان کی تعلیمات (فضلی سنز اردو بازار کراچی) ص ۴۲۳۔

سرفراز فرمایا۔آپؐ نے ارشاد فرمایا:﴿خیارھم فی الجاھلیة خیارھم فی الاسلام اذا فقھوا﴾ (۸۲) (لوگوں میں جاہلیت میں جو بہتر تھے اسلام میں بھی بہتر ہیں اگر دین کی سمجھ حاصل کریں)۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:﴿یعمل فی الاسلام بفضائل الجاھلیة﴾(۸۳) (دورِ جاہلیت میں جو اخلاقی فضائل موجود تھے دورِ اسلام میں بھی ان پر عمل جاری رہے گا)۔

جو چیزیں بُری تھیں ان کو آپ ﷺ نے ختم فرمادیا۔حضرت عائشہؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ جاہلیت (زمانہ جاہلیت) میں نکاح چار قسم کا ہوتا تھا لیکن جب محمد ﷺ حق کے ساتھ بھیجے گئے تو انہوں نے آج کل کے نکاح کے علاوہ جاہلیت کے زمانے کے تمام نکاحوں کو ختم کردیا (۸۴)۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿خیارھم فی الجاھلیة خیارھم فی الاسلام﴾ (۸۵) (جو لوگ زمانہ جاہلیت میں بھلے تھے وہ زمانہ اسلام میں بھی بھلے ہی ہیں)۔

اسلام کے مخاطبین صرف عرب لوگ نہ تھے بلکہ وہ تمام نسل انسانی کو مخاطب کرتا ہے۔وہ جغرافیائی حدود سے بالاتر ہے۔اسی طرح پیغمبر اسلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔ وما ارسلنک الا رحمة للعالمین(۸۶)۔

اس تمام حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ کی سیرت مطہرہ کا مطالعہ اور اس پر عمل انفرادی اور اجتماعی زندگی کی اصلاح کا باعث ہے اور دنیا کے تمام مسائل کا حل ہے۔

............☆............

۸۲۔ بخاری، الجامع الصحیح ۱۴۲/۸ (تحقیق فواد عبدالباقی)۔

۸۳۔ احمد، المسند ۴۲۵/۳۔

۸۴۔ محمد بن اسماعیل، بخاری، الجامع الصحیح، (مطبوعہ دہلی ۱۹۳۸ء) ۸/۱۔

۸۵۔ ایضاً۔

۸۶۔ الانبیاء ۱۰۷۔

سیرت النبی ﷺ اور عصر حاضر کے مسائل

* ڈاکٹر محمد یحیٰی

گر تو گر دد حریم کائنات
از تو خواهم یک نگاه التفات
ذکر و فکر و علم و عرفانم توئی
کشتی و دریا و طوفانم توئی

جہاں ظلمت و تاریکی انتہا درجہ کی وحشت انگیز گہری اور وسعت گیر ہو وہاں تابناک روشنی کی ضرورت ہوتی ہے جس کی شعاعیں تیز اور شفاف ہوں' مرض جتنا پیچیدہ اور مہلک ہو اس کے علاج کے لئے کسی ماہر ڈاکٹر یا حاذق طبیب کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب دریا کی موجوں میں قیامت خیز طلاطم بپا ہو۔ طوفان بادو باراں ہو اور مخالف ہوا کے تیز و تند جھونکے پوری شدت سے ناؤ کو پیچھے کی جانب دھکیل رہے ہوں تو ایسی صورت حال میں آزمودہ کار اور ماہر ناخدا ہی کشتی کو صحیح و سالم پار لگا سکتا ہے۔

تاریخ انسانی کا یہ دور جس سے آج ہم گزر رہے ہیں' تہذیبی' عمرانی اور تمدنی لحاظ سے اس منزل تک پہنچ چکا ہے کہ اس سے چند قدم آگے اہل دنیا کی عبرت انگیز تباہی کا ہیبت انگیز منظر دکھائی دے رہا ہے۔ جہالت وضلالت اور شقاوت کی دبیز گھٹائیں کرہ ارض پر چھا گئی ہیں۔ معمولی حالات میں تو یہ ممکن تھا کہ چراغ راہ گزر کی دھیمی شعاعوں سے ہی کام نکال لیا جاتا مگر جب چہار سو ظلمت' بعض ھا فوق بعض (تاریکی ہی تاریکی) ہو تو ایسی تاریکی کے لئے ایک عالم تاب روشنی نور مبین کی ضرورت ہے جس کی ضوفشانی سے دنیا کا گوشہ گوشہ چمک اٹھے۔

کینہ' عداوت' حسد' بغض' تعصب' فسق و فجور' ہوا پرستی' حرص دولت' قوم و وطن کی عصبیت' قومی جھنڈے کی پرستش اور اسی قسم کی کئی اور ہلاکت آفریں بیماریوں نے آج کے انسان کو بری طرح دبوچ لیا

---

* صدر شعبہ علوم اسلامیہ، انجینئرنگ یونیورسٹی، لاہور

ہے۔موجودہ دور کے بڑے بڑے مصلحین اور مدعیان علم ان بیماریوں کے شافی علاج میں ناکام نظر آتے ہیں اور ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔ان مہلک بیماریوں کے علاج کے لئے کسی ایسے تجربہ کار اور نامور طبیب کی طرف رجوع کیا جائے جو اس سے قبل ایسی ہی مہلک بیماریوں کے علاج میں غیر فانی شہرت حاصل کر چکا ہے۔حیات انسانی کی عمارت میں اگر کوئی ایک رخنہ ہوتا' تو شاید اس کے بھرنے کی کوئی سبیل نکل آتی لیکن جب پوری عمارت ہی کھوکھلی اور زمین بوس ہونے کو ہو تو اس صورت میں بجز اس کے کوئی چارہ کار نہیں رہتا کہ اس کی تعمیر جدید کا کام کسی ماہر فن معمار کے سپرد کیا جائے۔

تمدن جدید کی ہلاکت آفرینیوں نے انسانی زندگی کی کشتی کو خون آشام حوادث ومہالک کی طوفانی لہروں کے حوالہ کر دیا ہے' اب کوئی آزمودہ کار اور دانش مند ناخدا ہی اس کو نجات وکامرانی کے ساحل تک لے جاسکتا ہے۔ان استعاروں اور کنایوں سے یقیناً آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ پوری انسانی تاریخ میں ایسی جامع الصفات کامل تر اور ہمہ گیر شخصیت تنہا ایک ہی ہے' جس کی حیات طیب کو اقوام حاضرہ کے گوناگوں پیچیدہ مسائل کا واحد حل مان لینے سے انسانیت کو امن وسکون اور مسلسل پائیدار زندگی میسر آسکتی ہے

لیکن قبل اس کے کہ میں اس عظیم ترین شخصیت کے اخلاقی' معاشرتی' معاشی' اجتماعی اور مملکتی کارناموں کو زیر بحث لاؤں' یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ دور حاضر کے عمرانی اور اجتماعی تقاضوں کا ایک مجمل خاکہ پیش کر دیا جائے تاکہ دور رسالت کے اہم انقلابی تغیرات کے مطالعہ کے بعد ہم یہ سمجھنے کے قابل ہو جائیں کہ آج بیسویں صدی میں انسانیت جس مرض سے بستر مرگ پر تڑپ رہی ہے۔کیا اس کے لئے وہی دوا (علاج) کافی ہوسکتی ہے۔جو آج سے چودہ سو سال قبل کے بیمار انسان کو عین حالت نزع میں پلائی گئی تھی اور اسی دوا نے حلق سے اترتے ہی وہ حیرت انگیز اثر دکھایا تھا کہ مریض نہ صرف تندرست ہوگیا تھا بلکہ اس نے پوری انسانی دنیا کو سرچشمہ زندگی سے سیراب کر دیا تھا؟ اور آج سے صدیوں پہلے وادی بطحا سے جو صدائے عشق بلند ہوئی تھی۔کیا اس کی بازگشت آج بھی محفل کو گرمانے کے لئے کافی نہیں ہے۔

یک بار نالہ کردہ ام از درد اشتیاق

از شش جہت ہنوز صدامی تو آن شنید

زمانہ حال کے عمرانی وتمدنی مقاصد:

دنیا میں جتنے واقعات کا ظہور ہوتا ہے بظاہر واقعہ تنہا اور منفرد معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت ہر نیا واقعہ سلسلہ واقعات کی آخری کڑی ہوتی ہے مثلاً جب کسی آبادی میں وبا پھوٹتی ہے' تو وہ یک لخت اور ناگہاں زمین سے نہیں ابل پڑتی بلکہ اس کے اسباب مدتوں پہلے اس زمین میں پرورش پارہے ہوتے ہیں اور وبا کا ظہور ان کا طبعی نتیجہ ہوتا ہے۔

موجودہ تہذیب وتمدن کے مفاسد بالکل واضح ہیں اور ہر دانشمند انسان کو ان کی ہیبت ناکیوں کی نسبت اسی طرح یقین ہے جس طرح عین نصف النہار کے وقت سورج کی تیز وتابناک شعاعوں کا لیکن ایسی حقیقت شناس نگاہیں نہایت کمیاب ہیں جو ظاہری اور سطحی مفاسد سے گزر کر اصل سرچشمہ فساد کو پاسکیں۔ یہ کام صرف اور صرف نگاہ جہاں بین کرسکتی ہے لیکن نور نبوت اور پیغمبرانہ بصیرت کے سوا ہمہ بینی کا یہ جوہر ملتا ہی کہاں ہے۔

عصر حاضر کے اہل علم ونظر میں سے جن لوگوں نے اسباب فساد کی تشخیص کی سعی وکوشش کی ہے' وہ زیادہ سے زیادہ اتنا ہی کرسکتے ہیں کہ زندگی کے تمام گوشوں میں سے جو گوشہ ان کو زیادہ تاریک اور بھیانک نظر آیا اسی کو دوسرے گوشوں کی ویرانی کا باعث قرار دے دیا۔ جب دنیا میں ملوکیت (بادشاہت) کا رواج تھا تو اس دور کے ارباب فکر ونظر نے خیال کیا کہ انسانی زندگی کی پریشان حالی کا سبب یہ ہے کہ شخص واحد کو اقتدار کا ماٴخذ مان لیا گیا ہے اور ملک کے عوام جو حقیقت میں منبع اقتدار ہیں، بے دست وپا کردیئے گئے ہیں۔

اس تخیل نے جمہوریت کو جنم دیا اور سمجھ لیا گیا کہ وہ مرض تھا اور یہ علاج ہے حالانکہ یہ علاج نہیں بلکہ خواب آور انجکشن ہے۔ چنانچہ جلد ہی یہ محسوس کیا جانے لگا کہ یہ وہی حلقہ ہائے زنجیر ہیں جو پہلے زنگ آلود تھا اب اس کو نکل (پالش) کر کے چمکدار بنا دیا گیا ہے اور اس کی گرفت بھی سخت ہوگئی ہے پہلے پٹ کر رو لیتے تھے اور آہ وفغاں سے دل کا بوجھ ہلکا کرلیا تھا اب اگر منہ سے آواز نکالتے ہیں' تو جھٹ کہہ دیا جاتا ہے کہ

خبردار! یہ اپنی عوامی حکومت ہے اب تم آزاد ہو بلکہ قوت واقتدار کا اصل منبع تم ہی ہو اگر آواز نکالو گے تو غدار اور گردن زدنی تصور کئے جاؤ گے۔ کیا یہ ہے حریت وآزادی اور جمہوریت ومساوات کہ منہ سے بولیں تو زبان کاٹ لی جائے اور آنسو بہائیں تو آنکھیں نکال لی جائیں؟

اے وائے' بہارے اگر ایں است بہارے

غرض جمہوریت جن بلند بانگ دعوی کو لے کر اٹھی تھی، ان میں وہ بری طرح ناکام رہی اور انسانوں کے کچھ طبقوں میں اس کا ردّعمل فسطائیت کی صورت میں ظاہر ہوا اور کچھ دوسرے طبقوں نے محسوس کیا کہ جمہوریت مغربی سرمایہ داروں کی ایک خطرناک چال ہے۔ پہلے کروڑوں انسانوں کی قسمت ایک شخص کے ہاتھ میں ہوتی تھی اور اب ملک کے گنے چنے سرمایہ دار ہیں جو اپنے اثر و رسوخ اور دولت و سرمایہ کے بل بوتے پر ملک کی پوری آبادی پر مسلط ہو گئے ہیں۔

اب اس نئی بیماری سے شفا پانے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ عوامی طبقوں کی ہمہ گیر تنظیم سے سرمایہ داری کی لعنت کو ختم کیا جائے اور دنیا میں مزدور کا راج قائم کیا جائے۔ لیکن جب ایک خطہ ارضی میں یہ راج قائم ہوا تو دنیا نے حیرانی سے دیکھا کہ یہ تو بدترین قسم کی چنگیزیت ہے، جس کی گرفت جمہوریت سے بھی شدید تر ہے۔ آپ نے دیکھا گزشتہ چند صدیوں میں انسانی مرض کی تشخیص کن کن طریقوں سے کی گئی اور پھر کیا کیا علاج تجویز ہوتے رہے؟ تشخیص سراسر غلط تھی اور علاج اس سے بھی زیادہ غلط! جو منبع فساد تھا۔ اس تک کسی کی نگاہ پہنچی ہی نہیں۔

چھٹی صدی عیسوی میں جب دنیا کے آخری اور کامل داعی حق کو اقوام عالم کی رہنمائی کے لئے بھیجا گیا تو اس وقت بھی دنیا کی ہر قوم انہیں امراض میں مبتلا تھی۔ الحاد و بے دینی، انتہائی اخلاقی پستی، سیاسی طوائف الملوکی، معاشی نامساوات، عدالتی اور معاشرتی امتیاز اور دیگر وہ تمام مفاسد موجود تھے۔ جو زمانہ حال کی انسانی سوسائٹی میں جڑ پکڑ چکے ہیں اور دنیا جانتی ہے کہ اس رہنمائے کامل ﷺ نے نہایت قلیل عرصہ میں ان تمام اجتماعی اور اخلاقی مفاسد کا ازالہ کیا اور ایک جدید ترین صالح نظام تمدن عملی طور پر نافذ کیا۔ جو آج بھی انسانی دنیا کو دعوت فکر دے رہی ہے کہ اس کے تمام امراض و مفاسد کا حل اس صالح نظام میں موجود ہے۔

لیس لنا الا الیک فرارنا
واین فرار الناس الا الی الرسل

سیرت النبی ﷺ کا مطالعہ:

مذکورہ بالا سطور سے یہ واضح ہے کہ آج دنیا کو ایک ایسے نظام اجتماع و تمدن کی ضرورت ہے کہ جس میں مندرجہ ذیل خصوصیتیں موجود ہوں۔

1۔ ایک عالمگیر تصور زندگی احترام آدمیت پر مبنی ہو اور مختلف شعبہ ہائے زندگی میں اعتدال قائم رکھ سکتا ہو۔

2۔ اس کا نظام سیاست ہر انسان کو اس کے بنیادی حقوق عطا کرتا ہو۔

3۔ اس کا نظام معیشت طبقات انسانی کی معاشی عدم مساوات اور اس کے نزاع و اختلاف کو مٹا سکتا ہو۔

4۔ اس کا بین الاقوامی قانون ہمہ گیر اصول انسانیت اور جذبہ احترام انسانیت پر مبنی ہو۔

5۔ اس کا نظام عدل شاہ و گدا' امیر و غریب اعلیٰ و ادنیٰ سے یکساں سلوک کرتا ہو۔

6۔ اس میں معاشرتی زندگی کے لئے ایسے قوانین موجود ہوں جن کی بنیاد اخوت و مساوات پر رکھی گئی ہو۔

ان تقاضوں کو پیش نظر رکھ کر انسانی تاریخ پر حقیقت پسندانہ نگاہ ڈالنی چاہئے کہ ماضی و حال کی تاریخ میں کوئی ایسی شخصیت ملتی ہے جس نے ایسے ہی پاکیزہ اور مقدس نظام اجتماع کو عملاً نافذ کیا۔ جب ہم ماضی کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتے ہیں تو بڑے بڑے مقدس اور اولوالعزم شخصیتوں پر ہماری نگاہ پڑتی ہے ان میں سے بعض نے باجبروت حکمرانوں اور ظالموں کے خلاف مسلسل جہاد کیا' تقویٰ و طہارت' عفت پاکدامنی' حلم و بردباری' زہد و ریاضت ترک علائق اور پاکیزہ اخلاق و سیرت کا سبق دیا۔

ایسے باہمت اور فاتح اور ذہین سیاست کار بھی ہیں جنہوں نے بڑی بڑی آبادیوں کو تہ و بالا کیا اور بڑی بڑی سلطنتیں قائم کیں اور کچھ ایسے نکتہ بین اور بالغ النظر علماء و مفکرین ہیں جنہوں نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ مسائل زندگی کو حل کرنے اور سیاسی انقلاب بپا کرنے کے لئے فضا پیدا کی۔

پہلی قسم کی مقدس شخصیتوں میں سے حضرت مسیح اور مہاتما بدھ جیسے بلند پایہ پیغمبر اور مصلح شامل ہیں۔ اسی طرح دوسرے گروہ یعنی (جن میں سکندر اعظم اور نپولین جیسے جلیل القدر حکمران' روسو' والیٹر' کارل مارکس اور اینجلز ایسے انقلابی مفکر) کی علمی و عملی جدوجہد کو اگر اپنے لئے مشعل راہ بنالیں تو اسے ہمیں کیا ملے گا؟ لادینی سیاست کا جبر استبداد' انسانیت کش چنگیزیت' قیامت خیز معرکہ ہائے جنگ' خطرناک اور مہلک اسلحہ' زہریلی گیس دھویں کے محیط بادل' انسانی لاشوں کے انبار بستیوں کی عالمگیر تباہی و ویرانی' انسانی خون کا سیلاب' اخلاق و شرافت کی پامالی اور عالمگیر شورش و بدامنی۔

پھر دیکھنا یہ ہے کہ کیا ہمیں آج ان چیزوں کی ضرورت ہے یا ان چیزوں کے ہاتھوں زخموں سے چور کراہ رہے ہیں۔ جب یہ تمام ہستیاں ہماری حقیقی زندگی کے مطالبات کی تکمیل سے قاصر ہیں تو پھر انسانی تاریخ

میں صرف ایک ہی مقدس ہستی ہے جس کی طرف نگاہیں بار بار اٹھتی ہیں اور جو کارِ حیثیت سے جامع الصفات ہے اور جس کی ذات میں بیک وقت تمام فضائل اخلاق علمی وعملی کمالات اور فقر وشاہی کے واردات بدرجہ اتم موجود ہیں۔ جو لوگ اعلیٰ اخلاق' بلند سیرت اور پاکیزہ کردار کا مکمل نمونہ دیکھنا چاہتے ہیں انہیں سیرت النبی کا مطالعہ کرنا چاہئے کہ مکارم اخلاق کے لئے رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی سے زیادہ درخشندہ مثال ان کو پوری انسانی تاریخ میں نہیں ملے گی۔

جب دنیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مہاتما بدھ کے درس اخلاق کو بالکل فراموش کر چکی تھی اور کرہ ارض پر کوئی ایسی قوم نہ تھی جو اپنے نجی اعمال یا ملکی وسیاسی معاملات میں کسی دستور اخلاق کی پابند ہو۔

ہر انسانی گروہ دوسرے گروہ کو درندوں کی طرح پھاڑ پھاڑ کھاتا تھا۔ قتل وسفاکی' غصب ودست درازی شراب نوشی' عصمت فروشی وعصمت دری' بددیانتی اور اسی قسم کے دوسرے اعمال ان کی نگاہ میں عیب نہ تھے اور سطح ارض پر رہنے والا ہر انسان اپنے اعمال ومعاملات میں بے لگام تھا۔ اس بے راہ روی اور انتہائی اخلاقی پستی کے بھیانک دور میں دنیا کے آخری اور کامل داعی حق ﷺ کا ظہور ہوا اور آپ ﷺ نے زبان وعمل سے انسانوں کو مکارم اخلاق کا سبق دیا اور آپ کی موثر اخلاقی تعلیم نے ان کی کایا پلٹ دی۔ چور اور رہزن محافظ بن گئے۔ قاتل اور سفاک دنیا کو احترام انسانیت کا سبق دینے لگے اور جو جھوٹے' فریب کار اور بددیانت تھے اب دنیا ان کی راست بازی اور دیانت وامانت پر رشک کرنے لگی۔ کیا انسانی تاریخ میں ایسے انقلاب کی کوئی مثال مل سکتی ہے۔

نبی مکرم ﷺ کے اخلاق حسنہ کے نہ صرف آپ کے دوست معترف تھے بلکہ آپ کے شدید ترین دشمن بھی آپ کے خلوص نیت مروت واحسان اور امانت ودیانت کے گرویدہ تھے۔ یہ لوگ اگرچہ قدم قدم پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی راہ میں روڑے اٹکاتے تھے مگر آپ کی ذات پر کوئی حرف گیری نہ کر سکتے تھے۔ ابو سفیان جیسا زیرک انسان بھی قیصر روم کے دربار میں آپ کی ذات میں اخلاقی کمزوری کی نشاندہی نہ کر سکا۔

آنحضرت ﷺ کی پاکیزہ تعلیم سے آپ کے پیرو بھی پیکر صدق وامانت اور مجسمہ اخلاق بن گئے تھے اور سخت سے سخت دشمن بھی آپ کی پاکیزہ صفات کو سراہتے تھے۔ عیسائی لشکر حمص اور دمشق میں شکست کھا کر جب انطاکیہ پہنچا تو شاہ روم نے اپنے بااثر اور مقتدر اصحاب سے دریافت کیا کہ قوت وشوکت' مال ودولت اور تعداد

کے لحاظ سے عرب تم سے بہت پیش ماندہ ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ تمہاری فوجیں ہر میدان میں پٹ رہی ہیں؟

شرم کے مارے ان کی گردنیں جھک گئیں اور کسی سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو ایک زیرک تجربہ کار شخص نے کہا کہ عربوں کے اخلاق ہم سے بہت بہتر ہیں اور راتیں اپنے اللہ کے حضور قیام وسجود میں گزارتے ہیں اور دن روزہ رکھتے ہیں کسی پر ظلم نہیں کرتے اور آپس میں برابری کا سلوک کرتے ہیں۔ اور ہمارا یہ حال ہے کہ شراب پیتے ہیں بدکاریاں کرتے ہیں اور وعدہ کی پاسداری نہیں کرتے۔

ولیم میور (Life of Muhammad) کا مصنف مستشرق جو آپ کے مخالفین میں صف اوّل کا دشمن ہے وہ بھی یہ اعتراف کرتا ہے۔

''مذہب اسلام اس بات پر فخر کر سکتا ہے کہ اس میں پرہیز گاری کا ایک ایسا درجہ موجود ہے جو کسی دوسرے مذہب میں نہیں پایا جاتا''

ریونڈ ڈبلیو اسٹیفن لکھتا ہے:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بت پرستی کے منتشر انبار کے عوض خالص توحید کا عقیدہ قائم کیا آپ نے لوگوں کے اخلاقی معیار کو بلند کیا اور ان کی تمدنی حالت کو ترقی دی۔''

اگر آپ وطن پرستی، علاقائیت اور رنگ ونسل کے تعصّبات سے پاک ہمہ گیر انسانی قدروں کی بنیادوں پر ایسی عمارت تعمیر کرنا چاہتے ہیں، جو محبت و پیار اور آشتی کا سبق دے تو پھر ہمیں فخر موجودات کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ یہی وجہ تھی کہ مسیحی اقوام اپنے ہم مذہبوں کی حکومت کی نسبت مسلمانوں کی حکومت کو پسند کرتی تھیں۔ اس سلسلہ میں مسلمانوں کی طرف سے کئے گئے سیاسی معاہدات پر نگاہ ڈالیں۔

و لا يغيرون عن ملتهم و لا يحال بينهم و بين شرائعهم

''ان کو ان کے عقیدہ اور مذہب سے پھیرا نہیں جائے گا اور ان کو اپنی شریعت پر عمل کرنے کی پوری آزادی ہوگی۔''

اور آذربائیجان کے معاہدہ کے یہ الفاظ قابل غور ہیں۔

''الامان على انفسهم و اموالهم و مللهم و شرائعهم''

آج طاغوتی فوجیں ایک حملہ میں لاکھوں انسانوں کی لاشوں کے ڈھیر لگا دیتی ہیں اور ہزاروں

بستیاں ان کی وحشیانہ یلغار سے ویرانوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں (ہیروشیما اور ناگاساکی کی مثالیں) وہاں نبی مکرم کا بنایا اور بتایا ہوا ضابطہ صلح و جنگ کا یہ حال ہے کہ چند سالوں میں بارہ لاکھ مربع میل علاقہ پر اسلامی پرچم لہراتا ہے اور بیسیوں جنگیں لڑی گئیں لیکن مقتولین کی تعداد ایک ہزار سے متجاوز نہ ہو سکی۔

نبی اکرم ﷺ نے بنی حذیفہ کی طرف حضرت خالد بن ولید کو ایک دستہ دے کر بھیجا کہ ان کو اسلام کی دعوت دے۔ حضرت خالد نے دعوت اسلام دی اور ان لوگوں نے قبول دعوت سے انکار کر دیا۔ اس پر حضرت خالد نے کچھ لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور کچھ لوگوں کو گرفتار کر لیا جب یہ معاملہ دربار نبوت میں پہنچا تو آپ نے سخت غم وغصہ کا اظہار فرمایا اور بارگاہ الٰہی میں اپنی برأت پیش کی۔

اللھم انی براء الیک مما صنع خالد

''اے اللہ! میں خالد کے فعل سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں''

اگر ہم ایسی معاشی منصوبہ بندی چاہتے ہیں جس میں تمام طبقاتی اختلاف مٹ جائیں اور معاشی اونچ نیچ ختم ہو جائے تو میں آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ رسول عربی کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کریں کہ کس طرح آپ نے قلیل مدت میں ایک بڑی مملکت میں معاشی مساوات قائم کی اور امیر وغریب کے امتیاز مٹا دیئے۔

اگر ہم کسی ایسے نظام عدالت کے لئے بے چین ہیں جو ہر حال میں عدل گستری کو لازم قرار دیتا ہو اس حد تک کہ قریب سے قریب رشتہ وتعلق بھی عدل وانصاف سے برگشتہ نہ کر سکے۔ امیر وغریب اور شاہ وگدا میں کسی قسم کا امتیاز روا نہ رکھتا ہو یہاں تک کہ رئیس الحکومت اور غیر مسلم شہری مساوی حیثیت سے عدالت کے کٹہرے میں کھڑے ہوں تو یقین جانئے یہ گوہر مراد بھی ہمیں سرور کائنات کے دامن گوہر بار سے ملے گا۔

اگر ہم پر امن نظام معاشرت کے لئے بے قرار ہیں جس میں باپ بیٹے کا شفیق اور بیٹا باپ کا اطاعت گزار ہو شوہر اور بیوی میں پر خلوص تعلقات ہوں۔ بھائی بھائی کا خیر خواہ اور پڑوسی پڑوسی کے دکھ درد میں شریک ہو۔ یہاں تک کہ جانی دشمن کی عیادت بھی کی جائے تو یہ تمام پاکیزہ آداب معاشرت بھی ہمیں پیغمبر اسلام کی حیات طیبہ سے ملیں گے۔ صلی اللہ علیہ وسلم تسلیما کثیراً کثیراً

اکیسویں صدی کے مسائل اور ان کا حل
سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں

* پروفیسر ڈاکٹر حافظ عبدالغفور

بیسوی صدی پر ہم نظر ڈالیں تو یہی پتہ چلتا ہے کہ یہ مادی ترقی کی صدی تھی اور اس میں بے پناہ صنعتی ترقی ہوئی مادی اور صنعتی ترقی کے ساتھ ہم نے دیکھا کہ روحانی اور اخلاقی لحاظ سے یہ صدی فروتر رہی استعماری طاقتوں نے طاقت کے بل بوتے نیز مکیاولی کے فلسفے کے زیر اثر کمزور اقوام کا خوب استحصال کیا۔ ان کی اقتصادیات پر قبضہ کر کے خود کو مضبوط اور غنی تر رکھا اور جن کا حق تھا انہیں پائمال دست نگر اور فقیر تر رکھا اس صدی میں مسلمان مملوک رہے اور خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ دو عظیم جنگوں کی وجہ سے مغربی استعماری اقوام کو سیاسی واقتصادی اور معاشی لحاظ سے ایسا دھچکا لگا کہ ان میں مفتوح اقوام کو مزید مغلوب رکھنے کی استطاعت نہیں رہی ممالک آزاد ہوئے اور ان میں اکثر ملک مسلمانوں کے ہیں۔(۱)

جنگ عظیم دوم کے بعد اقوام کا ادارہ قائم ہوا یہ ایک اچھا فورم تھا اس کے ذریعے دنیا میں امن و سلامتی اور خوشحالی آسکتی تھی، لیکن افسوس یہ ہے کہ اس ادارے میں ''جمہوریت'' کی روح کو دبوچ کر رکھا گیا۔ اور طاقتور، سپر پاورز نے اپنے ہاتھ میں ویٹو پاور رکھا، جس کا اثر یہ ہوا کہ ان کی مرضی چلتی رہی اور اقوام عالم کی عظیم اکثریت ان کے غلط فیصلوں کی پابند رہی، وہ فیصلے جو ان طاقتوں کی مرضی پوری کرتے تھے ان طاقتوں نے طاقت کے بل بوتے پر سرد جنگ کے ذریعے در پردہ سازشوں کے تحت زیر دست اقوام کو لڑائے رکھا۔ ہر جنگ میں خون کی ندیاں بہیں اور اس اسلحے کے ذریعے بہیں جو یہ طاقتیں ان ملکوں کو ظاہر یا در پردہ فروخت کرتی تھیں۔

---

* ڈائریکٹر شیخ زید اسلامک سنٹر، پشاور یونیورسٹی

۱۔ تاریخ مسلمانان عالم، صفحہ ۴۷۱

دراصل ان طاقتوں کے اپنے مفادات ہیں بیسویں صدی کی آخری صورتحال یہ ہے کہ امریکہ انتہائی بالاترین سپر پاور بن گیا ہے اور اس کا حریف روس اپنی حماقتوں، غلطیوں کی وجہ سے مغلوب تر اور پست تر ہوتا جا رہا ہے۔ مسلمان ممالک نے اپنے تیل اور وسائل امریکہ کے ہاتھ گروی کر رکھے ہیں۔

اب امریکہ کی خواہشات پوری ہو رہی ہیں جو کچھ وہ چاہتا ہے وہ پورا ہو رہا ہے۔ وہ خاص طور پر اسلام کا دشمن ہے اور مسلمانوں کو نیچا دکھانے کی بھرپور کوشش کر رہا ہے۔ اکیسویں صدی میں یہی صورتحال ہوگی کہ امریکہ اور اس کے حلیف اور بھی طاقتور ہونے کی کوشش کر رہے ہوں گے اور مسلمان ممالک کو مغلوب رکھنے کی کوشش میں ہوں گے۔

چنانچہ اکیسویں صدی میں جو مسائل ہوں گے وہ کچھ ایسے ہوں گے کہ مسلمانوں کو کمزور تر رکھنے کی کوشش جاری ہوگی۔ ان کے اتحاد و اتفاق کو ناممکن بنانے کی کوشش ہوگی۔ ان کو آپس میں لڑایا جاتا رہے گا۔ اور اس طرح ان کے وسائل دولت پر قبضہ ہوتا رہے گا جس طرح کویت کی جنگ میں عربوں کے وسائل پر امریکہ کا قبضہ ہوا اور خلیج اور سعودی عرب کے ممالک میں امریکی اور برطانوی فوجیں "حفاظت" کی خاطر ڈٹی ہوئی ہیں۔ اور ان ممالک کا استحصال جاری ہے اور ان کے وسائل دونوں ہاتھوں سے لوٹے جا رہے ہیں۔

مسلمانوں کو جتنا نقصان ہوا، ہو رہا ہے، ہوتا رہے گا، اسکی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے حضور ﷺ کی تعلیمات اور قرآن کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ اکیسویں صدی میں ان کے لئے سب سے بڑی اہم بات یہ ہوگی کہ

۱۔ صحیح مسلمان بنیں، پوری طرح اسلام میں داخل ہوں (ادخلوفی السلم کافۃ)(۲)

۲۔ ادخلوا فی السلم کافۃ القرآن سورۃ البقرۃ ۲۰۸

۳۔ المسلم من سلم (حدیث صحیح بخاری کتاب الایمان)

۴۔ مثل المومنین فی (حدیث، کتاب البرو والصلوۃ)

اورامر خداوندی کے مطابق عمل کریں۔سنت رسول ﷺ پر پوری طرح کار بند ہوں۔

۲۔ مسلمان آپس میں اتحاد و اتفاق قائم کریں۔مسلمان کے ہاتھوں اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں (۳) وہ ایک جسم کی طرح رہیں (۴) دشمن کے مقابل میں ایک مضبوط دیوار بنے رہیں دیوار میں کوئی رخنہ نہیں ہونا چاہیے۔

۳۔ تمام اسلامی ممالک باہم شیر وشکر رہیں متحد رہیں اپنے اختلافات مٹائیں۔

۴۔ مسلمانوں کے لئے انتہائی ضروری ہے کہ دوسری غیر اسلامی ازموں،عقیدوں سے جان چھڑائیں یہ ان کا فرض ہے کہ وہ صرف اسلام پر قائم رہیں کمیونزم،سرمایہ داری وغیرہ کے بلاکوں سے علیحدہ رہیں ایک اسلامی بلاک قائم رکھیں بیسویں صدی میں مسلمانوں کے ممالک کو اس چیز نے بڑا نقصان دیا کہ کوئی روسی بلاک میں ہے کوئی کسی اور بلاک میں اور انہی بلاکوں کے مفادات کی خاطر انہوں نے دوسرے مسلمان ممالک کو نقصان پہنچایا خود مسلمانوں کے گلے کاٹے۔

۵۔ ایران عراق آپس میں لڑے،عراق کویت پر چڑھ دوڑا یہ ساری استعماری سازش تھی کہ مسلمان کمزور ہوں تاکہ وہ اپنی دولت مغربی اور روی اسلحہ کی خرید پر صَرف کریں ان کے تیل کے وسائل دوسروں کے کام آئیں۔

اکیسویں صدی میں سارے مسلمانوں کو مل کر اختلافات مٹانے کیلئے قرآن وسنت کا سہارا لینا پڑے گا۔

۶۔ اسلامی ممالک غیر اسلامی ممالک سے اچھے تعلقات قائم رکھیں جو ان کے ساتھ دوست رہنا چاہتے ہوں حضور ﷺ نے تمام ممالک کے حکمرانوں کو خطوط لکھ کر عالمی امن کی بنیاد رکھی (۵)

۵۔ تاریخ اسلام شاہ معین الدین،جلد اول صفحہ ۲۰۷

۶۔ آل عمران ۳۰/۶۴

۷۔ آخر جو االیھود و انصاری من جزیرۃ العرب (حدیث)

قرآن نے پورے زور سے کہا "تعالوا الی کلمة سواء بیننا" (۶) یہ عالمی اتحاد کی طرف واضح اشارہ ہے۔

۷۔ مسلمانوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ "اسلحہ" میں خود کفیل ہوں۔ اسلحہ کی وجہ سے طاقتور رہوں۔تا کہ کوئی ان کو میلی آنکھ سے نہ دیکھ سکے۔

۸۔ مسلمان طاقتور ہو کر بھی اللہ تعالیٰ کا مملوک ہوتا ہے۔ وہ بے جا خونریزی، بدمعاشی سے بچتا رہتا ہے اور دوسرے ممالک کی معاشی موت نہیں چاہتا۔

۹۔ حرمین سے یہود و انصار اور مشرکوں کو قرآن اور حضورﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں نکالا جائے۔(۷)

۱۰۔ حرمین کی حفاظت انتہائی ضروری ہے۔ یہ سارے اسلامی ممالک کی اجتماعی ذمہ داری ہے، دشمن خصوصاً اسرائیل کی یہ در پردہ "خواہش" ہے کہ کسی طرح حرمین تک پہنچ سکے۔

۱۱۔ مسلمانوں کو ضرور ایٹمی قوت بننا چاہیے۔ یہ خداوندی منشاء ہے کیونکہ یہ خداوندی امر ہے۔

(الف) اعدوالھم مااستطعتم (۸) (ب) و انتم الاعلون ان کنتم مومنین (۹)

۱۲۔ دنیا میں بے حیائی بڑھتی جارہی ہے اس کے سدباب کے کیلئے مسلمان مل کر کام کریں۔خود کو بھی بے حیائی سے بچائیں۔

۱۳۔مسلمان علوم میں آگے بڑھیں،ٹیکنالوجی اور علم کا حصول جہاں سے بھی ہو ضروری ہے چاہے چین سے ہو، جاپان سے ہو یا کسی بھی جگہ سے ہو۔

۸۔ و اعدوا لھم ما استطعتم (قرآن:الانفال :۶۰)

۹۔ آل عمران ۱۳۹/۳

۱۰۔ لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و الہ وسلم آکل الربو اومنوکلہ و کاتبہ شاھدیہ (مسند احمد بن حنبل، ۱/ ۸۳)

۱۴۔ ''عورت'' کو اپنا اسلامی حق دیا جائے رواجوں کی چکی میں اسے نہ پیسا جائے۔

۱۵۔ مساوات، ہمدردی، باہمی تعاون پر وہی عمل کیا جائے جو حضور ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا۔

۱۶۔ زکوٰۃ پر جو دینی فریضہ ہے، رکن اسلام ہے سختی سے عمل کیا جائے اور صحیح مصرف میں لایا جائے۔

۱۷۔ حج کے اجتماعی فورم سے پورا فائدہ اٹھایا جائے۔

۱۸۔ سودی نظام کا خاتمہ کیا جائے کسب حلال کو رائج کیا جائے۔(۱۰)

۱۹۔ بیسوی صدی میں مغربی ممالک نے خلافت عثمانیہ کا خاتمہ کیا۔ یہ ایک اسلامی علامت تھی اتحاد کا Symbol تھا اکیسویں صدی میں تمام اسلامی ممالک مل کر ایک اسلامی کامن ویلتھ بنائیں۔

۲۰۔ اپنے وسائل یکجا کر لیں۔ ایک دوسرے کی مدد کریں ٹیکنالوجی میں، صنعت میں، زراعت میں، تعلیم میں، علوم میں اسی طرح ہر شعبے میں آگے بڑھیں کسی بھی مرکزی جگہ خلافت کی علامت بنائیں تمام اسلامی ممالک کی ایک سپریم کونسل ہو اور سپریم کونسل کا صدر خلیفہ کے انتخاب میں اس کی صلاحیت فراست سیاسی سوجھ بوجھ اور صالحیت کا خیال رکھا جائے ہر سال حج کے مواقع پر اسلامی ممالک کی سپریم کونسل کا اجلاس بلایا جائے اور پیدا ہونے والے مسائل اسی وقت حل کئے جائیں۔ اگر مسلمان ممالک باہم متحد ہوں گے تو طاغوتی دشمن قوتیں ان سے خوف میں رہیں گی۔

اسلامی خلافت کے ذرائع ابلاغ ٹی وی، ریڈیو قرآن کی تعلیمات کو دیگر اقوام تک پہنچائیں۔ معیاری جرائد، مجلّات اور صحف ہر زبان میں شائع ہوں، قرآن کا عام فہم ترجمہ ہر زبان میں کیا جائے۔

۱۱۔ جمال الدین افغانی (فارسی) علی اصغر علوی ص ۳۴:

قابل لوگوں کے تربیت یافتہ جتھے ہوں جو اسلام کی تعلیمات دنیا میں پھیلائیں ایک خدا کی عبادت پر لوگوں کو مجتمع کیا جائے۔

اسلامی ممالک کا اپنا متحدہ عظیم ائیر فورس ہو، عظیم بحری بیڑا ہو، عظیم فوج ہو، جس کے پاس ہر قسم کا اسلحہ ایٹمی، غیر ایٹمی اور Sofisticated موجود ہو۔ تجارت، صنعت اور زراعت پر مسلمان قابض ہوں۔

............☆............
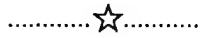
سیرت طیبہ اور عالم اسلام کے عصری مسائل
اکیسویں صدی کے تناظر میں

* پروفیسر ڈاکٹر محمد اشرف شاہین قیصرانی

''کیمیونزم اور مغرب کی مادی اقدار کے مابین اسلام ہی وہ فطری نظام زندگی ہے، جو انسانی روح کو موت سے بچا سکتا ہے''۔(۱)

یہ الفاظ پاکستان کے ایک سابق سربراہ نے آج سے چالیس سال قبل اس وقت کہے تھے جب کیمیونزم کی سرخ آندھی بڑی تیزی سے دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رہی تھی اور مغرب کی تہذیبی چکا چوند نے ہماری آنکھیں خیرہ کر رکھی تھیں۔ آج چالیس برس بعد دنیا اکیسویں صدی کے گلوبل ویلج میں داخل ہو چکی ہے۔ کیمیونزم کی سرخ آندھیاں تھم چکی ہیں اور مغرب کے مفکرین خود بقول اقبالؒ۔

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر نہ کر سکا

اس سوچ میں سرگرداں ہیں کہ مادی طور پر پوری دنیا کو تسخیر کرنے کے باوجود اپنی روحانی تشفی کیسے کریں۔ ابھرتی ہوئی اسلامی تہذیب کا مقابلہ کیسے کیا جائے۔

آج الحمد اللہ سیرت النبی ﷺ کا جگمگاتا چراغ روشنی کی وہ واحد کرن ہے، جو انسان کو ابدی سکون کا راستہ بھی دکھاتا ہے جس سے مادی ترقی کے در بھی روشن ہوتے ہیں۔ بس کچھ کمی ہے تو صرف مسلمانوں میں ہے۔

---

* انچارج شعبہ سیرت چیئر جامعہ بلوچستان۔ کوئٹہ

۱۔ محمد ایوب خان فیلڈ مارشل صدر پاکستان۔ خطاب دارالعلوم، ٹنڈو اللہ یار۔ سندھ ۳۔ ستمبر ۱۹۵۹ء

عصرِ حاضر میں سیرت النبی ﷺ ہی وہ واحد راہنما ہے، جس کے بل بوتے پر ہم اپنے مسائل سے نبرد آزما ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہم سے یہ وعدہ ہے کہ:۔

و انتم الاعلون ان کنتم مومنین

''اگر تم مومن (صادق) ہو تو تم ہی غالب رہو گے''۔(۲)

اور مومن صادق بننے کا خواب اس وقت تک پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا ہے۔ جب تک سیرت النبی ﷺ ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی کو مکمل طور پر نہ ڈھانپ لے۔

قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللہ

''کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا''۔(۳)

اور پھر جب اللہ ہم سے محبت کرنے لگے گا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ کفار و مشرکین ہم پر غالب آ سکیں۔

اب آیئے ان مسائل کی طرف جو دورِ حاضر میں ہمیں درپیش ہیں۔ اگرچہ ان مسائل کی ایک طویل فہرست مرتب کی جا سکتی ہے۔ مگر انہیں چار عنوانات کے تحت تفصیلاً زیرِ بحث لایا جا سکتا ہے۔

1. فکری، اخلاقی اور روحانی مسائل

آج امت مسلمہ کا سب سے اہم مسئلہ فکری، اخلاقی اور روحانی انحطاط ہے۔ اگر مسلمان قرونِ اولیٰ کے اکابرین جیسا فکری، اخلاقی اور روحانی طرزِ عمل اختیار کر لیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اقوامِ عالم کا مقابلہ نہ کر سکیں۔

2. سماجی و ثقافتی مسائل

سیرت النبی ﷺ سے کما حقہ استفادہ نہ کرنے کے سبب ہمارا سماجی ڈھانچہ نت نئے مسائل کا شکار ہے۔ مغربی تہذیب کے اثرات، بنیاد پرستی کے مبہم طعنے، قوم پرستی، نام نہاد ترقی پسندی اور لبرل ازم جیسے مسائل نے ہمارے سماجی اور ثقافتی ڈھانچے کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ سیرت النبی ﷺ کی پیروی

۲۔ آل عمران ۳. ۱۳۹

۳۔ آل عمران ۳. ۳۱

ہی ہمیں ان مسائل سے نجات دلا سکتی ہے۔ لیکن کس طرح ؟

3. اقتصادی مسائل

مسلم امت کو درپیش مسائل میں اقتصادی پہلو بھی بے حد اہمیت کا حامل ہے۔ سائنس، ٹیکنالوجی اور علم و ہنر دنیاوی پیشوائی کے لئے ازبس لازم ہیں۔ سیرت النبی اس ضمن میں ہماری کیا راہنمائی کرتی ہے۔ اور ہمیں اس سے کس طرح استفادہ کرنا چاہیے۔

4. سیاسی مسائل

عالم اسلام نیو ورلڈ آرڈر کے تناظر میں شدید سیاسی بحران کا شکار ہے۔ اس ضمن میں سیرت النبی کس طرح قومی اور بین الاقوامی سطح پر ہماری مدد و معاون ہو سکتی ہے کہ ہم ان مسائل سے نجات حاصل کر کے اپنی قوت کو بین الاقوامی سطح پر تسلیم کرا سکیں۔

الف۔ فکری، اخلاقی اور روحانی مسائل

فکری حوالے سے اکیسویں صدی کے تناظر میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ اپنے فقہی اور گروہی اختلافات کو فراموش کر کے اسلامی افکار کا وہی رویہ اختیار کریں جو خود شارعِ اسلام آنحضرت محمد ﷺ اور خلفائے راشدین نے اختیار فرمایا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدین کے دور میں پیش آمدہ مسائل کا حل قرآن و سنت کی روشنی میں مصالح امت اور مصالح وقت کو مدنظر رکھ کر تلاش کیا جاتا تھا۔ فقہائے متقدمین نے بھی اسی انداز کو جاری رکھا لیکن ہم نے اجتہاد کا دروازہ بند کر کے فقہائے متقدمین کے کام کو حتمی سند اور قطعی حکم کے مترادف قرار دے دیا۔ نتیجتاً اسلامی افکار پر ایسا جمود اور تعطل طاری ہوا، جس سے فقہی اور گروہی اختلافات نے تو نشو و نما پائی لیکن اسلامی افکار کے آئینے میں وہ تدابیر اختیار نہ کی جا سکیں جو اسلام کا طرہ امتیاز تھیں۔ لہٰذا شاہ ولی اللہؒ اور علامہ اقبالؒ نے خصوصاً تدابیر منزل اور اسلامی افکار کی تشکیل نو کی ضرورت پر زور دیا۔ (۴)

لہٰذا اکیسویں صدی کے تناظر میں ہماری یہ بنیادی ذمہ داری ہے کہ پیش آمدہ مسائل کا حل قرآن و

۴۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللّٰہ البالغہ بحث (تدابیر نافعہ)

سنت وسیرت النبی ﷺ کی روشنی میں اسطرح تلاش کیا جائے کہ تمام امت مسلمہ کے مفکرین اپنے فقہی مسالک سے بالاتر ہوکر اپنے اقتصادی، سماجی اور سیاسی مسائل حل کرسکیں۔

(ب) جہاں تک ہماری اخلاقی صورت حال کا تعلق ہے، الحمد اللہ! انفرادی طور پر ہم آج بھی نام نہاد ترقی یافتہ اقوام پر یک گونہ برتری رکھتے ہیں۔ مگر اجتماعی معاملات میں بالخصوص ہمارا شمار کرپٹ اقوام میں ہوتا ہے۔ یہ دراصل وہ دورنگی ہے، جو سیرت النبی ﷺ پر عمل پیرا نہ ہونے سے ہم میں رائج ہوگئی ہے۔

آنخضرت ﷺ کی سیرت طیبہ پر نظر ڈالیں تو آپ کا سب سے بڑا وصف قرآن پاک یہ بیان کرتا ہے کہ:۔

و انک لعلی خلق عظیم

اور آپ کے اخلاق بڑے عالی ہیں۔(۵)

اور

وما ارسلنک الا رحمة للعالمین

ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔(۶)

پھر خود آنخضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

بعثت لا تمم مکارم الاخلاق

مجھے مکارم اخلاق کی تکمیل کیلئے بھیجا گیا۔(۷)

اور ہم نے ان کے درمیان خود ان میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں ہماری آیات سناتا ہے، ان کا تزکیہ نفس کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔(۸)

''ہم نے رسول واضح نشانیاں دے کر بھیجے اور ان کے ساتھ قرآن اور میزانِ عدل اتاری تا کہ

۵۔ التعلم ۶۸.۴

۶۔ الانبیاء ۲۱.۱۰۷

۷۔ موطا امام مالک

۸۔ آل عمران. ۳:۱۶۴

انسانوں میں انصاف قائم کریں''۔(۹)

"وہی ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اس کو تمام نظام ہائے زندگی پر غالب کردے"۔(۱۰)

آپ ﷺ کے انہی اخلاقی اوصاف ہی کی برتری تھی کہ آپ ﷺ کو دیگر انبیاء پر فضیلت دی گئی ہے اور اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ ایک قلیل مدت میں آپ ﷺ کو مخلص صحابہ کرام کی ایک کثیر تعداد فراہم ہوگئی۔ جن کی اخلاقی برتری ہی دنیا میں اشاعتِ اسلام کا سبب بنی۔ وہ نہ صرف انفرادی حسنِ خلق کے پیکر تھے بلکہ اجتماعی معاملات میں بھی کوئی ان کے اخلاق و کردار پر حرف گیری نہیں کرسکتا تھا۔

اب سوال یہ ہے کہ ہم عصر حاضر میں کس طرح اپنی دوعملی کو ختم کر کے اقوامِ عالم سے اپنی برتری کا لوہا منواسکتے ہیں۔ سیرت النبی کی روشنی میں یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ یہ مقصد اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتا جب تک ہم ایک جدید اسلامی فلاحی ریاست کا قیام عمل میں نہ لائیں۔ اسی لئے اسلام افلاطون اور ارسطو سے اس بات پر متفق ہے کہ:

''ایک عادل ریاست کا قیام اجتماعی عدل اور فرد کی خوشحال زندگی اور تکمیلِ ذات کے لئے ناگزیر شرط ہے''۔(۱۱)

(ج) ہماری اخلاقی ژولیدگی کے پس پردہ ہمارے روحانی عوامل بھی ہیں۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ:

الا و ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله و اذا فسد فسد الجسد کله الاوهی القلب.(۱۲)

''(آگاہ رہو۔ جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جس وقت وہ درست ہوتا ہے سارا جسم درست ہوتا ہے۔ اگر وہ بگڑ جائے تو سارا بدن بگڑ جاتا ہے۔ آگاہ رہو۔ وہ دل ہے)''

۹۔ الحدید: ۵۷:۲۵

۱۰۔ التوبه: ۹:۳۳

۱۱۔ خلیفہ عبدالحکیم اسلام کا نظریہ حیات ص۲۹۶

۱۲۔ مشکوٰة المصابیح. کتاب البیوع. باب طلب الحلال

دل کی درستگی کا نسخہ کیمیا توحید باری تعالیٰ پر ایمان ہے۔ یہی وہ بنیاد ہے جس پر خوف اور غم سے نجات پا کر روحانی اور مادی ترقی کی عمارت تعمیر ہوتی ہے۔

اسلام کے نزدیک زندگی ایک وحدت ہے۔ اس کی نظر میں تمام شعبہ ہائے زندگی ایک دوسرے کے ساتھ مربوط اور منسلک ہیں۔ عظیم تر ملت کی تعمیر کے لئے بنیاد صرف توحید سے ہی فراہم ہوسکتی ہے۔ بقول اقبال ؂

''جدید تمدن عالمی اتحاد کے لئے توحید کو بنیاد بنا سکتا ہے اور اسلام ایک مکمل نظامِ حیات کی حیثیت سے اس اصول کو انسانی ذہن میں زندہ شکل دے سکتا ہے اسلامی تعلیم کے مطابق خدا کے ساتھ وفاداری ضروری ہے نہ کہ تخت و تاج کے ساتھ اور چونکہ ہر زندگی کی اصل روحانی اساس ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔ اس لئے باری تعالیٰ سے وفاداری کا مطلب انسان کی خود اپنی ذات اور فطرت سے وفاداری ہے'' (۱۳)

یہی عقیدہ توحید ہے جو تمام رجعت پسند قوتوں کا استحصال کر کے انسان کو ایسی روحانی اقدار فراہم کرتا ہے۔ جس سے ایک طرف امت مسلمہ اتحاد و اتفاق کا پیکر بن جاتی ہے اور دوسری طرف انسان کے ذہن سے خوف و غم کے بادل بھی چھٹ جاتے ہیں۔

الا ان اولیآ ء اللّٰہ لا خوف علیھم و لا ھم یحزنون الذین امنوٰ و کانو یتقون (۱۴)

''یاد رکھو جو اللہ کے دوست ہیں ان کے لئے نہ تو کسی طرح کا خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے (یعنی) وہ ایمان لائے اور پرہیز گار رہے۔ اور ایسے ہی لوگ انعاماتِ خداوندی کے مستحق ہوا کرتے ہیں''۔

انعم اللّٰہ علیھم من النبیین و الصدیقین و الشھد آء و الصالحین (۱۵)

''جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات نازل کئے وہ انبیاء صدیقین شہداء اور صالحین ہیں''۔

۱۳۔ The reconstruction of religiousthorugh in Islam (اقبال) ص۔۱۴۰

۱۴۔ یونس ۱۰۔ ۶۲/۶۳

۱۵۔ النساء ۴۔ ۶۹

غرض یہ کہ فکری، اخلاقی اور روحانی مسائل کا حل تعلیمات نبوی ﷺ پر عمل پیرا ہونے میں ہے۔ مگر اس کی عملی تعبیر کے لئے ہمیں اپنا نظام تعلیم، نظام معیشت، نظام معاشرت اور نظامِ ریاست بدلنا ہوگا۔ یہ درست ہے کہ یہ عمل خاصا دشوار اور طویل ہے۔ مگر چودہ سو سال کے اثرات کی اصلاح کے لئے اکیسویں صدی کے آغاز سے ہی اگر تطہیر و تعمیر کا مصمم ارادہ کرلیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس تیز ترین دور میں ہم اپنا مقصد حاصل نہ کرسکیں۔ ویسے بھی دنیا بھر میں ابھرتی ہوئی اسلامی تحریکیں اس بات کی غماز ہیں کہ وہ وقت دور نہیں جب امت مسلمہ کم از کم فکری طور پر یکجہتی اور یکسوئی اختیار کرے گی۔

2۔ سماجی وثقافتی مسائل

ہمارے سماجی وثقافتی مسائل میں خاندانی نظام کی شکست وریخت، عالمی میڈیا کی ثقافتی یلغار، لسانی اور گروہی اختلافات، قوم پرستی، مادہ پرستی، نام نہاد ترقی پسندی، مغرب زدگی اور مغربلی سے محاظ آرائی سرِ فہرست ہیں۔ جدیدیت یعنی (Modernization) سے انکار نہیں۔ ہمیں اکیسویں صدی کے تقاضوں کا ساتھ بہر حال دینا ہے۔ لیکن اپنے سماجی ڈھانچے کو بھی محفوظ رکھنا ہے۔ اور ثقافتی اقدار کا بھی تحفظ کرنا ہے۔ ان حالات میں ہمیں رسول ﷺ کی سیرت طیبہ کو ایک نئے انداز سے اپنانے کی ضرورت ہے۔

آپ ﷺ کی بعثت ایک ایسے معاشرے میں ہوئی تھی۔ جس کی حالت ہر اعتبار سے ابتر تھی۔ آپ ﷺ نے مکی زندگی میں بالخصوص اور مدنی زندگی میں بالعموم سماجی اور ثقافتی اصلاح کی طرف خصوصی توجہ دی۔ آپ ﷺ نے اس امر کی طرف خصوصی توجہ دی کہ افراد ذہنی اور اخلاقی طور پر اتنے پاکباز ہوں کہ ریاست اور قانون کی کم سے کم مداخلت کے باوجود بھی وہ صحیح راستے پر چلیں۔ (۱۶)

اسی طرح آپ ﷺ کا طریق تربیت یہ بھی تھا کہ لوگ ایمانی قوت سے مالا مال ہوں اور مادہ پرستی سے متنفر ہوں۔ پھر باہمی ہمدردی احسان و ایثار، شجاعت وحمیت صبر و استقامت، عفو درگزر، حلم و بردباری، سخاوت و فیاضی حسنِ اخلاق، صدق وتوکل، رواداری اور حسنِ ظن جیسے اخلاقی اوصاف سے متصف ہوں۔ لوگوں کا رخ ایسی تعلیمات کی طرف موڑا جائے جس سے یہ صفات ان میں بدرجہ اتم پیدا ہو جائیں۔ (۱۷)

۱۶۔ البقرہ: ۲: ۱۷۷۔ النساء ۴: ۱۰۰، ۲۹، ۳۶

۱۷۔ آل عمران ۳: ۲۰۰۔ النساء ۴: ۵۴

فرقہ پرستی گروہی اور لسانی اختلافات نے ہمارے اتحاد و اتفاق کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ ان اختلافات کے باعث آپس کا لین دین اور محبت واخوت کے عنصر کو ملیامیٹ کر دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے تمام اختلافات کو مٹا کر آفاقیت اور انسان دوستی کا درس دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔

''ساری مخلوق اللہ کے کنبے کی طرح ہے''۔ (۱۸)

آپ ﷺ نے تعصب پر جان دینے تعصب کی طرف بلانے اور تعصب پر جنگ کرنے والوں کے بارے میں فرمایا کہ وہ ہم میں سے نہیں۔ (۱۹) آپ ﷺ نے مومن کی جان و مال اور آبرو کو ایک دوسرے کے لئے حرام قرار دیا (۲۰) تعلیم وتربیت کی طرف حضور ﷺ کی توجہ کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ نے **انما بعثت معلما** (۲۱) فرما کر تمام عمال حکومت اور علماء کو تعلیم، تبلیغ اور تزکیہ وتربیت کی طرف خصوصی توجہ دلائی اور سب کو عوام کی تعلیم وتربیت کے لئے یکساں ذمہ دار قرار دیا۔ (۲۲)

آج ہمیں اپنے سماجی اور ثقافتی مسائل کے حل کے لئے بھی آنحضرت ﷺ کے ان اقدامات پر بھر پور عمل کی ضرورت ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے جدید آلات سے ہی فلاح اور اصلاح کا کام لیا جائے۔ اسلامی پروگرام اخلاقیات پر مبنی ڈرامے اور فلمیں، نصاب تعلیم کی تشکیل نو، اساتذہ کی تربیت، حکمرانوں کا طرز عمل، رشوت سفارش، اقرباء پروری کا خاتمہ، عدل و انصاف کی ترویج، میرٹ کا تقدس اور پولیس کی اصلاح ایسے اقدامات ہو سکتے ہیں۔ جن سے ہمارے سماجی اور ثقافتی مسائل کو حل کرنے میں کما حقہ مدد مل سکتی ہے۔

3۔ اقتصادی مسائل

بلاشبہ آج کی دنیا معاشی مسابقت کی دنیا بن چکی ہے۔ ترقی یافتہ مغربی ممالک دنیا بھر کو بالعموم اور عالم اسلام کو بالخصوص اپنی صنعتی پیداوار کی کھپت کے لئے اپنی منڈی بنانے کی تگ ودو میں مصروف ہیں۔ مگر

۱۸۔ مشکوٰۃ المصابیح

۱۹۔ سنن ابی داؤد۔ جلد دوم ص۶۲۰

۲۰۔ صحیح مسلم باب تحریم ظلم المسلم و خزله

۲۱۔ مشکوۃ، باب العلم

۲۲۔ ابن سعد الطبقات الکبریٰ

امت مسلمہ کا المیہ یہ ہے کہ بیشتر اسلامی ممالک بے شمار مادی وسائل کے باوجود اندرونی اور بیرونی طور پر ان گنت اقتصادی مسائل کا شکار ہیں ۔ یہ حقیقت ہے کہ اسلام کی معاشی تعلیمات اسی معاشرے میں رو بہ عمل آسکتی ہیں جو اخلاقی طور پر مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر استوار ہو۔لیکن اخلاق سے عاری معاشرے میں ان تعلیمات کو کیسے نافذ کیا جائے ۔؟ یہ سوال آج بھی اپنی جگہ بہت اہم ہے یہی وجہ ہے کہ ہمارے روشن خیال مفکرین یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ۔

''وہ مسلم ممالک جہاں زکوٰۃ اور عشر کا مرکزی اور حکومتی نظام قائم ہوان کے معاشرے میں اس نظام سے ذرہ برابر تبدیلی نہیں آئی بلکہ اس کا نقصان یہ ہوا کہ یہ ادارے بعض حکمرانوں کے سیاسی استحکام میں ایک وسیلہ اور ذریعہ کی حیثیت سے استعمال ہوئے یا سیاسی حکومت کو اخلاقی جواز مہیا کرنے میں ۔ اسلام کو خاص طور پر قانون وراثت ، نظام زکوۃ ، آبادی اور ملکیت زمین کے مسائل پر تخلیقی کام کرنا ہوگا۔خاص طور پر جاگیردارانہ نظام کے ان پہلوؤں پر جہاں وہ مذہب کے نام پر اپنا جواز پیدا کرتے ہیں'' ۔(۲۳)

یہ تو رہی اندرونی صورتحال بیرونی صورتحال بھی خاصی گھمبیر ہے۔اسلامی ممالک نہ تو کوئی مشترکہ معاشی منڈی رکھتے ہیں، نہ موثر بینکاری نظام، نہ باہمی امداد تعاون کا کوئی موثر نظام ہے نہ ایک دوسرے کے وسائل سے استعفادہ کرنے کوکوئی لائحہ عمل امت مسلمہ کا بیش بہا سرمایہ اور قیمتی وسائل مغربی ممالک کے رحم وکرم پرنہیں۔اقتصادی مسائل ہی کے حوالے سے امت مسلمہ کا ایک اہم مسئلہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں ہماری پسماندگی بھی ہے۔

اگر ہم اپنے اسلاف کے کارناموں کا جائزہ لیں ،تاریخ ،فلسفہ، سائنس ،فلکیات، ادب ،طب اور فنون لطیفہ غرضیکہ وہ کونسا علم و ہنر کا شعبہ ہے جس میں مسلمانوں کے کارہائے نمایاں تاریخ کا حصہ نہیں۔ صرف سائنس ہی کو لیجئے۔خوارزمی جابر بن حیان ابن الہیثم ،موسیٰ بن شاکر، الکندی، بوعلی سینا اور نہ جانے اور کتنے سائنسدان ، ریاضی دان، کیمیادان اور ماہرین طب اس امت نے پیدا کئے مگر اکیسویں صدی میں

۲۳۔ العارف (لاہور) اپریل جون ۱۹۹۴ء

داخل ہوتے ہوئے اس میدان میں امت مسلمہ کی زبوں حالی محتاج بیان نہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ سیرت النبی ﷺ ہی سے خوشہ چینی کرتے ہوئے علم و ہنر کا راستہ اپنایا جائے۔

آنحضرت ﷺ جس معاشرہ میں مبعوث ہوئے اس میں تعلیم تقریباً ناپید تھی۔ لیکن آپ ﷺ کا علم کی مجالس میں بیٹھ کر لوگوں کو حصولِ علم کی ترغیب دلانا صفہ جیسا ادارہ قائم کرنا، ہر مسلمان (مرد، عورت) کو علم حاصل کرنے کی تلقین کرنا اور خود کو معلم کہلوا کر معلم کی تعظیم و توقیر میں اضافہ کرنا۔ آپ ﷺ کی ایسی تعلیمات ہیں جن سے سیرت النبی میں حصول علم اور تعلیم و تعلم کی اہمیت اور افادیت کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے پھر قرآن پاک کی کتنی ہی آیات ہیں جن سے علوم و فنون کی جانب راہنمائی ملتی ہے۔ تسخیر کائنات اور مظاہر فطرت کی بوقلمونیوں کی جانب توجہ مبذول ہوتی ہے۔ اور یہ بات بلا خوف و تردید کی جا سکتی ہے کہ:

قرآن پاک تمام علوم کا سرچشمہ ہے۔ جو اس سے ہدایت لے گا یہ اسے تمام علوم کے حصول کی طرف راہنمائی کرے گا۔ (۲۴)

اقتصادی میدان میں اگر آنحضرت ﷺ کے اقدامات کا جائزہ لیا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ مدینہ کی اسلامی ریاست ابتداء میں معاشی پس ماندگی کا شکار تھی۔ مہاجرین مکہ کی تجارت منقطع ہو چکی تھی۔ علاوہ ازیں انصار مدینہ پر پہلے سے یہودیوں کی معاشی بالادستی قائم تھی۔ اس طرح ایک طرف تو مشرکین مکہ سے واسطہ تھا تو دوسری طرف یہود مدینہ سے جو مدینہ کی تجارت پر چھائے ہوئے تھے اور سودی کاروبار کرتے تھے۔ (۲۵)

آپ ﷺ نے ان استحصالی قوتوں کے معاشی چنگل سے نکلنے کے لئے مدینہ میں اسلامی تجارت کو فروغ دیا۔ زرعی پیداوار میں اضافے کا رجحان پیدا کیا اور سعودی کاروبار کا خاتمہ کیا۔ اس کے علاوہ مشرکین اور یہود کی تجارتی اجارہ داری کے خاتمے کے لئے تجارتی راستے پر آباد قبائل سے امن معاہدے کئے۔ تجارت اور صنعت و حرفت کی طرف مسلمانوں کو ترغیب دلائی۔ صنعت و حرفت کو پاک ترین روزی اور

۲۴۔ خطبات بہاولپور (ڈاکٹر حمید اللہ)

۲۵۔ صحیح بخاری۔ کتاب المغازی

تجارت کو بہترین معاش قرار دیا آپ نے فرمایا:۔

''جو شخص تجارت کرتا ہے اس کے یہاں خیر و برکت اور بھلائی پیدا ہوتی ہے۔''(۲۶)

آپ ﷺ نے بازاروں اور منڈیوں پر چند افراد کی اجارہ داری کا سد باب فرمایا۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ نے بیع الحاضر للبادی سے منع فرمایا۔ آپ نے تجارتی بدعنوانیوں کی روک تھام کے لئے مختلف افراد کو بازاروں پر نگران مقرر کیا۔ آپ ﷺ نے ذرائع نقل و حمل کو آسان بنایا۔ اس سلسلے میں معاہدات فرمائے اور ذرائع نقل و حمل میں مشکلات ڈالنے والوں کے خلاف کاروائی کی۔ آپ ﷺ کے ان اقدامات کا یہ نتیجہ نکلا کہ مسلمانوں نے تجارتی میدان میں خوب ترقی کی اور اس طرح اسلامی ریاست کی معیشت مستحکم ہوئی۔

آپ ﷺ نے ملاوٹ ذخیرہ اندوزی رشوت خوری، ناپ تول میں کمی، رِبا، اسراف، تبذیر، کام چوری اور گداگری وغیرہ جیسے قبیح افعال کو ممنوع قرار دیا۔ دینے والے ہاتھ کے لینے والے ہاتھ سے افضل قرار دیا۔ رزق حرام اور حب دنیا کی مذمت کی۔ رزق حلال اور کسب معیشت کے لئے ترغیب دی۔ کفالت عامہ اور عوام کی فلاح و بہبود کے لئے خود کو لاوارث کا وارث قرار دیا۔

آپ ﷺ کے عہد میں ریاست کی آمدنی غریبوں، اپاہجوں، بیواؤں، ناداروں کے علاوہ رفاہِ عامہ کے کاموں پر بھی خرچ کی جاتی تھی۔ امیروں سے زکوٰۃ لے کر غریبوں پر خرچ کی جاتی تھی۔ لیکن اگر اس سے کفالت عامہ نہ ہو تو آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ غرباء اور مساکین زکوۃ و صدقات کے علاوہ بھی دولت مندوں کی دولت پر حق رکھتے ہیں۔ آپ کی انہی تعلیمات کا اثر تھا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ بیت المال کی رقم سے مسلمانوں میں برابر تقسیم فرماتے تھے۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں بچوں کے وظائف مقرر کئے گئے۔ بوڑھے اور معذور ذمیوں کا جزیہ بیت المال سے ادا کیا گیا۔ یعنی اسلامی بیت المال سے مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم مستحقین کو بھی امداد دی جاتی تھی۔

۲۶۔ کنز العمال۔الفصل الثالث فی انواع الکسب

حضرت خالد بن ولیدؓ نے حیرہ کے غیر مسلم باشندوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا اس میں یہ شق شامل تھی کہ اگر غیر مسلم رعایا میں سے کوئی معمر ہوگا یا غریب وافلاس کا شکار ہوگا تو نہ صرف اس کا جزیہ معاف کیا جائے گا بلکہ جب تک وہ اور اس کے زیر کفالت لوگ اسلامی ریاست کی حدود میں رہیں گے بیت المال سے اس کی مالی امداد کی جائے گی۔

حضرت عمرؓ نے قومی خزانے کی حیثیت اور اس پر حکام اور رعایا کے حقوق کا تذکرہ بھی کس قدر جامع اور دوٹوک الفاظ میں فرمایا کہ:

اے لوگو! میرے اور آپ کے مال کا وہ تعلق ہے جو یتیم کے مال اور اس کے ولی کے درمیان ہوتا ہے۔ اگر میں مالدار ہوں گا تو بیت المال سے کچھ نہ لوں گا۔ اور اگر فاقہ کی نوبت آجائے تو عام رواج کے مطابق کھانے کے لئے لے لوں گا۔ مجھ پر تمہارے بہت سے حقوق ہیں جن کے لیے تم مجھ سے مطالبہ کر سکتے ہو۔ (۲۷)

اسی طرح حضرت عمرؓ کا یہ بھی معمول تھا کہ آپ اکثر مدینہ کے باہر تشریف لے جاتے تھے اور اگر کسی شخص کو اس طرح کا کام کرتے دیکھتے جو اس کی برداشت سے باہر ہوتا تو اس کے آجر کو اس کی طاقت کے مطابق کام لینے کا حکم دیتے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے محتسب بھی مقرر کر رکھے تھے۔ ایک بار آپ کو یہ اطلاع ملی کہ ایک آجر بیمار مزدوروں کی عیادت کو نہیں جاتا۔ آپ نے محتسب کو ہدایت کی کہ آجر سے باز پرسی کی جائے۔ اور اس کو ایک طبیب مقرر کرنے کی فہمائش کی جائے اور اگر اس کی آمدنی طبیب کا بوجھ نہ اٹھا سکے تو بیت المال کی طرف سے فوراً طبیب مقرر کر دیا جائے۔ (۲۸)

ان تعلیمات واقدامات سے بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ ہمارے لئے اقتصادی مسائل کے حل کا منہاج کیا ہونا چاہیے ڈاکٹر منظور احمد کا یہ خیال برکسی طور پر درست معلوم ہوتا ہے۔ اکیسویں صدی میں بھی سیاسی حاکمیت اور سیاسی غلبہ معاشی ترقی کے سائے میں آگے بڑھے گا۔ جن قوموں، تہذیبوں اور ملکوں کے

۲۷۔ علامہ شبلی نعمانی۔ الفاروق حصہ دوم ص ۲۵۹

۲۸۔ محمد ایوب قادری ''اسلام کا نظام اقتصاد'' مطبوعہ نقوش رسول نمبر جلد ۹، ص ۳۵۸

پاس معاشی ترقی کا کوئی قابل عمل اور واضح نقشہ موجود نہ ہوگا۔ان کا مستقبل درخشاں نظر نہیں آتا۔(۲۹)

4۔ سیاسی مسائل

الف مسلم ریاستوں کے داخلی مسائل

ب عالم اسلام کے باہمی تعلقات

ج عالم اسلام کے خارجی مسائل

(الف) اکیسویں صدی کے تناظر میں جدید اسلامی فلاحی ریاستوں کا قیام ناگزیر ہے۔محمد عربی ﷺ نے ایک قلیل مدت میں اسلامی نظریات کے عین مطابق ایک جدید فلاحی انقلابی ریاست قائم کی اور پورے عرب کو اس کے زیر سایہ لانے میں کامیاب ہو گئے کیونکہ افراد کی سیرت کی تشکیل معاشرے اور ریاست سے باہر ممکن نہیں۔(۳۰)

داخلی سیاسی مسائل کے حل کے لئے تین چیزیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔

i) سیرۃ النبی کے مطابق سیاسی نظام کی تشکیل نو

ii) امن امان کا قیام

iii) ریاستی اداروں کی اصلاح

اس وقت تقریباً تمام مسلم ریاستوں میں ملوکیت، جاگیرداری، سرمایہ داری یا مغربی جمہوریت کے ذریعے حکومتیں بنتی اور بدلتی ہیں۔ جبکہ اسلام کے سیاسی نظام میں ان عوامل کا سرے سے کوئی دخل ہی نہیں۔ بلکہ اسلام کا تو پیغام ہی طبقاتی امتیاز کا خاتمہ تھا۔ ہمارے ایک روشن خیال مفکر خلیفہ عبدالحکیم مرحوم نے لکھا تھا کہ:

کوئی جمہوریت جو اسلامی ہونے کی دعویدار ہو، وہ نہ برطانوی نمونے کی ہوگی اور نہ روسی ان میں پہلی تو دو یا زائد جماعتوں کے تصادم پر مبنی ہے اور دوسری صرف ایک جماعت کے اقتدار کی اجارہ داری

۲۹۔ڈاکٹر منظور احمد۔''مستقبل میں اسلام کی تفہیم اور اکیسویں صدی میں ہمارا کردار'' ص ۱۲۸

۳۰۔الطاف جاوید جدید اسلامی ریاست اکیسویں صدی کے تناظر میں ۶۷ مطبوعہ العارف لاہور جنوری مارچ ۱۹۹۵ء ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور۔

ہے۔ جو کسی اختلاف کو برداشت نہیں کر سکتی۔ اگر کوئی اسلامی حکومت اسلامی اصول پر اسمبلی یا کسی پارلیمنٹ کو تشکیل دے تو اس کے مذہبی پیشواؤں کی انجمن بن جانے کا خطرہ نہیں۔ اسلامی معاشرہ ایک غیر طبقاتی معاشرہ ہے کیونکہ یہاں کوئی مذہبی انجمن اور طبقات خاص رعایت اور مفادات کے ساتھ نہیں ہیں۔ لیکن اصحاب علم اور اہل دانش میں ارکان مجلس کے انتخاب کا کوئی طریقہ ہونا چاہیے۔ سیاسیات میں مال و دولت کو کوئی دخل نہیں ہونا چاہیے۔ ورنہ برائے نام جمہوریت اور عملی طور پر اہل ثروت کی ریاست ہوگی۔ (۳۱)

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے اوّلین خطبہ خلافت میں فرمایا تھا:

''لوگو! میں تمہارا والی مقرر کیا گیا ہوں میں تم میں سے بہتر نہیں ہوں اگر میں اچھائی کروں تو میری مدد کرو۔ اگر غلط کروں تو مجھے درست کرو۔ تم میں جو ضعیف ہے وہ میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ اس کا حق دلوا دوں اور قوی ضعیف ہے، یہاں تک کہ اس سے غریب کا حق لے لوں۔ میری اطاعت کرو۔ اس وقت تک جب تک کہ میں اللہ اور رسول کی اطاعت کروں۔ اور اگر میں اللہ اور رسول کی اطاعت نہ کروں تو تم پر میری اطاعت واجب نہیں''۔ (۳۲)

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا ہمارا سیاسی ڈھانچہ ایسے خطوط پر استوار ہے جو ہمیں ایسے حکمران دے سکے جو حضرت صدیق اکبرؓ جیسا نصب العین اور روشن فکر رکھتے ہوں۔

ii. داخلی سیاسی مسائل کے ضمن میں ہمیں درپیش دوسرا اہم مسئلہ امن و امان کے قیام سے متعلق ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے اسلامی ریاست کی بنیاد رکھتے ہی داخلی امن کی طرف توجہ فرمائی۔ فساد پھیلانے والوں کے خلاف سخت سے سخت کاروائی فرمائی۔ اور آپ کا یہ فرمان سچ ہو کر رہا کہ:۔

ایک وقت ایسا آئے گا جب صنعا یمن سے ایک محمل نشین خاتون تنہا سفر کرے گی۔ اور اس کو خدا کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا (۳۳)

iii. داخلی سیاسی مسائل کے ضمن میں ہمارا تیسرا اہم مسئلہ ریاستی اداروں کا استحکام اور اصلاح ہے

۳۱۔ خلیفہ عبدالحکیم۔ اسلام کا نظریہ حیات ص ۲۹۵

۳۲۔ ابن سرور۔ طبقات الکبری ج ۳ ص ۱۲۹

۳۳۔ بخاری۔ کتاب المناقب باب علامات النبوۃ فی الاسلام

آنحضرت ﷺ نے ریاست میں قائم کردہ تمام شعبوں کے استحکام پر خصوصی توجہ دی۔

اسی ضمن میں سیرت النبی ﷺ اور خلافت راشدہ کی راہنمائی حسب ذیل ہے۔

- سرکاری ملازمین کا تقرر اہلیت اور استحقاق کی بنیاد پر کیا جائے۔
- سفارش اور اقرباء پروری کے عناصر کا قلع قمع کیا جائے۔
- تمام حکام اور ذمہ دار افسران وملازمین کے طرز عمل اور کردار کی کڑی نگرانی کی جائے۔
- افسران وملازمین کے اثاثوں کا جائزہ لیتے رہنا چاہیے۔
- افسران وملازمین کے خلاف عوام کی شکایات کا فوراً ازالہ کیا جائے۔
- سرکاری خزانے میں کسی بھی قسم کی لاپرواہی، کوتاہی اور خورد برد کرنے والے ذمہ داران کو سزا کا مستحق سمجھا جائے۔
- انصاف واحتساب کے معاملے میں حاکم ومحکوم، امیر وغریب اور افسر وماتحت سب کے ساتھ ایک جیسا اور مساوی سلوک کیا جائے۔
- حکام، افسران اور ملازمین سب کو سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور خلفائے راشدین کے طرز بود و باش، سادگی میانہ روی اور سرکاری خزانے کے بے تحاشا استعمال سے گریز کرے جیسے اقدامات کو اپنانا چاہیے۔

(ب) عالمِ اسلام کے باہمی تعلقات

21 ویں صدی کے تناظر میں سب سے اہم سیاسی مسئلہ عالم اسلام کے باہمی تعلقات کا ہے۔

آج سے بیس برس قبل پندرھویں صدی ہجری کے آغاز پر ایک معروف اسلامی دانشور نے کہا تھا:۔

''اس وقت مسلم ممالک نے جن بنیادوں پر خود کو تقسیم کیا ہوا ہے وہ سراسر غیر مناسب ہیں۔ چنانچہ افغانستان سے لے کر عرب اور افریقہ تک عام طور پر باہمی بےتعلقی کا عالم ہے۔لہٰذا قدرتی طور سے حضور ﷺ اپنی امت کو آج بھی وہی فرمائیں گے، جو عربوں سے فرمایا تھا اور اتحاد کی نعمت کی بشارت دے کر افراق سے بچنے کی تلقین کریں گے......جس طرح حضور ﷺ کے زمانے میں اتحاد واقعی ایک نعمت عظمیٰ

ثابت ہوا تھا، اور آپ کی امت دیکھتے ہی دیکھتے ساری دنیا پر چھا گئی تھی۔ آج بھی نعمت اتحاد و اتفاق اپنے اندر ویسے ہی روشن احکامات رکھتی ہے۔ بلا شبہ چودھویں صدی میں زوال کے سائے گہرے رہے۔ مگر پندرھویں صدی جملہ قرائن کی رو سے امید افزا صدی ہے۔ یہ اس شرط سے ہے کہ مسلمان اپنے روحانی رشتوں کو اپنے اتحاد کی اساس قرار دے لیں۔ اور ان رشتوں کے تابع وسائل مادی کی تنظیم کر کے خود کو ایک بنیانِ مرصوص بنالیں''۔(۳۴)

بہر حال سیرت النبی ﷺ کا پیغام تو آج بھی یہی ہے۔ بقول اقبال کہ:۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کا سفر

کاش یہ خواب شرمندہ تعبیر ہو۔

(ج) عالم اسلام کے خارجی مسائل

دنیا کی دوسری بڑی طاقت کی شکست وریخت کے بعد طاقت اور استعمال کے تمام وسائل ایک ہی عالمی طاقت کے پاس جمع ہو گئے ہیں۔ اس تناظر میں ہمیں اپنے خارجی مسائل کے حل کے لئے بھی سیرۃ النبی ﷺ کو مشعلِ راہ بنانا ہوگا۔ اس ضمن میں ہر اسلامی ریاست کو اپنی حفاظت اور مدافعت کے لئے خود کفیل ہونا ضروری ہے اور یہ حقیقت ہے کہ امن کی راہیں میدان جنگ سے ہر کر گزرتی ہیں۔ مسلمانوں کو فنونِ حرب اور عسکری قوت میں اس قدر طاق اور خود کفیل ہونا چاہیے۔ کہ دشمن کو حملہ کرنے کی ہمت ہی نہ ہو۔

یہ حقیقت ہے کہ اسلام امن وآشتی کا مذہب ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے عہد کی زیادہ تر غزوات اور سرایا کا مقصد جارحیت کی مدافعت اور جنگ برائے امن تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر امتِ مسلمہ 21 ویں صدی کے چیلنجز سے ہم آہنگ ہو سکتی ہے۔ مگر اس کے لئے آنحضرت ﷺ کے اس حکم کو لازماً سامنے رکھنا ہوگا کہ:

۳۴۔ سید محمد عبداللہ۔ عصر حاضر کے نام سیرت نبوی کا پیغام ص ۷ مطبوعہ ماہنامہ فکر ونظر۔ اگست ۱۹۸۱ء ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد

''حکمت مومن کی گمشدہ میراث ہے۔پس جہاں اسے ملے وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔''(۳۵)

ایک عالمگیر مسلم برادری کی بنیاد ڈالنے کے لئے قرآن نے تمام خداپرستوں کی ایک وسیع برادری کا تصور دیا ہے۔علامہ اقبال مرحوم نے اپنے خطبات ہی میں کہا ہے کہ:

''عہد حاضر کے مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی معاشرتی زندگی کی اصلاح اور اسلام کے اس وقت تک منکشف شدہ مقاصد سے یہ استنباط کرے کہ روحانی جمہوریت کا قیام اسلام کا آخری نصب العین ہے۔''(۳۶)

امت مسلمہ کا وجود اقامت دین اور شہادتِ حق ہے۔دنیا میں کامیاب زندگی اور آخرت میں نجات اللہ کی نازل کردہ ہدایت یعنی دین حق پر عمل پیرا ہو کر ہی حاصل ہو سکتی ہے۔اسلام زندگی کے تمام پہلوؤں کے لئے اپنا زاویہ فکر رکھتا ہے اسلامی تحریک مغرب کے سیکولر ماڈل کو مسترد کرتی ہے۔جو اسلام کو فرسودہ نظریہ حیات قرار دیتی ہے اور اپنے اطلاعاتی ماحول کے ذریعہ سیکولر ذہن بنانا چاہتی ہے۔جو مغرب کے لئے نرم گوشہ رکھتا ہو یا مغرب کو اپنے لئے ماڈل سمجھتا ہو۔لبرل تعلیمی نظام اسلام کے خلاف مغرب کی سازش ہے، جو مسلمان معاشرے کو اپنے اندر ضم کرنا چاہتا ہے۔مغرب اسلامی تحریکوں کی قیادت کو بدنام کرنے کے لئے انہیں نااہل، متروک، بے مغز، عقیدہ پرست رجعت پسند اور تاریک خیال ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔(۳۷)

ڈاکٹر منظور احمد نے اس ضمن میں لکھا ہے کہ:

اسلامی معاشرہ پچھلے پانچ سو سال سے ظاہری سیاسی حرکت کے باوجود معنوی حرکت سے محروم ہو چکا ہے اور جمود کا شکار ہے۔اس نے فکر کی نئی جہتوں کو دریافت نہیں کیا اور زمانہ جدید میں جو تخلیقی قوتیں کارفرما ہیں اور فکر نے جو نئے نئے راستے نکالے ہیں۔ان کا کوئی ۔۔۔۔۔۔ردعمل اسلامی مفکرین کے

۳۵۔ ترمذی و ابن ماجہ بحوالہ مشکوۃ کتاب العلم (فصل ثانی)

۳۶۔ خلیفہ عبدالحکیم۔اسلام کا نظریہ حیات ص ۴۶۲

۳۷۔قاضی حسین احمد (اسلامی تحریکیں خدشات اور امکانات) ص ۶۱ مطبوعہ ماہنامہ ترجمان القرآن اکتوبر ۱۹۹۸ء

ہاں نہیں پایا جاتا۔(۳۸)

جدید عقیلت پسند مفکرین کا نقطہ نظر یہ ہے کہ:

1. اسلامی معاشرے میں مذہب اور خیالات کی مکمل آزادی ہوتی ہے۔اور کسی کو دوسرے کے معاملات میں دخل اندازی کا کوئی حق نہیں۔
2. اگر وہ اپنی مرضی کے مطابق زندگی نہ گزار سکتے ہوں تو ان کو صبر کرنا چاہیے یا ہجرت۔
3. اسلامی حکومت کے قیام کی صورت میں غیر مسلموں کو اپنے مذہب کی پوری آزادی ہوگی اور ان کے حقوق میں ان کے مذہب کی بنیاد پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔
4. اسلامی ریاست ایک جمہوری اور سوشلسٹ ریاست ہوگی۔
5. عورتوں کے بنیادی حقوق میں جسن کی بنیاد پر کوئی امتیازی سلوک نہیں ہوگا۔
6. ریاست معاشی نظام کو اس طرح منظّم کرے گی کہ سرمایہ داری اور بغیر محنت کی کمائی معاشرے میں جگہ نہ پائے۔ اور دولت چند ہاتھوں میں مرتکز نہ ہو جائے۔اسی طرح معاشرے میں اشیاء کی گردش کے قانون بنائے جائیں گے جائیداد اور املاک کو مشترکہ ملکیت میں رکھنے کی اور ان کو آپس میں تقسیم کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔
7. کسی گروہ کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ وہ حکومت وقت کے خلاف مسلح بغاوت کرے۔اس لئے کہ معاشرے میں افراتفری اور شورش کی بہ نسبت امن و مان زیادہ قیمتی ہے۔(۳۹)

یہ وہ چند نکتہ ہائے نظر ہیں جو مختلف الخیال مفکرین اسلامی ریاست، اسلام کی تفہیم اور جدید چیلنجز کا مقابلہ کرنے کے لئے پیش کرتے ہیں۔سب کے نزدیک خیالات کا ماخذ قرآن وسنت ہیں۔لیکن تضاد خیالی اور تنگ نظری کا یہ عالم ہے کہ اکثر اوقات ایک دوسرے کو رجعت پسند۔قدامت پرست، اسلام دشمن، مغرب زدہ، آزاد خیال، منکر حدیث اور بعض اوقات مرتد جیسے سے سخت القابات سے نوازا جاتا ہے ان حالات میں کیا ہمارے مفکرین اسلامی فکر کی کسی ایک نہج پر متفق ہوسکیں گے۔اس کا واحد حل یہی ہے کہ

۳۸۔ ڈاکٹر منظور احمد۔''مستقبل میں اسلام کی تفہیم اور اکیسویں صدی میں ہمارا کردار'' ص۹۱۱

۳۹۔ خلیفہ عبدالحکیم۔اسلام کا نظریہ حیات ۲۰۲ تا ۲۰۵ (انگریزی)

صرف زبانی کلامی سیرت النبی پر کاربند ہونے کی تلقین وتبلیغ نہ کی جائے۔ بلکہ اس وسعتِ نظر رواداری، حکمت، حلم و بردباری، قوت برداشت اور روشن خیالی کا عملی مظاہرہ کیا جائے جو سیرت النبی ﷺ کا امتیازی نشان ہے۔

اسلام اعتدال کا دین ہے افراط وتفریط سے بچتے ہوئے ہمیں اپنی ثقافت اقدار کی نگہبانی بھی کرنی ہے اور حکمت و دانائی کے موتیوں کو چن کر جدید چیلنجز کا مقابلہ بھی کرنا ہے۔ اس موجودہ معروضی صورتحال میں حسب ذیل امور کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

i. فکری یک جہتی وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ جدید مسائل کی نوعیت اور وسعت کے پیش نظر اجتہاد ایک فرد کے بس کی بات نہیں۔ اب اجتماعی اجتہاد کے لئے ادارے تشکیل دیئے جائیں جن میں تمام مکاتب فکر کے علماء اسکالرز اور اہل دانش شامل ہوں۔ یہ ادارے مجالس قانون ساز کا باقاعدہ حصہ ہوں جہاں دوسرے ماہرین کے ساتھ انہیں بھی قانون سازی میں برابری کا حق ہو۔ بقول علامہ اقبال علماء کو مجالس قانون ساز کا لازمی حصہ ہونا چاہیے تاکہ وہ قانون سازی کے عمل میں رہنمائی اور مدد مہیا کرسکیں۔ (۴۰)

ii. ایک ایسی جدید اسلامی فلاحی ریاست کا قیام لازمی ہے۔ جس کا ماڈل آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدین نے پیش کیا۔ ہمیں ان ابہامات کو بھی دور کرنا ہے جو اسلام سے متعلق غیر مسلموں کے حقوق۔ خواتین کے حقوق، اقلیتوں کے حقوق، تشدد پسندی، دہشت گردی، تکفیر اور فرقہ واریت کے بارے میں پائے جاتے ہیں۔

iii. اخلاقی اور روحانی اقدار روبہ زوال ہیں صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ مغرب بھی اخلاقی اور روحانی انتشار میں مبتلا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کا اخلاقی اور روحانی زوال ہی عصر حاضر کا سب سے خطرناک اور تباہ کن مسئلہ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے مکی دور میں سب سے زیادہ توجہ فرد کی ذاتی اصلاح، اخلاق واعمال کی درستگی اور تزکیہ وتربیت پر مبذول فرمائی۔ اس اخلاقی انقلاب کی بنیاد خوف خدا، عقیدہ آخرت اور وحدانیت کی بالیدگی پر رکھی گئی تھی۔

۴۰۔ علامہ اقبال (The Reconstruction)

iv. اکیسویں صدی کے چیلنجز کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمیں اپنے سماجی وثقافتی مسائل سے بھی نبرد آزما ہونا ہے۔ جن میں خاندانی نظام کی شکست و ریخت، عالمی میڈیا کی ثقافتی یلغار لسانی اور گروہی اختلافات قوم پرستی، مادہ پرستی اور مغرب کے مرعوبیت اور محاذ آرائی سرفہرست ہیں۔ ان مقاصد کے لئے بھی سیرت النبی ﷺ ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ جس نے لوگوں کو ایمانی قوت سے مالا مال کر کے باہمی ہمدردی، ایثار و قربانی، شجاعت و حمیت، صبر و استقامت، عفو درگزر، حلم و بردباری، رواداری اور وسعت نظر جیسے اوصاف سے متصف کیا۔

V. اسلامی ممالک کو اپنی اقتصادی صورتحال پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے سرمایہ دارانہ اور جاگیر دارانہ نظام کو ختم کرنا ہے سود کے مسئلے سے گلو خلاصی کرانی ہے۔ اسلامی ممالک کو باہمی اقتصادی روابط کو فروغ دینا ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں پیش رفت کو مزید تیز کرنا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ سیرت النبی کی روشنی میں ایمان اور اخلاقیات کا دامن بھی تھامے رکھنا ہے۔

vi. اسلامی ریاستوں کو اپنے داخلی سیاسی مسائل کے حل کے لئے اور داخلی امن وامان کے قیام کے لئے بھی سیرت طیبہ ﷺ پر عمل پیرا ہونا ہوگا۔ جس میں دو چیزیں بڑی واضح ہیں۔

الف: بے لاگ عدل وانصاف اور عدلیہ کی بالادستی

ب: اداروں کے استحکام اور اصلاح کے لئے احتساب کے عمل کو جامع اور ہمہ گیر شکل دینی ہوگی۔ آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدین کا یہی طریقہ عمل تھا۔

vii. اگرچہ عالم اسلام کے اتحاد کا کوئی عملی پروگرام ابھی سامنے نہیں آیا، تاہم یہ رجحان بڑی تیزی سے ابھر رہا ہے کہ امت مسلمہ اپنے تمام اختلافات وسائل کو پس پشت ڈال کر باہمی تعاون کا راستہ اختیار کرے۔ (۴۱) اس اتحاد کا مقصد یہ ہے کہ دنیا میں ایک ایسی جنت ارضی قائم ہو جس میں ساری دنیا کے انسان مکمل اطمینان اور سکون سے رہ سکیں (اقبال) اس مقصد کے لئے بھی سیرت طیبہ ہماری راہنما ہے۔

viii. عالم اسلام کو درپیش خارجی مسائل سے نبرد آزما ہونے کے لئے ہر اسلامی ریاست کو اپنی مدافعت

۴۱۔ مشترکہ اعلامیہ۔ تہران اسلامی کانفرنس منعقدہ 9 تا 11 جولائی ۱۹۹۸ء

اور حفاظت کے لئے خود کفیل ہونا ضروری ہے۔

ix. آنے والے سالوں میں مذہب کے احیاء کے عالمی رجحان کے باوجود ایک خطرہ یہ بھی ہے کہ قوم پرستی اور سیکولرازم زیادہ مضبوط ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں عصری تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے سیاسی مسائل حل کرنے چاہیے تاکہ غیر مسلم ممالک میں مسلم اقلیتیں بھی محفوظ رہ سکیں۔

x. ہمیں آنحضرت ﷺ کے طریقہ کار کی وسعت نظر کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے جو اسلامی ریاست مدینہ کے آغاز میں آپ نے اختیار فرمائی۔ سب کو اپنے دین پر قائم رہنے کی اجازت دی گئی۔ آج بھی اسی قسم کے معاہدات غیر مسلمہ ریاستوں سے کئے جا سکتے ہیں۔ انتہاء پسندی، محاذ آرائی اور منفی رجحانات کی بجائے مفاہمت اور اچھے تعلقات سیرۃ النبی ﷺ سے زیادہ قریب ہیں۔

xi. آخری بات جو سیرت طیبہ اور عصری مسائل کے حوالے سے بہت اہم ہے، وہ بازگشت ہے، جو مغرب میں ''تہذیبوں کے تصادم کے حوالے سے زیر بحث ہے۔ مغرب کے مفکرین یہ کہہ رہے ہیں کہ آئندہ تصادم تہذیبوں کے درمیان ہوگا۔ اور اب کمیونزم کے خاتمے کے بعد ہماری اصل حریف اسلامی طاقتیں ہیں۔ (۴۲) اسلام مغربی تہذیب کے لئے خطرہ ہے۔ اور اس خطرہ کا مقابلہ کس طرح کیا جائے۔ مغربی مفکرین ابھی اس پر متفق نہیں ہوئے۔ لیکن اس کے لئے متعدد طریقے وضع کئے جا رہے ہیں۔ (۴۳)

اس خطرے سے ہمیں کیسے نمٹنا ہے۔ ظاہر ہے یہ بات عام مسلمانوں کے سوچنے کی نہیں بلکہ مسلمان مفکرین اسلامی ممالک میں اسلامی تحریکوں کے قائدین اور مسلمان ریاستوں کے سربراہوں کو وہ لائحہ عمل وضع کرنا ہوگا۔ جس سے تصادم کا خطرہ ٹل جائے۔ یقیناً ہمیں اپنے افکار و کردار پر بھی نظر ثانی کرنی ہوگی۔ مفاہمت اور مذاکرات کے دروازے بھی کھولنے ہوں گے۔ اور معرب کو بھی اس بات پر آمادہ کرنا ہوگا کہ وہ بھی اپنے دوہرے معیار اور منفی پر پیگنڈے سے باز آجائے کیونکہ تمام معاشی، سماجی، تعلیمی اور ثقافتی معاملات میں باہمی تعاون ہی سے ترقی خوشحالی اور امن ممکن ہے۔

سیرۃ النبی ﷺ تمام دنیا کے انسانوں کے لئے امن و اخوت عدل و انصاف، افہام و تفہیم اور صلح

۴۲۔ پروفیسر سموئیل ہنٹگن نے اپنے مضمون Clash of cinilization the rest pathein of conflict

۴۳۔ عبدالرشید صدیقی۔ "تحریک اسلامی اور اس کے عالمی ثرات" ص ۴۳ تا ۵۷ مطبوعہ ترجمان القرآن فروری 2000ء

وآشتی کی نوید ہے۔ بس ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ ہم اپنی خواہشات نفس کر ترک کر کے اس نظام حیات کے پیروکار بن جائیں جس کی روشنی سے چراغ مصطفوی نے عرب وعجم کے تاریک ایوانوں کو منور کر دیا۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے ”خدا کی قسم! تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنی خواہشات کو میرے لائے ہوئے دین کے تابع نہ کرے“۔ (۴۴)

............☆............

۴۴۔ شکوٰۃ المصابیح کتاب الایمان باب الاعتصام بالکتاب والسنہ

سیرت نبویہ کا اہم پہلو حکومتی ادارے اور فرائض

* ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری

نبی کریم ﷺ نے مدینہ ہجرت فرمانے کے بعد ایک ایسی حکومت کی بنیاد رکھی جس پر عہد حاضر کی کوئی اصطلاح من وعن بطور نظیر پیش نہیں کی جاسکتی۔ چونکہ آپ ﷺ کے پیش نظر قرآن کریم کی تمام قوانین اور نظام حکومت کا سرچشمہ تھا اور آپ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ اس کا مرکز۔ آپ ﷺ کو قرآن کریم نے حکم دیا تھا کہ دینی و دنیاوی اور ہر قسم کے معاملات حکومت میں صحابہ کرام کی بھی رائے حاصل کریں۔ چنانچہ آپ نے اس حکم کے تحت چودہ مہاجرین اور چودہ انصار اجلہ صحابہ پر مشتمل ایک مجلس مشاورت قائم کی اور اس مجلس مشاورت کے اہم ارکان میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت علیؓ، حضرت سعد بن عبادہ انصاریؓ عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت حذیفہؓ، حضرت ابوذرؓ / حضرت مقدادؓ، حضرت عبادہ بن صامت انصاریؓ نمایاں تھے۔

لہٰذا یہ بات قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے کوئی منظم اور باقاعدہ حکومتی ادارہ قائم نہیں کیا تھا اور عرب یوں بھی تمدنی وعمرانی اُمور سے واقفیت نہیں رکھتے تھے۔ اور حضرت عمرو حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں جب مسلمانوں نے ایرانی اور رومی سلطنتوں پر قبضہ کیا اور وہاں کی متمدن و مہذب قوموں سے مسلمان عربوں کا سابقہ ہوا تو انہوں نے نظام حکومت اور اداروں سے متعلق بہت سی باتیں سیکھیں اور عرب آہستہ آہستہ اپنی تمدنی زندگی اور منازل طے کرتے ہوئے اس مقام تک پہنچے کہ عہد بنوامیہ اور، عہد عباسیہ میں ایک منظّم حکومتی نظام اور ادارے قائم کرنے میں کامیاب ہوئے۔ یہاں تک ان کے ہاں نظام شرطہ بھی نہیں تھا۔ مسلمانوں کے نبی نے بعض اوقات کثرت رائے کا عدم احترام کرتے ہوئے اپنا ذاتی فیصلہ نافذ کیا خلفائے راشدین بھی اپنے اپنے ادوار میں انہیں راہوں پر چلے گویا کہ مسلمانوں کے

* استاد شعبہ علوم اسلامی جامعہ۔ کراچی

خلفاء راشدین نظام ''ڈکٹیڑانہ'' پر عامل تھے۔آیئے ہم مذکورہ بالا اعتراضات کا علمی و تحقیقی جائزہ لیتے ہوئے واضح کریں کہ آپ ﷺ کے عہد ہی میں ایک با قاعدہ منظم حکومت قائم ہو چکی تھی۔جس کے مختلف شعبے اور مختلف ادارے تھے۔خلفائے راشدین کے عہد میں اور پھر بنوامیہ اور بنوعباس کے عہد حکومت میں جو نظام سلطنت نے کافی ترقی کی درحقیقت ان ہی خطوط پر ہوئی تھی جو خود آنحضرت ﷺ نے کھینچ دیئے تھے تمدن و حضارت کی ضرورتیں ہمیشہ یکساں نہیں ہوتیں حضور اکرم ﷺ کے عہد میں یہ ضرورتیں محدود تھیں بعد کے ادوار میں یہ ضرورتیں بڑھتی چلی گئیں ان حالات اور ضروریات کے مطابق حکومتی اداروں میں بھی ترقی اور توسیع ہوتی چلی گئی۔تا آنکہ عہد بنی عباس میں وہ نقطہ عروج تک پہنچ گئی لیکن توسیع و ترقی کا مفہوم یقیناً یہ نہیں ہے کہ حضور ﷺ کے عہد میں کوئی با قاعدہ نظام حکومت تھا ہی نہیں جیسا کہ معترضین نے خیال ظاہر کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ کتب حدیث وتفسیر اور کتب تاریخ وتراجم سے ہمیں بہت سے ان شعبوں اور اداروں کا پتہ چلتا ہے کہ جو خود ﷺ کے عہد ہی میں قائم ہو چکے تھے اور جن کی بنیادوں پر بعد کے ادوار میں توسیع اور ترقی ہوتی گئی حکومتی اداروں میں۔

ا۔ صدر مملکت سب سے اہم اور ضروری ادارہ (اسٹیٹ) صدر مملکت کا ہوتا ہے۔حضور ﷺ بھی اسلامی حکومت میں سب سے پہلے سربراہ مملکت تھے۔آپ تمام کاروبار حکومت خدا کی رہنمائی کے مطابق انجام دیتے تھے۔اس اعتبار سے آپ سفید وسیاہ کے مالک ہو سکتے تھے۔لیکن اس کے باوجود آپ کوئی مستبد سربراہ مملکت نہیں تھے بلکہ خدا کی رہنمائی ہی نے آپ کو اس کا پابند کر دیا تھا کہ آپ کاروبار حکومت میں صحابہ سے مشورہ فرمایا کریں اور مشورہ کے بعد کوئی قدم اٹھائیں ''**وشاورهم فی الامر**'' اور کاروبار مملکت میں صحابہ سے مشورہ کیا کیجئے، چنانچہ آپ ہر اہم فیصلہ صحابہ سے مشورہ فرما کر ہی کیا کرتے تھے۔ہر خاندان اور قبیلہ کا ایک نقیب (نمائندہ) ہوا کرتا تھا۔ایسے معاشرہ میں تجربہ کار اصحاب الرائے اور اہل تدبر لوگوں کی کمی نہیں تھی اور یہ سب آپ کے اہل شوریٰ (مجلس مشاورت کے ارکان جسے آپ آج کی اصطلاح میں پارلیمنٹ بھی کہہ سکتے ہیں) ہوا کرتے تھے قبیلوں کے یہ نقیب یا نمائندے وہی لوگ ہوتے تھے۔جن کا اپنے قبیلہ پر اثر ہوا کرتا تھا اور جن پر پورے خاندان اور قبیلہ کو ہر طرح سے اعتماد ہوتا تھا یہ خود اپنے قبیلہ کے سردار

کے حکم پر کٹ مرتا تھا۔ ان کی یہ نمائندہ حیثیت اس نمائندگی سے کہیں قوی تر ہوتی تھی جو ووٹوں سے منتخب کر کے موجودہ دور کے ہمارے نمائندوں میں نظر آتی ہے۔ ہمارے ووٹوں سے منتخب شدہ نمائندے نہ اپنے ووٹروں پر اثر واقتدار رکھتے ہیں اور نہ ان کے ووٹروں کو ان پر اعتماد ہوتا ہے جو قبائل کے نقیبوں اور سرداروں کی صورت میں ہمیں عربوں میں نظر آتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو اسلامی معاشرہ نے صدر مملکت کے عہدہ پر منتخب نہیں تھا بلکہ آپ کو یہ حیثیت بناء نبوت من جانب اللہ حاصل تھی لیکن آپ کے بعد کے لوگوں کے لئے یہ ہدایت پوری وضاحت کے ساتھ موجود تھی کہ " **و امر هم شوری بینهم** "اور مسلمانوں کے معاملات حکومت ان کے باہمی مشورہ سے طے ہونگے چنانچہ آپ کے بعد کے لوگوں خلفائے راشدین کے تمام انتخابات مسلمانوں کے باہمی مشورہ ہی سے ہوئے ان مشوروں کی صورتیں مختلف حالات اور ضروریات کے مطابق اگرچہ کسی قدر مختلف ضرور ہیں مگر یہ روح ان تمام انتخابات میں مشترک رہی ہے کہ ہر خلیفہ مسلمانوں کی عظیم اکثریت کی رائے سے منتخب ہوا اور تمام مسلمانوں نے برضاء ورغبت ان کے ہاتھوں پر بیعت کی۔ لہٰذا یہ بات بھی طے شدہ تھی کہ صدر مملکت منتخب ہوگا اور وہ اپنی مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) کے مشورہ کا پابند ہوگا۔

چونکہ خلیفہ کا انتخاب مسلمانوں کے مشورہ سے ہوتا تھا۔ وہ منجانب اللہ مقرر یا منصوص نہیں ہوتا تھا جیسا کہ حضور اکرم ﷺ تھے اس لئے حضور اکرم ﷺ کے دنیا سے انتقال فرمانے کے بعد جب حضرت صدیق اکبرؓ کا انتخاب عمل میں آیا تو سادہ دلی سے مسلمانوں نے ان کو خلیفہ الرسولؐ کہنا شروع کر دیا تھا۔ مگر بہت جلد مسلمانوں کو اپنے اس تسامح کا احساس ہو گیا اور انہوں نے سمجھ لیا کہ کہیں یہ خطاب آگے چل کر چند غلط فہمیوں کا باعث نہ بن جائے اور خلفاء کچھ خدائی حقوق کا مطالبہ نہ کر بیٹھیں اس لئے انہوں نے فوراً اس خطاب کو امیر المومنین کے خطاب میں بدل دینا ضروری سمجھا اور حضرت صدیق اکبرؓ کے بعد حضرت عمر فاروقؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ اور بعد کے تمام خلفاء امیر المومنین ہی کے لقب سے یاد کئے گئے۔

اسلام میں صدر مملکت "خود سرچشمہ قانون" نہیں ہوتا بلکہ وہ قانون خداوندی کو نافذ کرنے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ خود حضور اکرم ﷺ کی اپنی ذات بھی قانون سازی کے اختیارات نہیں رکھتی تھی حالانکہ

آپ مہبط وحی تھے اور خدا کی طرف سے مقرر فرمودہ صدر مملکت تھے صحابہ اس حقیقت کے اچھی طرح رمز آشنا تھے چنانچہ جہاں بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی وہ دریافت کرلیا کرتے تھے کہ آپ کا فلاں حکم خدا کی وحی کے مطابق ہے یا آپ کی اپنی رائے ہے؟ اگر آپ فرماتے تھے کہ وہ حکم آپ کی اپنی رائے اور صواب دید پر مبنی ہے تو صحابہ اپنی رائے پیش کردیتے تھے۔ اور اگر صحابہ کی رائے زیادہ صائب ہوتی تھی تو آپ اس کو اختیار فرمالیا کرتے تھے لہٰذا آپ خدا کی مرضی کو چلانے کے ذمہ دار تو تھے۔ اپنی مرضی چلانے کا حق نہیں رکھتے تھے۔

۲۔ کثرت رائے:

اسلامی نظام حکومت میں آنحضرت ﷺ نے جو نظام قانون فرمایا تھا فیصلے ہمیشہ کثرت رائے سے نہیں بلکہ دلیل اور مصلحت کی قوت سے ہوا کرتے تھے واضح رہے کہ اسلام میں حق و باطل کا معیار آراء کی کثرت وقلت نہیں ہوتی۔ بلکہ مجلس شوریٰ میں معاملہ پیش کرنے کے بعد اگر پچاس آدمی ایک طرف ہوں اور صرف ایک آمی ایک طرف ہو مگر ایک آدمی کی بات دلیل اور مصلحت کے اعتبار سے وزن دار ہو تو آپ ایک آدمی کی بات کو قبول فرمالیا کرتے تھے اس لئے کہ اسلام میں اسلامی ووٹوں کی گنتی نہیں کی جاتی بلکہ ان کو تولا جاتا ہے۔ جبکہ موجودہ نام نہاد پوری جمہوریت میں ووٹوں کی گنتی کی جاتی ہے اور لوگوں کا سر دیکھا جاتا ہے۔

۳۔ ویٹو کا حق:

خلفائے راشدین کے عہد میں بعض واقعات ایسے پیش آئے ہیں کہ خلیفہ وقت نے پوری مجلس شوریٰ کے مشورہ کو مسترد کر کے خود اپنا فیصلہ صادر کردیا ہے۔ جس کی بے چوں و چرا تعمیل بھی ہوئی اس سے بعض لوگوں کو یہ قیاس کرلینا کہ اسلام کا نظام حکومت ایک حد تک "ڈکٹیٹرانہ ہوتا ہے خلاف واقعہ بات ہے حقیقت یہ ہے کہ جہاں اس قسم کے دو چار واقعات پیش آئے ہیں وہاں خلیفہ نے اپنے فیصلہ کی سند اور دلیل پیش کی ہے اور اس سند یا دلیل کے پیش کرنے کے بعد تمام اصحاب شوریٰ کی گردنیں آپ سے آپ جھک گئی ہیں اور کسی ایک ممبر نے بھی اس دلیل یا سند سے کوئی اختلاف نہیں کیا لہٰذا بات وہی ہوئی کہ اسلام کے نظام

حکومت میں فیصلہ آراء کی کثرت وقلت سے نہیں ہوتا بلکہ دلیل کی قوت سے ہوتا ہے اگر تنہا خلیفہ کے پاس کوئی ایسی دلیل یا سند موجود ہے جس کے سامنے تمام اصحاب شوریٰ کی گردنیں آپ سے جھک جاتی ہیں اور باقی کے خلاف چوں چرا کرنے کی گنجائش نہیں پاتے تو اسے ویٹو کا حق نہیں کہا جا سکتا اور نہ اس انداز حکومت کو ڈکٹیٹرانہ اور جابرانہ کہا جا سکتا ہے۔

صدر مملکت ایک معمولی آدمی کی طرح قانون کا پابند ہوتا ہے اس کے لئے قطعاً کوئی تحفظات نہیں ہوتے اسے عدالت میں طلب کیا جا سکتا ہے اور عدالت میں اس کے ساتھ اور دوسرے فریق کے ساتھ قطعاً یکساں برتاؤ کیا جائے گا یہ ہے اسلام میں صدر مملکت کے ادارہ کی قانونی حیثیت خدا کرے کہ ہمارے ملک میں بھی یہ نظام قائم ہو جائے۔

۴۔ وزارت:

دوسرا اہم ادارہ وزارت کا ہوتا ہے۔ اسکی بنیاد بھی حضور ﷺ کے عہد میں ہی پڑ چکی تھی۔ وزیر اس شخص کو کہتے ہیں جو سلطان (صدر) کی ذمہ داریوں میں اس کا شریک ہو جو ذمہ داریاں اور بار جو سلطان کے کاندھوں پر ہوتے ہیں وزیر ان کو سنبھال لیتا ہے یا بٹا لیتا ہے اور سلطان اس کی رائے تدبیر اور مشورہ پر عمل کرتا ہے۔

حضرت عائشہ کی ایک روایت سے بھی جسے نسائی نے بیان کیا ہے ان ہی معنوں کی تائید ہوتی ہے۔ روایت یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ خدا جب تم میں سے کسی کو ذمہ داری کا کام حوالہ کرتا ہے اور اگر خدا اس کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے ایک نیک وزیر مقرر کر دیتا ہے کہ اگر وہ کسی بات کو بھول جائے تو وزیر اسے یاد دلا دیتا ہے۔ اور اگر وہ بات اسے یاد ہو تو اس کی تکمیل میں اس کی مدد کرتا ہے بلکہ خود قرآن کریم میں بھی وزیر کا لفظ سورہ طہٰ میں اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے اور حضرت موسیٰؑ نے خدا سے یہ دعا فرمائی تھی۔

واجعل لی وزیراً من اھلی ھٰرون اخی
اشدد به ازری واشرکه فی امری

ترجمہ: اور خدایا! میرے خاندان میں سے میرے لئے وزیر مقرر کردے یعنی میرے بھائی ہارون کو اس سے میری طاقت میں اضافہ فرما اور اسے میرے کام میں شریک کردے ان تصریحات سے یہ بات واضح اور ثابت ہوگئی کہ وزیر کی حیثیت آپکے مشیر، معاون اور مددگار کی ہوا کرتی تھی جس کی رائے تدبر، علم تجربہ اور عقل وفراست پر صاحب اقتدار کو اعتماد اور بھروسہ ہو۔

حضور ﷺ کے عہد سے پہلے اور بعد میں بھی صدیوں تک وزیر کی یہی حیثیت ہوا کرتی تھی اور یہ تصور بہت بعد کی پیداوار ہے کہ حکومت کے مختلف محکمے اور شعبے وزراء پر تقسیم کردیئے جائیں اور ہر وزیر اپنے اپنے محکمہ کا ذمہ دار اور جوابدہ ہو جس کا چند صدیوں سے پہلے تاریخ میں کہیں سراغ نہیں ملتا اگرچہ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ وزارتوں کی موجودہ صورت درحقیقت اسی سابقہ وزارت کی ارتقائی شکل ہے۔

اس تمہید کے بعد آپ دیکھئے کہ حضور ﷺ کے عہد میں ہمیں وزارت نام کا کوئی ادارہ ملتا ہے یا نہیں اگر ملتا ہے تو اس ذمہ دارانہ عہدہ پر کون حضرات مامور تھے؟ اس سوال کے جواب کے لئے ہمیں حضرت ابوسعید خدریؓ کی اس مشہور حدیث کی طرف رجوع کرنا چاہیے جسے قاضی ابوبکر بن العربی جیسے محدث اور فقیہ نے سند کے اعتبار سے قابل اعتماد اور حسن قرار دیا ہے وہ حدیث یہ ہے کہ

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر نبی کے وزیر ساکنان زمین میں سے ساکنان فلک میں سے ہوتے ہیں میرے دو وزیر جبرائیل اور میکائیل ساکنان فلک میں سے اور ساکنان زمین میں سے میرے دو وزیر ابوبکرؓ وعمرؓ ہیں نیز اما حاکم نے اپنی مستدرک میں حضرت سعید بن المسیب سے نقل کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا تعلق حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ آپ اکثر معاملات میں ان ہی سے مشورہ فرمایا کرتے تھے۔

کتب حدیث اور تاریخ وتفسیر کی کتابوں میں بیشمار واقعات مذکور ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ معاملات حکومت میں زیادہ تر ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ سے مشورہ فرمایا کرتے تھے اور ان سے مشورہ فرمالینے کے بعد کوئی فیصلہ فرمایا کرتے تھے۔ یہ دونوں حضرات آپ مشیر معاون اور مددگار رہے ہیں جن کی سوجھ بوجھ رائے، علم اور تجربہ اور عقل وفراست پر آنحضرت ﷺ کو اطمینان تھا اور اسی بناء

پر آپ نے ان حضرات کو اپنا وزیر بتلایا ہے۔ حضور ﷺ کے عہد میں مملکت کی حدود زیادہ وسیع نہیں تھیں جوں جوں بعد میں مملکت وسیع سے وسیع تر ہوتی گئی۔ وزراء کا دائرہ کار بھی بڑھتا چلا گیا لیکن اس سے انکار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ عہد بنی عباس میں جب وزارت کا ایک مستقل ادارہ قائم کیا گیا تو مسلمانوں کے سامنے حضور ﷺ کی یہی عملی رہنمائی موجود تھی اور اسی بنیاد پر وزارت کا ایک مستقل عہدہ قائم کیا گیا تھا جو ارتقائی مدارج سے گزرتا ہوا اس عہد کی وزارت تک پہنچ گیا ہے۔

۵۔ گورنر:

جیسا کہ آجکل ہمارے ہاں مختلف صوبوں اور علاقوں کی گورنر / وائسرے/ ہوتے ہیں ایسے ہی آنحضرت ﷺ کے عہد میں بھی گورنر (عربی میں امیر اور والی بھی کہتے ہیں) ہوا کرتے تھے۔ صورت شکل میں معمولی تبدیلیاں ضرور ہوگئی ہیں مگر حقیقت اپنی جگہ قائم ہے صورت وشکل کے یہ اختلافات تو ہمیں آج بھی مختلف حکومتوں میں نظر آجاتے ہیں۔ ساری دنیا میں گورنروں اور وائسرایوں کی یکساں حیثیت آج بھی نہیں ہوتی۔ کہیں گورنر اور وائسرائے اپنی مفوضہ ذمہ داریوں کے تحت آزاد ہوتے ہیں کہ وہ جس طرح مناسب سمجھیں اپنی صوابدید کے مطابق اپنے صوبوں کا انتظام کریں اور کہیں وہ مخصوص نظام کے پابند یا وزارتوں کے احکام وہدایات پر عمل کرنے کے لئے مجبور ہوتے ہیں عہد بنوی اور عہد خلافت میں والی اور امیر آزاد ہوا کرتے تھے کہ قرآن وسنت کی رہنمائی میں اپنی صوابدید کے مطابق اپنے صوبہ کا انتظام کریں۔ اگر کہیں کوئی دشواری یا مشکل پیش آتی تھی تو آنحضرت ﷺ سے ہدایت حاصل کر لی جاتی تھی۔

ان کے فرائض میں مقدمات کے فیصلے کرنا۔ مسجدوں میں امامت کرنا۔ عیدین، جمعہ اور دیگر ضروری موقعوں پر خطبے دینا۔ عوام کو دینی امور کی تعلیم دینا۔ اور صوبوں کا انتظام وانصرام کرنا بعض اوقات امراء کے ساتھ ایک دو مددگار بھی شامل کر دیئے جاتے تھے جو مقدمات کے فیصلے کرنے، زکوۃ اور دوسرے واجبات اور ٹیکس وصول کرنے اور دینی تعلیم دینے میں ان کا ہاتھ بٹاتے تھے۔

حضور ﷺ کے امراء وعمال کی ایک مختصر فہرست درج ذیل ہے۔

(ا)۔ اذان ابن ساسان یہ ایرانی بادشاہ بہرام کی اولاد میں سے تھا جو کسریٰ کی طرف سے یمن کا گورنر

تھا کیونکہ یمن ان دنوں ایرانی شہنشاہیت کا ہی ایک حصہ سمجھا جاتا تھا کسریٰ پرویز کے مرجانے کے بعد باذان مسلمان ہوگیا تھا اوراس نے حضور اکرم ﷺ کی اطاعت قبول کر لی تھی چنانچہ آپ نے باذان ہی کو یمن کا گورنر رہنے دیا۔

آپ نے کوئی دوسرا گورنر مقرر نہیں فرمایا۔ شاہانِ عجم میں سے باذان پہلا بادشاہ ہے جو مسلمان ہوا اور پہلا عجمی گورنر ہے جسے حضور ﷺ نے اپنا گورنر یا والی بنایا۔ باذان کے انتقال کے بعد آپ نے یمن کے کئی حصے کر دیئے تھے اور مختلف حصوں پر مختلف صحابہ کو والی بنا دیا تھا۔ تاہم صنعاء پر اب بھی باذانِ کا بیٹا شہر بن باذان ہی آپ کی طرف سے والی رہا۔

ب) خالد ابن سعید بن العاص اموی ؓ ان کو آنحضرت ﷺ نے نجران، زمع اور زبید کا والی (گورنر) بنایا تھا۔ نیز قبیلہ مزحج سے زکوۃ وصدقات وصول کرنے کا کام بھی آپ ہی کے سپرد تھا۔ آنحضرت ﷺ کے انتقال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے فتنہ ارتداد کے وقت ان کو سرحد شام کے کسی علاقہ کا والی (گورنر) بنا دیا تھا۔

ج) زیاد ابن لبید انصاری ؓ، انکو آنحضرت ﷺ نے "حضر موت" کا والی (گورنر مقرر فرمایا تھا فتنہ ارتداد کے زمانہ میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے ان کو قبیلہ کندہ سے جنگ کرنے کے لئے بھیجا چنانچہ یہ زیادہ ہی تھے جنہوں نے کندہ پر فتح پائی۔ اور اشت بن قیس کو گرفتار کر کے جو اپنے قبیلہ کا بڑا سردار تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق ؓ کی خدمت میں بھیجا۔

د) ابوموسیٰ ؓ اشعری کو آنحضرت ﷺ نے مآرب اور عدن کا والی (گورنر) مقرر فرمایا تھا۔

ہ) معاذ بن جبل انصاری خزرجی ؓ۔ آنخضرت ﷺ نے یمن کا والی (گورنر) مقرر فرمایا تھا۔

و) یعلیٰ ابن امیہ مظلی ؓ ابن خلدون نے بیان کیا ہے کہ ان کو آنحضرت ﷺ نے فوج کا نگران مقرر فرمایا تھا۔

ابن عبدالبر نے استیعاب میں لکھا ہے کہ فتنہ ارتداد کے دوران حضرت صدیق اکبر نے ان کو صوبہ علوان کا والی (گورنر) مقرر فرمایا تھا پھر حضرت عمر ؓ نے ان کو یمن کے ایک حصہ کا والی (گورنر) مقرر

فرمایا تھا۔ اور حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں وہ صنعاء کے والی (گورنر) تھے حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر ان کو پہنچی تو خون عثمانؓ کے مطالبہ کے لئے انہوں نے بھی خروج کیا تھا اور چار لاکھ سپاہیوں کے ساتھ انہوں نے سواریاں مہیاں کیں۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہ کی سواری کے لئے انہوں نے ایک اونٹ دوسو دینار میں خرید کر پیش کیا تھا۔ اس اونٹ کا نام "عسکر" تھا جنگ جمل میں وہ حضرت عائشہؓ کے ساتھ ہو کر حضرت علیؓ سے لڑے تھے اور جنگ صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ ہو کر امیر معاویہؓ سے لڑے تھے اور جنگ صفین ہی میں شہید ہوئے۔

ز) طاہر ابن ابی ہالہ اسدیؓ یہ ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے صاحبزادہ ہیں۔ ان کو آنحضرت ﷺ نے قبیلہ رعک اور قبیلہ اشعر کی آبادیوں پر والی (گورنر) مقرر فرمایا تھا۔ آنحضرتؐ کے انتقال کے بعد جب عرب کے لوگ مرتد ہونے لگے تو قبیلہ رعک بھی مرتد ہو گیا تھا۔ صوبہ تہامہ میں سے عک ہی پہلا قبیلہ تھا جس نے ارتداد اختیار کر لیا تھا۔ طاہر نے ان پر حملہ کیا اور انہیں مغلوب کر کے راستہ میں امن قائم کیا۔

س) عمرو ابن حزم انصاریؓ ان کو آنحضرت ﷺ نے نجران کا والی (گورنر) بنایا تھا نجران میں ان دنوں بنو حارث بن کعب کا قبیلہ آباد تھا۔ آپ نے پہلے حضرت خالد ابن الولیدؓ کو فوج دے کر نجران کی طرف بھیجا۔ یہ لوگ مسلمان ہو گئے تو آپ نے حضرت عمرو بن حزم انصاریؓ کو نجران کا والی (گورنر) بنا کر بھیجا اور انہیں ہدایت فرمائی کہ وہ نجرانیوں کو قرآن کریم پڑھائیں اور دین کے مسائل بتلائیں اور زکوۃ و صدقات وصول کریں یہ واقعہ سنہ ۱۰ ہجری کا ہے۔ اس وقت ابن حزمؓ کی عمر صرف سترہ سال تھی۔

ش) ابوسفیان بن حربؓ۔ ان کو بھی آنحضرت ﷺ نے نجران کا والی (گورنر) مقرر فرمایا تھا اور حضرت عمرو بن حزمؓ کو غالباً ان کی اعانت کے لئے بھیجا گیا تھا۔

ص) عکاشہ بن ثور بن اصغر غولیؓ ان کو بھی آنحضرت ﷺ نے حضرت موت میں قبائل سکاسک، سکون اور بنو معاویہ پر جو کندہ کی شاخ ہے والی (گورنر) بنا کر بھیجا تھا۔

ض) علاء ابن الحضرمیؓ ان کو آنحضرت ﷺ نے بحرین کا والی (گورنر) بنا کر بھیجا تھا حضور ﷺ کی وفات تک بحرین کے والی رہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے بھی ان کو برقرار رکھا اور حضرت عمرؓ نے بھی

حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں ان کا انتقال ہوگیا۔

ط) یزید ابن ابی سفیانؓ۔ ان کو آنحضرت ﷺ نے تیماء کا والی (گورنر) مقرر فرمایا تھا۔

ع) عتاب ابن اسید امویؓ ان کو آنحضرت ﷺ نے مکہ کا والی (گورنر) مقرر فرمایا تھا چنانچہ سنہ ۸ ہجری میں حج اور دیگر مراسم حج ان ہی کی امارت میں ادا ہوئے۔

غ) عمرو بن العاصؓ ان کو آنحضرت ﷺ نے عمان اور اس کے متعلقات کا والی (گورنر) مقرر فرمایا تھا۔

ف) ابوبکر صدیقؓ ان کو آنحضرت ﷺ نے سنہ ۹ ہجری میں امیرِ حج بنا کر بھیجا تھا۔

وائل بن حجر حضرمی (رضی اللہ عنہ) ان کو حضورِ اکرم ﷺ نے حضرموت کا والی (گورنر) مقرر فرمایا تھا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب وائل بن حجر مسلمان ہو کر حضرموت سے ایک وفد لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔

۶۔ فوجوں کی کمان:

آنحضرت ﷺ کے عہد میں جیسا کہ معلوم ہے فوج تنخواہ دار (Regular) نہیں ہوتی تھی بلکہ رضا کار ہوا کرتی تھی۔ فوجوں کے امیر اور کمانڈر بھی تنخواہ دار نہیں ہوتے تھے۔ ان امراء فوج کی تعداد جنہیں حضورِ اکرم ﷺ نے اس اعزاز کے لئے منتخب فرمایا۔ یوں تو بہت ہیں لیکن آپ کے مشہور اور خاص خاص کمانڈر یہ حضرات تھے۔ حضرت عبیدہ ابن الحارث۔ حضرت حمزہ بن عبد المطلب۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ، حضرت زبیر ابن عوامؓ، حضرت محمد بن سلمہؓ، خالد بن الولیدؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ وغیرہ

۷۔ محکمہ قضا:

محکمہ قضا کو ایسا ہی سمجھئے کہ ہمارے ہاں آجکل کورٹ ہوتے ہیں۔ یہ محکمہ بھی حضورِ اکرم ﷺ نے قائم فرمایا تھا خود حضور ﷺ بھی لوگوں کے تنازعات اور مقدمات میں فیصلے فرمایا کرتے تھے اپنے علاوہ آپ نے بہت سے صحابہ کرام کو بھی اس مقصد کے لئے مامور فرما رکھا تھا کہ وہ لوگوں کے تنازعات اور

مقدمات کو فیصل کر دیا کریں۔ آپ مرافعہ کرنے والے فریقین کو حق بات کہنے اور چرب زبانی اور وضاحت سے دوسرے فریق پر غالب آنے کی کوشش نہ کرنے کی نصیحت فرمایا کرتے تھے اور اس کے بعد فریقین کے بیانات اور گواہوں کی شہادتیں لینے کے بعد حق وانصاف سے فیصلہ فرمایا کرتے تھے۔ یہی حال آپکے مقرر فرمودہ قاضیوں کا تھا اپنے باشندوں کے لئے عدل وانصاف کا ماحول مملکت کی اپنی ذمہ داری سمجھی جاتی تھی۔ جس کے لئے نہ کوئی کورٹ فیس مقرر تھی اور نہ دوسرے گرانبار اخراجات کی ضرورت تھی۔

واقعہ بھی یہی ہے کہ جو مملکت اپنے باشندوں کے لئے مفت انصاف بھی مہیا نہ کر سکے بلکہ اس کی قیمت وصول کرے اس کے باقی رہنے کا کوئی جواز ہی نہیں ہے انگریزی دور اقتدار سے پہلے مسلمانوں کی کسی مملکت میں بھی خواہ وہ کتنی ہی دنیادار کیوں نہ رہی ہو کسی عہد میں بھی حصول انصاف کے لئے کسی قسم کی کوئی قیمت ادا نہیں کرنی پڑتی تھی۔ کیونکہ مملکتوں کے قیام کا مقصد اولین ہی ظلم وتعدی کا انسداد اور عدل و انصاف کا قیام ہوتا تھا یہ ہماری انتہائی بدبختی ہے کہ انگریزی اقتدار اور شہنشاہیت کا جوا ہماری گردنوں سے اُتر جانے کے بعد آج بھی ہمارے ہاں حق وانصاف مفت نہیں ملتا بلکہ خریدا جاتا ہے مقدمہ بازی ہمارے ہاں فریقین کے لئے نقصان مایہ اور شماتت ہمسایہ کا مصداق بنی ہوئی ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے اس ذمہ دار منصب پر حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت معاذ ابن جبلؓ، حضرت ابوعبیدہ ابن الجراحؓ جیسی برگزیدہ ہستیوں کو مقرر فرما رکھا تھا۔ یہ تمام حضرت فقہائے صحابہ میں سے شمار ہوتے ہیں حضرت علی کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا گیا تھا اس کے علاوہ آپ اوپر پڑھ چکے ہیں۔ کہ ہر علاقہ کے گورنر کے فرائض میں مقدمات کے فیصلے کرنا بھی شامل ہوتا تھا۔ لہذا جسقدر گورنروں کا تذکرہ اوپر آچکا ہے وہ سب کے سب اپنے اپنے علاقوں کے قاضی بھی تھے۔

۸۔ شعبہ تحریر وکتابت:

ایک منظم حکومت میں ہر کام محض زبانی احکام وہدایات پر ہی نہیں چلتا بلکہ زیادہ تر امور کو ضبط تحریر میں لے آنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ لہٰذا تحریر وکتابت کا شعبہ بھی ایک منظم حکومت کی بنیادی ضروریات میں سے ہے۔ سب سے پہلی بنیادی ضرورت تو بنیادی قانون اور اس کے احکام کو منضبط صورت میں تحریر کرنا ہوتا ہے۔ اس

کے بعد فرامین، ہدایات، غیر ممالک سے مراسلات کے لئے بھی محرر کاتب اور منشی درکار ہوتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے ان تمام ضروریات کے لئے بہترین کاتبوں کا انتخاب فرما رکھا تھا۔ ان کاتبوں امیر منشیوں کی فہرست کافی طویل ہے جن میں سے بعض حضرات سے وحی کی کتابت کرائی جاتی تھی۔ کیونکہ ممالک اسلامی کا بنیادی قانون وحی ہی کے ذریعہ سے نازل ہوتا تھا۔

قرآن کریم حسبِ ضرورت نازل ہوتا رہتا تھا اور اس کو باقاعدگی کے ساتھ ایک دفتر میں لکھوادیا جاتا تھا اس دفتر کا نام "الام" تھا جو ایک صندوق میں محفوظ کر کے مسجد نبوی میں رکھا رہتا تھا تاکہ عام مسلمان قرآن کریم کو آسانی کے ساتھ نقل کر سکیں بعد میں جب یہودیوں اور منافقوں کی ریشہ دوانیوں اور شرارتوں سے اندیشہ ہوا تو اس صندوق کو مسجد نبوی سے اٹھوا کر حضرت ام المومنین حفصہؓ کی تحویل میں دیدیا گیا کیونکہ ازدواج مطہرات میں حضرت حفصہ ہی پڑھنے کے ساتھ ساتھ لکھنا بھی جانتی تھیں۔ ''الام'' حضور ﷺ کی وفات کے بعد بھی حضرت حفصہ ہی کی تحویل میں رہا۔

چنانچہ حضرت عثمانؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں قرآن کریم کی متعدد نقلیں تیار کرا کے تمام علاقوں میں بھیجیں تو قرآن کریم کے اس مستند نسخہ کو منگوالیا تھا جو بعد میں ان کو واپس کر دیا گیا۔

ان کے علاوہ کچھ دوسرے محرر، کاتب بھی تھے جو معاہدات فرامین خطوط اور احکام وقوانین کی تحریر کرتے اور کاتب بھی تھے۔ جب آپ کسی کو کسی علاقہ کا گورنر بنا کر بھیجتے تو عموماً ایک ہدایت نامہ اس کو لکھوا کر دیا جاتا تھا جس میں زکوۃ وصدقات کے مسائل اور قصاص اور خوں بہا وغیرہ کے سلسلہ میں مخصوص ہدایات درج کردی جاتی تھیں۔ جن سے ان گورنروں کو سابقہ پڑتا رہتا تھا محدثین اور اصحاب سیر نے ان محرروں، کاتبوں اور منشیوں کا جگہ جگہ تذکرہ کیا ہے بعض محدثین نے مستقل تصانیف میں ان کے اسمائے گرامی اور حالات درج کئے ہیں جو افسوس ہے کہ ہم تک نہیں پہنچ سکیں بہرحال چند ممتاز محرروں اور کاتبوں کی فہرست ہم یہاں درج کر رہے ہیں۔

(۱) ابوبکر صدیقؓ (۲) عمر بن الخطابؓ (۳) عثمان عفانؓ (۴) علی ابن طالبؓ (۵) طلحہ ابن عبداللہ (۶) زبیر ابن العوامؓ (۷) سعید ابن العاص مخزومیؓ (۸) ابان ابن سعید ابن العاص بن امیہ بن شمس امویؓ

(۹) سعد بن ابی وقاص ؓ (۱۰) عامر ابن فہیرہ تمیتمی ؓ جو حضرت ابوبکر صدیق اکبر کے آزاد کردہ غلام تھے۔ (۱۱) عبداللہ ابن رقم قرشی زہری ؓ آپ حضور ﷺ کی طرف سے ملوک وسلاطین وغیرہ کو خطوط تحریر فرمایا کرتے تھے (۱۲) ابی ابن کعب انصاری ؓ آپ ﷺ کے لئے وحی کی کتابت فرمایا کرتے تھے آپ ان چھ صحابہ میں سے ہیں جنہیں حضور کی زندگی ہی میں پورا قرآن حفظ ہو چکا تھا۔ آپ کا شمار ان فقہاء میں کیا جاتا تھا جو حضور ﷺ کی زندگی ہی میں فتوے دینے کی خدمت پر بھی فائز تھے۔ (۱۳)

ثابت بن قیس انصاری خزرجی ؓ آپ قبیلہ انصار کے خطیب بھی تھے (۱۴) حنظلہ بن ربیع بن صیفی اسدی ؓ (۱۵) ابوسفیان ابن حرب قرشی اموی ؓ۔ آپ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے اور حضور ﷺ نے انہیں حنین کے مال غنیمت میں سے ایک سو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی مرحمت فرمائی تھی۔ حضور اکرم ﷺ نے ان کو قبیلہ بنوفراس سے صدقات وغیرہ وصول کرنے کے لئے بھی والی بنایا تھا۔

حضرت صدیق اکبرؓ کے زمانہ میں وہ فوجوں کے کمانڈر رہے اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں فلسطین اور دمشق کے والی (گورنر) رہے۔ شام کی امارت (گورنری) میں وہ اپنے بھائی معاویہ کے پیشرو ہیں۔ (۱۸) زید بن ثابت ابن ضحاک انصاری ؓ عنہ۔ آپ کے مشہور کاتب وحی ہیں۔ آپ کا شمار فقہائے صحابہ میں ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں قرآن کو جمع کرنے کے لئے جو کمیٹی بنائی گئی تھی اس کے ایک ممبر آپ بھی تھے اور حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں قرآن کریم کی متعدد نقلیں تیار کرنے کا کام بھی آپ ہی کے سپرد کیا گیا تھا (۱۹) شرحبیل ابن حسنہ کندی حضرمی رضی اللہ عنہ، آپ مشہور سابقین اسلام میں سے ہیں اور حضور اکرم ﷺ کے سب سے پہلے کاتب یہی ہیں۔

صدیق اکبر کے عہد میں اور پھر حضرت عمر کے عہد میں بھی آپ فوجوں کے کمانڈر رہے ہیں۔ (۲۰) علاء ابن الحضرمی کا اصل نام عبداللہ ابن عماد بن اکبر حضرمی تھا۔ یہ عبداللہ حضرمی ہی علاء کے والد ہیں جنہوں نے مکہ کی سکونت اختیار کر لی تھی اور ابوسفیان کے والد حرب ابن امیہ کے حلیف بن گئے تھے۔ علاء ابن الحضرمی کو آنحضرت ﷺ نے بحرین کا والی (گورنر) بنادیا تھا۔

حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروق ؓ کے دور خلافت میں بھی بحرین ہی کے اولی (گورنر)

تھے (۲۱) خالد ابن ولید سیف اللہؓ (۲۲) عمرو بن العاص فاتح مصر رضی اللہ ؓ (۲۳) مغیرہ ابن شعبہؓ (۲۴) عبد اللہ ابن رواحہ انصاریؓ (۲۵) معیقیب ابن ابی فاطمہ دوسیؓ آپ بھی سابقین اولین میں سے ہیں (۲۶) حذیفہ ابن الیمان عبسیؓ۔ آپ اور ان کے والد دونوں سابقین اولین میں سے ہیں۔ ان کے والد یمان جنگ احد میں شہید ہوئے تھے۔ (۲۷) جوطیب ابن عبد العزیٰ عامری رضی اللہ عنہ۔ آپ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے اور سنہ ۵۴ھجری میں ایک سوبیس سال کی عمر میں انتقال کیا۔ (۲۸) خالد بن سعید ابن العاد اموی ؓ (۲۹) عبد اللہ ابن سعدؓ ابن ابی سرح ؓ عنہ آپ قریش کے وہ پہلے آدمی ہیں جس نے مکہ میں آنحضرت ﷺ کے سامنے وحی کی کتابت کی پھر وہ مرتد ہو گئے تھے لیکن فتح مکہ کے سال دوبارہ مسلمان ہوئے۔

حضورؐ کے کاتب اور حضرات بھی ہیں مگر تلاش وجستجو سے اتنے ہی نام مل سکے ہیں ان سب حضرات کے سامنے کچھ نہ کچھ لکھا ہے ویسے زیادہ تر عموماً خلفائے اربعہ اور ابان وخالد ہی لکھا کرتے تھے ابان اور خالد دونوں حضرت سعید ابن العاد ابن امیہ امویؓ کے صاحبزادے تھے۔

۹۔ خفیہ مراسلات اور ترجمانی:

سرکاری مراسلات میں کچھ خفیہ مراسلتیں بھی ہوتی ہیں جنہیں آجکل کی اصطلاح میں (Confedential Corropondence) کہا جاتا ہے اس کے لئے ایک الگ محکمہ تھا جس کے ذمہ دار زید بن ثابت انصاریؓ تھے۔ حضرت زید سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان سے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس ایسے خطوط بھی آتے ہیں جن کے متعلق میں پسند نہیں کرتا کہ انہیں ہر کوئی پڑھ لے۔ تو کیا تم سریانی یا عبرانی زبان سیکھ سکتے ہو۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں سیکھ سکتا ہوں چنانچہ میں نے سترہ دن میں وہ زبان سیکھ لی۔ حضرت زید بن ثابت آپ کی ترجمانی کے فرائض بھی انجام دیتے تھے کیونکہ آپ کے پاس مختلف علاقوں سے وفود آتے رہتے تھے جو مختلف زبانیں بولتے تھے حضرت زید بن ثابت "فارسی، رومی قبطی اور حبشی زبانوں کو بھی سیکھ چکے تھے اور ان زبانوں میں وہی آپ کے ترجمان ہوا کرتے تھے۔

حضرت زیدؓ نے یہ زبانیں ان آزاد شدہ غلاموں سے سیکھی تھیں جو ان قوموں سے تعلق رکھتے تھے

اور مدینہ میں سکونت پذیر تھے لوگوں کو شاید اس بات پر تعجب ہو کہ حضرت زید اتنی مختلف زبانیں کس طرح سیکھ گئے تھے مگر اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے آج بھی ایسے لوگ مل جاتے ہیں جو باوجود کہ حضرت زید بن ثابت جیسے ذکی اور ذہین بھی نہیں ہوتے مگر اس کے باوجود وہ مختلف زبانیں جانتے ہیں مثلاً دلال اور کمیشن ایجنٹ قسم کے لوگ جنہیں بین الاقوامی تجارتی منڈیوں میں سے مختلف قوموں نے سے واسطہ پڑتا ہے۔ جہازراں کمپنیوں کے حکام اور مزدور جن کے جہازوں میں مختلف اقوام سفر کرتی رہتی ہوں۔

حضرت زید بن ثابتؓ تو بہت ذکی اور ذہین صحابہ میں سے شمار ہوتے ہیں۔ اگر معمولی قسم کے لوگ مختلف زبانیں سیکھ سکتے ہیں تو حضرت زیدؓ کے لئے یہ بات کیا دشوار ہوسکتی ہے۔

۱۰۔ دفتر محاسبہ:

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اسلام میں جسقدر دفاتر وغیرہ بعد میں قائم ہوئے انکی ابتداء حضورﷺ کے عہد میں ہی ہو چکی تھی۔ آگے چل کر ارتقائی مدارج سے گزرتے ہوئے انہوں نے مختلف محکموں کی شکل اختیار کر لی حضور ﷺ جن لوگوں کو گورنر یا حاکم بناتے تھے ان سے اکثر بذات خود حساب لیا کرتے تھے۔ حافظ ابن القیم نے اپنی کتاب "**الطراق الحکمیة فی السیاسة الشرعیة** میں فرمایا ہے کہ حضور اکرم ﷺ اپنے عمال اور حکام سے آمد و خرچ کا پورا پورا حساب لیا کرتے تھے۔

چنانچہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے قبیلہ ازد کے ایک آدمی کو قبیلہ بنو سلیم سے صدقات وصول کرنے کے لئے حاکم بنا کر بھیجا۔ اس آدمی کا نام ابن اللیث تھا۔ جب وہ واپس ہوا تو آپ نے اس سے حساب لیا اس نے حساب دیا اور کہا کہ اتنا اتنا مال تو بیت المال کا ہے اور باقی یہ ہدیہ ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔

اس پر آپ نے فرمایا کہ اگر تمھاری یہ بات صحیح ہے تو تم اپنے باپ کے گھر میں بیٹھ رہے ہوتے اور دیکھتے کہ تمہارے پاس کتنے ہدیئے آتے ہیں۔ جب مملکت کی آمدنی میں کافی اضافہ ہو گیا تو اس واقعہ اور اس جیسے دوسرے واقعات ہی نے خلفاء کو اس طرف متوجہ کیا کہ وہ محاسبہ کا ایک دفتر بھی قائم کریں جہاں عمال اور حکام سے حساب فہمی کی جا سکے۔

۱۱۔ سفارت اور نمائندگی:

آپ کے ایلچی، سفیر، نمائندے بھی بہت تھے۔ جنہیں آپ بادشاہوں اور مختلف علاقوں کے امراء کے پاس بھیجتے تھے۔ ان سفارتوں کا بڑا مقصد اسلام کی دعوت پہنچانا اور تبلیغ ہوا کرتا تھا۔ بعض اوقات کچھ دوسرے سیاسی مقاصد بھی ہوا کرتے تھے۔ منظم مملکت میں سفیروں اور نمائندوں کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے جو مملکت اسلامی قائم فرمائی تھی اس میں بھی یہ محکمہ موجود تھا۔

(۱) آپ ﷺ کے سب سے پہلے سفیر جنہیں آپ نے نجاشی شہنشاہ حبشہ کے دربار میں بھیجا تھا۔ دحیہ ابن خلیفہ ؓ تھے (۲) انہیں آپ نے قیصر (ہرقل) شہنشاہ روم کے دربار میں بھی بھیجا تھا (۳) عبد اللہ سہمی انہیں آپ نے قیصر (ہرقل) شہنشاہ ایران کے دربار میں سفیر بنا بھیجا تھا (۴) حاطب ابن ابی بلتعہ ؓ انہیں آپ نے مقوقس شہنشاہ مصر کے دربار میں سفیر بنا کر بھیجا تھا (۵) شجاع ابن وہب اسدیؓ انہیں آپ نے حارث بن ابی شمر غسانی شاہ بلقاء۔ کے دربار میں سفیر بنا کر بھیجا تھا (۶) سلیطا بن عمر عامری ؓ انہیں آپ نے ہوذہ اور ثمامہ بن اثال حنفی کے پاس سفیر بنا کر بھیجا تھا جو یمامہ کے حاکم تھے ان میں سے ثمامہ مسلمان ہو گئے تھے۔ (۷)

عمرو ابن العاصؓ انہیں آپ نے جلندی کے دونوں بیٹوں جیفر اور عبد کے پاس سفیر بنا کر بھیجا تھا جو عمان کے حاکم تھے یہ دونوں صدق دل سے مسلمان ہو گئے تھے (۸) علاء ابن الحضرمیؓ انہیں آپ نے غزوہ جعرانہ سے واپس ہونے سے پہلے شاہ بحرین منذر ابن ساویٰ عیدی کے پاس سفیر بنا کر بھیجا تھا۔ وہ صدق دل سے مسلمان ہو گئے تھے۔ (۹)

مہاجر ابن مخزویؓ انہیں آپ نے یمن کے بادشاہ حارث ابن کلال حمیری کے پاس سفیر بنا کر بھیجا تھا حارث نے جواب دیا تھا کہ میں اس معاملہ پر غور کروں گا۔ (۱۰) ابو موسیٰ اشعری ؓ (۱۱) معاذ بن جبلؓ ان دونوں حضرات کو آپ نے بتوک سے واپسی کے وقت ربیع الاول سنہ (۱۰) ھجری میں اسلام کی دعوت دینے کے لئے یمن بھیجا تھا ان دونوں حضرات کی تبلیغ سے یمن کے اکثر باشندے بغیر جنگ ہی کے مسلمان ہو گئے تھے (۱۲)

علی ابن ابی طالبؓ ان کو آپ نے ابوموسیٰ اشعری اور معاذ ابن جبلؓ کے بعد یمن کے لوگوں سے زکوۃ وصداقت وصول کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ آپ مکہ میں حجۃ الوداع کے موقعہ پر حضور ﷺ سے آ ملے تھے (۱۳) جریر بن عبداللہ بجلیؓ انہیں بھی آپ ﷺ نے ذوالکلاع اور ذوعمرہ کے پاس اسلام کی دعوت دینے کے لئے بھیجا تھا یہ دونوں یمن کے بڑے سردار تھے اور دونوں مسلمان ہو گئے تھے حضرت جریرؓ بھی ان دونوں کے پاس ہی تھے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات ہوگئی۔ (۱۴)

عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ ان کو آپ نے مسلیمہ کذاب کے پاس یمامہ میں اپنا خط دے کر بھیجا تھا نیز ان کو ہدایات کی گئی تھی کہ وہاں سے فارغ ہوکر وہ مزدہ ابن عمرو جذامی کے دربار میں جائیں جو قیصر کی طرف سے بلقاء میں عمان کا گورنر تھا اور اسے اسلام کی دعوت دیں۔ چنانچہ مزدہ بن عمرو مسلمان ہو گئے اور حضور ﷺ کی خدمت میں انہوں نے اپنے اسلام لانے کے متعلق ایک خط بھی لکھا تھا نیز اپنی قوم کے آدمی حضرت مسعود ابن سعد جذامیؓ کے ساتھ آپ کے لئے کچھ ہدایا بھی بھیجے تھے۔ جن میں ایک سیاہی مائل سفید خچر جس کا نام فضہ تھا ایک گھوڑا جس کا ظرب تھا اور ایک گدھا جس کا نام یعفور تھا ان ہدایا میں کچھ کپڑے بھی تھے ایک طلائی سندس کی قبا تھی۔

آنحضرت ﷺ نے ان ہدایا کو قبول فرمایا تھا اور حضرت مسعود ابن سعد جو کہ یہ ہدایا لے کر آئے تھے پانچ سو درہم عطا فرمائے تھے (۱۶) ععیہ ابن حص مزاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو آپ نے بنوتمیم کی طرف سفیر اور مبلغ بنا کر بھیجا تھا۔ وہ اپنے ساتھ بنوعنبر کے کچھ لوگوں کو گرفتار کر کے بھی لائے تھے (۱۷) بریدہ ابن حضیب اسلمیؓ ان کو آپ نے قبائل اسلم اور غفار کی طرف تبلیغ کے لئے بھیجا تھا۔ (۱۸) عباد بن بشیر انصاریؓ ان کو آپ نے قبائل سلیم اور مزینہ کی طرف تبلیغ اسلام کے لئے بھیجا تھا (۱۹)

رافع ابن کیث جہنیؓ وہ فتح مکہ کے دن قبیلہ جہنیہ کے فوجی دستی کے علم دار تھے ان آپ نے قبیلہ جہینہ پر زکوۃ وصدقات کی وصولیابی کے لئے حاکم بنا کر بھیجا تھا (۲۰) عمروابن العاصؓ ان کو آپ نے قبیلہ فزارہ کی طرف بھی بھیجا تھا (۲۱) ضحاک ابن سفیان بن عوف کلابیؓ ان کو آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ان لوگوں کا والی (گورنر) مقرر کیا فرمایا تھا جو ان کے قبیلہ کلاب میں سے مسلمان ہو جائیں ان کے لئے آپ

نے ایک جھنڈا بھی اپنے دست مبارک سے بنایا تھا۔ان کے ذمہ اپنی قوم سے زکوۃ وصدقات وصول کرنے کی خدمت بھی تھی۔ وہ بڑے بہادر تھے اوران کی قوت سوسواروں کے برابر شمار ہوتی تھی۔(۲۲)

بسر بن سفیانؓ ان کو آپ نے خودان کی قوم بنوکعب کی طرف بھیجا تھا وہ اپنے قوم کے شرفاء اور سرداروں میں سے تھے۔آنحضرت ﷺ نے جب سلاطین روساءاورامراءکوتبلیغی خطوط ارسال فرمائے تو ایک خط ان کے نام بھی بھیجا گیا تھا(۲۳) عبداللہ بن ابن اللتبیہ بن ثعلبہ ازدیؓ ان کو آپ نے قبیلہ بنو میاں سے زکوۃ وصدقات وصول کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ان حضرات کے علاوہ اور بھی بہت سے صحابہ جن کی آپ نے مختلف اوقات میں مختلف علاقوں یامختلف شخصیتوں کی طرف سفیراورنمائندہ بنا کر بھیجا تھا۔

۱۲۔ پہرہ داری اور حفاظت:

پہرہ داری اور حفاظت خاص خاص موقعوں پر جب کوئی خطرہ ہوتا تھا اور سفر میں خصوصیت کے ساتھ کچھ لوگوں کو آپ پہرہ دینے اور حفاظت کرنے کے لئے بھی مقرر فرمادیا کرتے تھے تاکہ لوگ اطیمنان و سکون سے سوسکیں۔بعض اوقات خود اپنی حفاظت کے لئے بھی پہرہ دار مقرر کرنے پڑتے تھے۔بہت سے جلیل القدر صحابہ نے یہ خدمت سرانجام دی ہے۔آج کل شہروں کی شاہراہوں اور بازاروں میں پولیس رات کو پہرہ دیتی ہوئی جو دیکھی جاتی ہے اس کی اصل بھی یہی ہے۔اس شعبہ کو حضورﷺ کے زمانہ میں ''حرس''یا''حراست'' کہتے تھے سیرت کی کتابوں میں ان پہرہ داروں کا تفصیلی بیان موجود ہے ہم یہاں صرف چنداسماءگرامی درج کرر ہے ہیں۔

۱) حضرت سعد بن النعمان ابن امرء القیس انصاریؓ جوقبیلہ اوس کے سردار تھے۔انہوں نے جنگ بدر کی شب میں اس جھونپڑی پر پہرہ دیا تھا جس میں اس شب آنحضرت ﷺ نے آرام فرمایا تھا۔

(۲) حضرت ابوبکر صدیقؓ آپ نے جنگ بدر کے دن جب کہ آپﷺ آرام فرماتے تھے آپ اس جھونپڑی میں سجدہ ریز تھے اوردعاءفتح ونصرت میں مشغول تھے۔ننگی تلوار لئے ہوئے آپ کی حفاظت کے لئے پہرہ دیا تھا(۳)

حضرت محمد بن مسلمہ انصاریؓ انہوں نے جنگ احد میں آپ کے لئے پہرہ دیا تھا(۴) حضرت

زبیر ابن العوامؓ انہوں نے خندق کے دن آپ کی حفاظت کے لئے پہرہ دیا تھا (۵) مغیرہ ابن شعبہؓ انہوں یوم حدیبیہ میں آپ کی حفاظت کے لئے پہرہ دیا تھا اور ساری رات ننگی تلوار لئے ہوئے وہ آپ کے سر مبارک کے قریب کھڑے ہوئے تھے۔(۶) سعد ابن ابی وقاص، ذکوان ابن قیس اور بلال موئذنؓ انہوں نے خیبر سے واپسی میں دوران سفر اس رات اس خیمہ پر پہرہ دیا تھا جس میں آپ نے ام المومنین صفیہؓ سے نکاح کر کے ان کے ساتھ شب گزاری تھی (۷)

مرثد ابن ابی مرثد غنویؓ انہوں نے جنگ حنین کی شب میں آپ کی حفاظت کے لئے پہرہ دیا تھا۔ آپ نے پوچھا تھا کہ کوئی ہے جو آج کی رات ہماری حفاظت کے لئے پہرہ دے اس پر مرثد نے اپنے آپ کو پیش کیا کہ آج میں پہرہ دوں گا چنانچہ آپ نے ان کو دعا بھی دی تھی پھر قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوگئی کہ:

والله يعصمك من الناس

﴿اور خدا آپ لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے﴾

تو آپ ﷺ نے اس پہرہ دینے کے اہتمام کو قطعاً چھوڑ دیا تھا۔

۱۴۔ طبابت:

عربوں میں طبابت کا فن قدیم سے پایا جاتا تھا۔ نبی ﷺ کے عہد میں بھی اس کی اپنی قدر و قیمت تھی عہد نبوی میں جو اطباء موجود تھے ان میں حارث بن کلدہ ثقفیؓ کی بڑی شہرت تھی وہ عام طور سے طبیب العرب کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے انہوں نے فن طب کی تعلیم ایران اور یمن جا کر حاصل کی تھی۔

حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ میں ایک مرتبہ بیمار ہوا تو حضور ﷺ میری عیادت کے لئے تشریف لائے اور مجھے دیکھ کر فرمایا کہ تمہارے دل پر گرمی ہے تم خاندان بنو ثقیف کے طبیب حارث ابن کلدہ کے پاس جاؤ کیونکہ وہ علاج کرتا ہے اس سے کہو کہ سات دانے کھجور کے لے کر وہ اپنی دوا ملا کر تمہیں کھلائے۔

اس کے بعد حضور ﷺ نے حارث ابن کلدہ کو بھی ہدایت فرمائی کہ سعد کو جو کچھ مرض ہے تم

اس کا علاج کرو۔ یہ حارث ابن کلدہ حضرت امیر معاویہ کے عہدہ تک زندہ تھے اطباء عرب میں سے ایک مشہور ابن ابی رعشہ تمیمی تھے۔ یہ وہی بزرگ ہیں جنھوں نے حضور ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت دیکھی تو آنحضرتؐ سے عرض کیا کہ میں طبیب ہوں آپ مجھے اجازت دیجئے کہ اس کا علاج کروں تو حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ طبیب تو خدا ہے البتہ تم رفیق ہو۔

اسلام سے پہلے بھی اور اسلام کے بعد بھی طب کا فن عربوں میں بہت سے لوگوں کو آتا تھا۔ اسلام کے بعد اس میں کافی ترقی ہوئی حتیٰ کہ عباسی دور حکومت میں یہ اس قدر ترقی کر گیا تھا کہ دنیا کی کوئی قوم مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ اسی زمانہ میں اندلس میں بھی اس فن نے بڑی ترقی کی حتیٰ کہ یورپ کے اطباء تک اندلس میں آ کر طب کا فن سیکھا کرتے تھے اس سے پہلے اور عہد نبوی میں طبابت کی جو کچھ صورت عربوں میں ہوا کرتی تھی وہ آج تک بھی اسی صورت میں عربوں میں چلی آتی ہے۔

۱۴۔ نگرانی اور احتساب کا محکمہ:

نگرانی اور احتساب کا محکمہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے قائم فرما رکھا تھا عہد نبوی میں بازار کی نگرانی اور احتساب کو حسبۃ اور محکمہ کے حاکم کو محتسب کہتے تھے ہمارے ہاں آجکل ایسے حاکم کو رئیس بلدیہ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنے زمانہ میں بازار کی نگرانی اور احتساب کے لئے حضرت عمر ابن الخطاب عنہ کو مقرر فرمایا تھا اس کے بعد حضرت سعد بن سعید بن عاص کو مکہ مکرمہ کے بازار کی نگرانی کے لیے مقرر فرمایا تھا محتسب کا کام ان دنوں بازاروں کی نگرانی اور دیکھ بھال ہوا کرتا تھا۔ کہ کہیں بیع فاسد تو نہیں ہو رہی یا دھوکہ اور فریب تو نہیں کیا جا رہا۔

۱۵۔ تعلیم:

تعلیم اس زمانہ میں زیادہ تر پڑھنے لکھنے کی تعلیم تک محدود ہوا کرتی تھی حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب الاصابہ میں حکم بن سعید ابن العاص بن امیہ اموی کا تذکرہ لکھتے ہیں کہ یہ وہی صاحب ہیں جن کا نام آنحضرت ﷺ نے تبدیل فرما کر عبداللہ کر دیا تھا۔ آپ ﷺ نے ان کو حکم دیا تھا کہ وہ مدینہ منورہ کے لوگوں کو لکھنا سکھا دیں کیونکہ وہ ایک اچھے کاتب بھی تھے سنن ابوداؤد میں حضرت عبادہ ابن صامتؓ سے

روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے اصحاب صفہ کے لوگوں کو قرآن کریم پڑھنا اور لکھنا سکھایا تھا جنگ بدر کے قیدیوں کے متعلق سیر و تاریخ کی کتابوں میں صراحت سے منقول ہے کہ قریش کے بعض قیدیوں کا فدیہ (جن کے پاس مال نہیں تھا) یہی قرار دیا گیا تھا کہ وہ کم سے کم مدینہ منورہ کے دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھادیں تو ان کو رہا کر دیا جائے گا۔ امام سہیلی نے اپنی کتاب "الروض الانف" میں لکھا ہے کہ جنگ بدر کے قیدیوں میں ایسے لوگ بھی تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔

ان دونوں انصار میں لوگوں کو کچھ اچھا لکھنا نہیں آتا تھا تو جن قیدیوں کے پاس اپنی رہائی کے لئے زرفدیہ دینے کو نہیں تھا ان سے کہا گیا تھا کہ وہ مدینہ منورہ کے کم از کم دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھادیں تو ان کو رہا کر دیا جائے گا چنانچہ انہی دنوں بہت سے انصاری بچوں کے ساتھ زید بن ثابت نے بھی لکھنا پڑھنا انہیں قیدیوں سے سیکھا تھا جو بعد میں کاتب وحی کے درجہ ممتاز پر فائز ہوئے۔

اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مسلمانوں کو کفار سے ایسے علوم وفنون سیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے جن کی مسلمانوں کو اپنے دینوی معاملات کے لئے ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً طب انجینئر نگ کیمیا وغیرہ۔

۱۶۔ ٹاؤن پلاننگ یا انجینئر نگ:

ٹاؤن پلاننگ یا انجینئر نگ یا عہد نبوی میں ہمیں انجینئر نگ کے علم کی بنیاد بھی مل جاتی ہے۔ زمین کی پیمائش ان دونوں گز، میل، فرسنگ سے کی جاتی تھی اور مکانات بنانے کے لئے سڑکیں بنانے کے لئے باقاعدہ نشان زدگی کی جاتی تھی۔

ابن سعد نے طبقات میں بیان کیا ہے کہ جب رسول ﷺ نے مکانات کے لئے زمین پر نشانات لگائے تو حضرت عثمان کے مکان کے لیے بھی زمین پر نشانات لگائے تھے حضرت عثمانؓ کا مکان آج بھی موجود ہے۔ سنن ابوداؤد میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ اپنے لشکر کے پڑاؤ میں یہ منادی کرادی تھی کہ جو شخص جگہ میں تنگی کرے گا یا راستوں پر خیمے لگائے گا اس کا جہاد قبول نہیں ہوگا۔ بات یہ تھی کہ لوگوں نے قریب قریب خیمے لگا لئے تھے اور راستے نہیں چھوڑتے تھے جس کی وجہ سے کھچ پچ ہوگئی تھی اس سے آپ دیکھ سکتے ہیں کہ حضور ﷺ سفر تک میں خیمے کھڑے کرنے کی حد تک بھی بدنظمی کو برداشت نہیں

فرماتے تھے۔صحیح مسلم کی ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشادفرمایا کہ گلی کی چوڑائی میں اگر اختلاف ہو جائے تو اسے سات گز رکھ دیا جائے اس کے بعد خلفاء کے عہد میں انجینئر نگ اور ٹاؤن پلاننگ میں کافی ترقی ہوئی حتیٰ کہ عباسی اور اموی دور حکومت میں تو یہ فن انتہائی عروج کو پہنچ گیا تھا حتیٰ کہ شہر بغداد اور قرطبہ انجینئر نگ کے کمالات کے نمونے تھے۔

حضرت عمرؓ کے متعلق سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ جب آپ نے کوفہ اور بصرہ کی چھاؤنیاں بنانے کی اجازت دی تو ہدایت فرمائی تھی کہ تمام سڑکیں 20 گز چوڑی رکھی جائیں انجینئر نگ اور ٹاؤن پلاننگ کے سلسلہ میں اتنی بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ اس کا انداز ہر زمانہ میں اور ہر زمانہ کی ضرورت کے مطابق یکساں نہیں ہوسکتا اس میں برابر تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔

۱۷۔ آلات حرب:

آلات حرب کے سلسلے میں قرآن کریم کی یہ ہدایت موجود ہے کہ:۔

واعدوالهم ما استطعتم من قوة

اور کفار کے لئے جتنی قوت تم جمع کر سکتے ہو تیار رکھو۔

اس واضح ہدایت کے مطابق حضور ﷺ نے اس سلسلہ میں بڑے بڑے اقدامات فرمائے خود (حضور اکرم ﷺ کے اپنے ذاتی آلات جنگ جو کچھ تھے وہ سیرت کی کتابوں میں تفصیل سے بیان کر دیئے گئے ہیں۔ان سے قطع نظر جو جنگی ہتھیار عام فوج کے لئے آپ نے تیار کرائے اور جنکو مختلف جنگوں میں استعمال فرمایا۔ان کا ذکر غزوات کی تفصیلات میں آ گیا ہے عموماً تلوار، نیزہ اور تیر کمان تو ہر مسلمان کے پاس ہوتا ہی تھا لیکن طائف کی جنگ میں آپ نے منجنیق، دبابے، اور ضبور (Testudoes) بھی استعمال فرمائے تھے۔ضبور ایک قسم کے آلات ہوتے ہیں جن سے محاصرہ کی صورت میں کام لیا جاتا ہے کہ ان کی پناہ میں سپاہی قلعہ کی دیواروں تک پہنچ جاتے ہیں اور قلعہ کی طرف سے تیر اندازی اور سنگباری سے محفوظ رہتے ہیں۔یہ آلات حرب عہد نبوی میں عظیم ترین آلات حرب میں شمار ہوتے تھے۔

واقعہ یہ ہے کہ تاریخ یہ بتانے سے قاصر ہے کہ اس دور میں عام حکومتوں اور مملکتوں میں سے کسی

کے پاس بھی ان سے قوی تر یا ان سے عظیم تر ہتھیار پائے جاتے تھے جو خود رسول اکرم ﷺ نے استعمال فرمائے تھے لیکن اتنی بات یاد رہے کہ عربوں نے اپنی عام جنگوں میں زیادہ تر تلوار اور گھوڑے پر ہی اعتماد کیا ہے اور انہی دونوں کے ذریعہ سے انہوں نے بڑی بڑی شہنشاہیوں کے تخت الٹ دیئے تھے ان میں ایران، روم، قبط، ارمن، ترکمان، بربر اور فرنگی سب ہی کی شہنشاہیاں شامل ہیں۔

۱۸۔ دفتر خاتم:

خاتم اس انگشتری کو کہتے ہیں جس کے نگینہ سے مختلف فرامین اور سرکاری خطوط پر مہر لگائی جاتی تھی عربوں میں خطوط پر مہر لگانے کا رواج نہ تھا لیکن جب آپ نے مختلف ممالک کے بادشاہوں اور سرداران قبائل کو تبلیغی خطوط ارسال فرمانے کا ارادہ کیا تو آپ کو بتایا گیا کہ غیر ممالک کے بادشاہ ایسے خطوط کو قبول نہیں کرتے جن پر کوئی مہر لگی ہوئی نہ ہو چنانچہ اس ضرورت سے آپ نے اولاً سونے کی ایک انگوٹھی بنوائی مگر وہ آپ کو پسند نہیں آئی کیونکہ طبعاً سونا پہننا آپ کو پسند نہیں تھا۔

چنانچہ بعد میں ایک چاندی کی انگوٹھی بنوائی گئی۔ اس انگشتری کے امین اور محافظ حضرت معیقب ابن ابی فاطمہ دوسیؓ مقرر ہوئے تھے یہ انگوٹھی ان کے پاس محفوظ رہتی تھی اور وقت ضرورت فرامین اور مراسلات پر وہ اس سے مہر لگایا کرتے تھے۔ خلفائے بنوامیہ اور بنوعباس کے دور میں اس کے لئے ایک باقاعدہ دفتر قائم کر دیا گیا تھا جس کا نام "دیوان الخاتم" ہوا کرتا تھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس دیوان الخاتم کی ابتداء حضور ﷺ کا یہ اقدام ہی تھا کہ آپ نے ایسی انگشتری بنوائی اور اس کے لئے ایک امین اور محافظ کا تقرر فرما دیا تھا۔

۱۹۔ دیوان صاحب:

حاجب بواب، دربان ایک ہی عہدہ کے مختلف نام ہیں جو آگے چل کر بڑی اہمیت حاصل کر گیا تھا قرآن کریم میں یہ حکم موجود ہے کہ جب تم کسی کے گھر جاؤ تو گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت لے لیا کرو۔

حضور ﷺ کے پاس چونکہ ملاقات اور زیارت کرنے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا اس لئے آپ

کو اس کی ضرورت پیش آئی کہ آپ کچھ آدمیوں کو اس مقصد کے لئے مقرر کر دیں کہ وہ ملاقات کے لئے آنیوالوں کی اطلاع آپ کو پہنچائیں اور ان کے لئے ملاقات کی اجازت حاصل کریں چنانچہ اس کام کے لئے دو حضرات مقرر تھے ایک حضرت انس بن مالکؓ حضور کے خادم خاص تھے) اور دوسرے حضرت بلال بن رباحؓ (جو آپ ہی کے ایک آزاد کردہ حبشی غلام اور خدمت گزار تھے) ان دونوں میں سے کوئی آدمی آپ کے دروازہ پر موجود رہتا تھا اور لوگوں کے لئے ملاقات کی اجازت حاصل کرتا تھا حضور ﷺ کی بارگاہ میں اس منصب کی اہمیت محض ایک شرعی حکم کی بطریق احسن پیروی ہوتی تھی تاکہ آنے والے لوگوں کو کوئی دشواری پیش نہ آئے کچھ شان وشوکت کے مظاہرہ سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا۔

لیکن آگے چل کر اس منصب سے خلفائے بنوامیہ اور بنوعباس نے ناجائز فائدہ اٹھایا اور ان کے درباروں نے اتنی بڑی اہمیت حاصل کر لی تھی کہ وزارت کا منصب بھی ماند پڑ گیا تھا۔ اس کا کچھ اندازہ کرنا تو کسی تاریخ میں خلیفہ ہارون الرشید کے حاجب مسرور کے حالات وکوائف کا مطالعہ کافی ہوگا۔

۲۰۔ دیوان الشعراء:

عرب معاشرہ میں شعراء کو بڑی اہمیت حاصل تھی وہ ہمارے ہاں کی طرح جنس کاسد نہیں تھے بلکہ ان کا اثر اقتدار پوری قوم پر اس قدر شدید ہوا کرتا تھا کہ کسی شاعر کا ایک شعر قوموں کے درمیان امن و جنگ کے فیصلے کر دیا کرتا تھا شاعر پوری قوم کی زبان سمجھے جاتے تھے شاید آج کی دنیا میں پریس کو بھی وہ اہمیت حاصل نہیں ہے جو عرب معاشرہ شعراء کو حاصل تھی اس کا کچھ اندازہ آپ کرنا چاہیں تو مولانا حالی کے مقدمہ شعر وشاعری میں وہ واقعات وکوائف پڑھیے جو انہوں نے شعر کی تاثیر کے سلسلہ میں عرب کے شعراء کے متعلق بیان فرمائے ہیں اس دور میں عوام اور پبلک پر حکومت ومملکت کا اثر قائم رکھنے کیلئے شعراء کی خدمت انتہائی ضروری سمجھی جاتی تھی۔

جیسا کہ آج کل پریس کا تعاون ضروری سمجھا جاتا ہے۔ آج کی دنیا میں شاعروں کا مقام پریس نے چھین لیا ہے لیکن پھر بھی شعراء کی اپنی کچھ نہ کچھ اہمیت آج بھی باقی ہے اور ہر متمدن حکومت شعراء کے تعاون کے لئے کوشاں رہتی ہے اور وقتاً فوقتاً حسن کارکردگی کے نام سے صدارتی ایوارڈ دیا جاتا ہے۔

بہر حال عرب معاشرہ کے ان حالات میں شعراء کے تعاون کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا چنانچہ حضور ﷺ کے بھی شعراء تھے جو دیگر مشرک اور کافر شعراء کے اعتراضات کے جوابات دیتے تھے۔ حضور ﷺ کے شعراء میں سے تین کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۱) حضرت کعب ابن مالک ابو عبداللہ انصاریؓ آپ عرب کے مشہور شعراء میں سے ہیں بعیت عقبہ میں حاضر تھے اور وہیں آپ سے بیعت کی تھی جنگ بدر اور جنگ تبوک میں آپ شریک نہیں ہو سکے۔ باقی تمام جنگوں میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک رہے تبوک میں شریک نہ ہونے کی بناء پر ان پر عتاب ہوا اور بعد میں باقی دو ساتھیوں کے ساتھ ان کی توبہ قبول ہوئی ان کی توبہ کا ذکر قرآن میں بھی آیا ہے ان کی قادر الکلامی اور کلام کی تاثیر کا یہ حال تھا کہ انہوں نے قبیلہ دوس کے سلسلہ میں صرف دو شعر کہے تھے اور ان دو شعروں کا یہ اثر ہوا کہ پورا قبیلہ دوس بغیر کسی جنگ وجدل کے حلقہ بگوش اسلام ہو گیا تھا۔

۲) حضرت عبد اللہ بن رواحہ خزرجی انصاریؓ یہ بھی عرب کے مشہور شعراء میں سے تھے اور سابقین اولین میں سے شمار کئے جاتے ہیں۔ بیعت عقبہ میں شریک تھے بلکہ وہ اپنے خاندان کے نقیب (نمائندہ) بن کر گئے تھے جنگ بدر اور اس کے بعد تمام جنگوں میں شریک رہے حتیٰ کہ جنگ موتہ میں آپ شہید ہو گئے حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ عمرہ قضا کے موقع پر جب آنحضرت ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو حضرت عبداللہ ابن رواحہ آپ ﷺ کے آگے آگے چل رہے تھے اور یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے۔

خلو بنی الکفار عن سبیله،

الیوم نضربک علی تاویله،

ضرب یزیل الهامه عن مقبله،

ویزهل الخلیل عن خلیله'

''اے کفار کی اولاد آنحضرت ﷺ کے راستہ سے ہٹ جاؤ۔ آج ہم تمہیں ان کے حکم پر بری طرح ماریں گے۔ ایسا ماریں گے کہ کھوپڑیاں اپنی جگہ سے ٹل جائیں گی اور جگری دوست اپنے جگری دوستوں کو بھول جائیں گے''۔

حضرت عمرؓ نے ان کو تنبیہہ فرمائی کہ اے ابن رواحہ کیا اللہ کے حرم میں اور رسول ﷺ کی موجودگی میں آپ کے سامنے تم اس قسم کے شعر پڑھ رہے ہو؟" تو حضور ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا اے عمر ابن رواحہ کو کچھ نہ کہو اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ان کا کلام ان لوگوں پر تیروں کی بوچھاڑ سے بھی زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔

۳) حضرت حسان بن ثابت انصاریؓ۔ آپ جاہلیت اور اسلام دونوں دور کے مشہور شعراء میں سے ہیں شعراء مشرکین سے ان کے شعری مناظرے بہت مشہور ہیں بنو تمیم نے جب اپنے شاعر اقرع ابن حابس کو مفاخرت کے لئے کھڑا کیا اور بنو تمیم نے پکار کہ "اے محمد ہمارے سامنے نکل کر آؤ تو ہم مفاخرت میں آپ سے ذرا مقابلہ کریں" تو آنحضور ﷺ نے ان کے مقابلہ کے لئے حضرت حسانؓ ہی کو اشارہ فرمایا تھا اور انہوں نے کھڑے ہو کر ان کا منہ توڑ جواب دیا تھا۔

۲۱۔ ذرائع آمدنی:

زکوۃ اور صدقات کی فراہمی باقاعدہ کی جاتی تھی اور اس کے ایک جگہ جمع کیا جاتا تھا کہ غریب لوگ اپنے امیر بھائیوں کی دولت سے کچھ حصہ حاصل کر سکیں اور یہ ادارہ آپ کے مبارک عہد میں قائم ہو گیا تھا آپ کے عہد میں آمدنی کے ذرائع یہ تھے۔

الف) فیء یعنی مقبوضہ زمین کا لگان

ب) جزیہ وہ ٹیکس ہے جو اہل کتاب (یہودی و نصاریٰ) پر فوجی خدمت کے معاوضہ میں عائد کیا جاتا تھا مشرکین سے نہیں۔

ج) جو علاقہ صلح کے ذریعہ اسلام کے قبضہ میں آئے وہاں کی زمین کا لگان خراج کہلاتا ہے۔ یا ان علاقوں کی زمین کا لگان جو حاصل تو جنگ کے بعد ہوئی ہو۔ لیکن بدستور وہاں کے باشندوں کے قبضہ میں رہنے دی گئی ہو۔

د) عشر۔ اس زمین کی زکوٰۃ جس کے مالک مسلمان ہو گئے تھے یا وہ زمین جو فتح کے بعد غازیوں میں تقسیم کر دی گئی تھی عشر کہلاتا ہے۔

ہ) انفال۔لڑائی میں جو مال غنیمت ہاتھ آئے انفال کہلاتا ہے۔

و) زکوٰۃ۔نقدی اور مال مویشی وغیرہ پر مقررہ نصاب کے مطابق عائدہ شدہ بنیادی ٹیکس۔

ح) صدقات۔خدا کی راہ میں خرچ کرنا۔

۲۲۔ افسروں کا انتخاب:

رسول ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ گورنروں اور افسران مال کا تقرر کرتے وقت ان کی ذاتی قابلیت، دین داری، اور علم وفضل کا خاص خیال رکھتے تھے آپ ہمیشہ ایسے لوگوں کو مقرر کرتے جو عربوں میں عزت اور احترام کی نظروں سے دیکھے جائیں جنہیں ہر دلعزیزی حاصل ہو اور جو اپنے فرائض کو باحسن وجوہ انجام دے سکیں نبی ﷺ اپنے افسران مال اور صوبائی حکام کے بارے میں حالات دریافت کرتے رہتے تھے، غیر موزوں اور غیر اہل افسروں اور عاملوں کو معزول بھی فرما دیتے تھے۔ایک دفعہ بحرین سے قبیلہ عبدالقیس کا وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔وفد نے وہاں کے عامل علاء بن خصہ کی شکایت کی آپ نے انہیں معزول کر کے ابان بن سعید کو بحرین کا عامل نامزد کر دیا اور حکم دیا کہ قبیلہ عبدالقیس سے اچھا سلوک کیا جائے اور اس کے سرداروں کا احترام ملحوظ رکھا جائے۔

۲۳۔ حساب کی پڑتال:

نبی ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ آپ افسران مال سے حساب کے بارے میں آمد وخرچ کی پوری تفصیل کی پڑتال فرمایا کرتے تھے۔ایک دفعہ آپؐ نے ایک شخص کو صدقات کی وصولی کے لئے مقرر فرمایا، جب وہ شخص عرض کرنے لگا کہ یہ مال آپ کا ہے اور یہ مال مجھے بطور ہدیہ ملا ہے تو یہ سن کر نبی کریم ﷺ فرمانے لگے کہ کتنی عجیب بات ہے کہ ہم اک شخص کو مال افسر بنا کر بھیجتے ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ کے عطا کئے ہوئے علاقوں میں صدقات کی فراہمی کرے اور وہ شخص آ کر یہ کہتا ہے کہ یہ مال ہمارا ہے اور یہ مجھے بطور ہدیہ ملا ہے،مزہ تو جب تھا کہ وہ اپنے ماں باپ کے پاس بیٹھا رہتا اور پھر یہ دیکھتا کہ یہ مال اسے بطور ہدیہ ملتا ہے یا نہیں؟ پھر آپ نے فرمایا ہم جس شخص کو عامل یا گورنر بنا کر کسی علاقے میں بھیجتے ہیں اور ان کی تنخواہ مقرر کر دیتے ہیں تو اس کے بعد اگر وہ کوئی چیز بھی لیتا ہے تو خیانت کرتا ہے۔

۲۴۔ تنخواہیں:

حضرت رسول ﷺ نے حضرت عتاب بن اسید کو مکہ مکرمہ کا والی مقرر کیا اور اک درہم روزانہ ان کی تنخواہ مقرر کی بعض افسروں کی تنخواہیں جنس میں ادا ہوتی تھیں بعض والیوں اور عاملوں کے لئے جاگیروں کی آمدنی کا حصہ مقرر کر دیا گیا تھا۔

۲۵۔ وفود کی آمد اور جائے قیام:

ایک دفعہ میں عرب قبائل کے بہت سے وفود آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کیلئے مدینہ پہنچے آپؐ ہر وفد سے ان کی قبائلی زبانوں میں گفتگو فرماتے جس طرح ہمارے ہاں مختلف الفاظ مروج ہیں۔ اسی طرح قبائل میں بھی مخصوص الفاظ رائج تھے آپ ہر قبیلے سے ان کی بولی میں گفتگو فرماتے تھے۔ حضرت علیؓ سن کر حیران ہو گئے اور عرض کرنے لگے ''یارسول اللہ ﷺ'' ہم اک ہی باپ دادا کی اولاد ہیں، میں دیکھتا ہوں کہ آپ عربوں کے وفود سے ایسے الفاظ سے گفتگو فرماتے ہیں جو ہم نہیں سمجھتے آپؐ نے فرمایا "میرے رب نے مجھے خوب ہی تعلیم و تربیت دی ہے۔ جب نجران کے عیسائیوں کا وفد حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے انہیں اجازت دی کہ مسجد میں اپنے طریقے کی عبادت کر لیں اور یہاں قیام کر سکتے ہیں۔

۲۶۔ بیت المال کا قیام:

عہد نبوی ﷺ میں مال و دولت جمع کرنے کے لئے بیت المال نہ تھا۔ جب بھی مال اور روپیہ آیا تو آپؐ اپنے گھر اور صحابہ کرام کے گھروں میں بحافظت رکھ دیتے مال مویشی یعنی اونٹ گھوڑے خچر وغیرہ تو جس دن آتے اسی دن تقسیم کر دیئے جاتے تھے۔ شادی شدہ لوگوں کو غیر شادی شدہ لوگوں کی نسبت دو چند حصہ ملتا تھا مسلمانوں کے ایثا کا یہ حال تھا کہ جب کسی کو ضرورت نہ ہوتی تو لینے سے انکار کر دیتے اور ضرورت مند مسلمان کے گھر کا پتہ دے دیتے کہ وہاں لے جاؤ۔

۲۷۔ محکمہ مردم شماری:

ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ مسلمانوں کی مردم شماری کی جائے اک رجسٹر بنایا گیا اور اس میں پندرہ سو مردوں کے نام درج کیے گئے۔

۲۸۔ محکمہ فوج و پولیس:

عہد نبوی ﷺ میں کوئی باقاعدہ فوج نہ تھی ہر مسلمان سپاہی تھا اور جنگ کے وقت راہ خدا میں لڑنا ہر مسلمان کا قومی اور دینی فرض تھا تلوار و تیر کمان اور اور برچھی اس زمانے کے مشہور ہتھیار تھے جنگ میں حفاظت کے لئے زرہ خود اور ڈھال کا استعمال بھی ہوتا تھا جنگ حنین، میں منجنیقیں بادبانے وغیرہ استعمال کئے گئے تھے یہی آلات اس زمانے کے ٹینک اور توپیں تھیں جس کے علاقے میں چند نوجوان مسلمانوں کو بھیجا گیا تھا تاکہ آلات جنگ بنانا اور ان کا استعمال سیکھیں عہد نبوی ﷺ میں مسلمان عورتیں بھی جنگ میں شرکت کرتی تھیں ان کا کام یہ ہوتا تھا کہ زخمیوں کی مرہم پٹی کریں مجاہدین اسلام کے لیے کھانا پکائیں۔ میدان جنگ میں پانی پلائیں۔ بیماروں کی خبر گیری کریں مال غنیمت سنبھالیں اس مختصر خاکے سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت رسول مقبول ﷺ کے علم و عمل سے ساری قوم کو ایسا باضابطہ نظام مختلف عہدیداروں اور افسروں کی فہرست مذکور پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ؐ نے ایک نہایت عمدہ قابل رشک نظام حکومت کی بنیاد رکھی عہدوں اور محکموں کی تقسیم تو ایک اچھے خاصے سیکرٹریٹ کا پتہ دیتی ہے۔ اگر ان تمام شعبوں کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا جائے تو ایک مکمل دینی جمہوری سلطنت نظر آتی ہے۔ جس میں عصر حاضر کے تمام محکمے اور وزارتیں موجود ہیں مختصر یہ کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ایک نہایت تھوڑی مدت میں جزیرہ عرب کی حالت یکسر بدل ڈالی عربوں کو اور پھر ان کے ذریعہ تمام دنیا کو اک نیا معاشرہ نئی تہذیب، نئے عقائد، نئے انداز حکومت اور نئے اصول زندگی عطا کئے۔

جہاں تک محکمہ پولیس یعنی ''شرطہ'' کا تعلق ہے اس کے سلسلہ میں کتب سیرۃ میں موجود مندرجہ ذیل واقعہ درج کرنا کافی ہوگا کہ:

رسول ﷺ نے عوام کے دل و دماغ کی جس نہج پر تربیت فرمائی تھی اور ان کے ذہن و فکر کو جن روشن راہوں سے روشناس فرمایا تھا، ان کا اقتضا یہ تھا کہ اس معاشرہ میں پولیس کے محکمہ کی ضرورت ہی باقی نہ رہے اور حقیقت یہی ہے کہ انسان کو جرائم سے روکنے کے لئے جس قدر خود اس کے اپنے ضمیر کی آواز موثر اور کارگر ثابت ہوسکتی ہے پولیس اور سی۔ آئی۔ ڈی کے محکمے اتنے کارآمد اور مفید ثابت نہیں سکتے۔ آج ہر ملک

میں کثیر پولیس فورس کے باوجود جرائم کی رفتار میں کوئی کمی واقعہ نہیں ہوتی۔لیکن محمد عربی ﷺ نے بغیر کسی لمبی چوڑی پولیس کے جرائم کی رفتار اس قدر کم کر دی تھی کہ تاریخ میں اس کی تفصیلات پڑھ کر حیرت ہوتی ہے۔

رسول ﷺ نے جو معاشرہ ترتیب دیا تھا اس میں اگر چہ پولیس وغیرہ کی کوئی زیادہ اہمیت اور ضرورت نہیں تھی لیکن پھر بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس معاشرہ میں پولیس کے نام کا کوئی وجود ہی نہ تھا تاریخ و تفسیر کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے دور میں پولیس کا محکمہ بھی قائم فرمایا تھا، آپ ﷺ کے عہد میں پولیس کے محکمہ "شرطہ" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا اور حضرت قیس ابن سعد بن عبادہ انصاری الشرطہ (کوتوال شہر) کے نام سے یاد کئے گئے ہیں رسول اللہ ﷺ کے عہد طیبہ میں پولیس کے محکمہ کی کوئی باضابطہ و باقاعدہ صورت تو نہ تھی بلکہ ضرورت و مصلحت کے پیش نظر ایسے اُمور ذمہ دار اشخاص کے سپرد کر دیئے جاتے تھے البتہ شہری زندگی کی دیکھ بھال اور امن وامان کی خاطر حضرت قیس ابن سعد بن عبادہ انصاری کو مقرر فرمایا تھا اور وہی آپ کے ذاتی محافظ کی حیثیت میں بھی نگرانی فرماتے تھے سے سلیمان ندوی سیرۃ النبی میں لکھتے ہیں۔

''اگر چہ خلفائے راشدین کے زمانے میں بھی باضابطہ پولیس کا محکمہ قائم نہیں ہوا، اور اس کی ابتداء بنوامیہ کی سلطنت میں ہوئی۔تاہم آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں قیس ابن سعد اس خدمت کو انجام دیتے تھے اور اس غرض سے ہمیشہ آپ ﷺ کے ساتھ رہتے تھے"۔

حضرت قیس ابن سعد نے تقریباً دس سال تک رسول ﷺ کی پیشی میں یہ خدمت انجام دی آپ شکیل وجیہہ، انتہائی سخی، کریم النفس، عقلمند مدبر فاضل اور بہادر انسان تھے جنگی مہارت کے ساتھ ساتھ جنگی تدابیر پر بھی ان کو کافی عبور حاصل تھا۔

معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا منصب پر وہی فائز ہوسکتا ہے جن خصوصیات کے حامل حضرت قیس ابن سعد تھے۔

لغوی اعتبار سے پولیس یونانی زبان کے لفظ پولیس Police سے مشتق ہے جس کے معنی شہر کے ہیں پرانے زمانے میں جو شہری مملکتیں قائم تھیں ان کے سربراہ کو پائی لیٹ Pilate کہا جاتا تھا۔یونانی سے

یہ لفظ لاطینی، فرانسیسی اور انگریزی وغیرہ میں پہنچا اور بالآخر پولیس Police کی شکل اختیار کی اصطلاحی طور پر لفظ پولیس کے معنی شہری نظامت وضوابط کے طریقے ہیں۔ یونانی زبان کا ایک لفظ شرطین Shartin ہے جس کے معنیٰ پادری کے ہیں۔ یہی لفظ عبرانی اور عربی میں بھی پہنچا اور مختلف تغیرات سے گزر کر شرطہ کی صورت میں مروج ہوا۔

پولیس کے آدمی تہذیب وتمدن کے ہر دور میں کسی نہ کسی شکل میں برابر موجود رہے ہیں نام ان کا البتہ ہر زمانہ میں بدلتا رہا ہے۔ مصر میں آثار قدیمہ کی تلاش کرنے والوں نے ان پولیس افسروں کا سراغ لگایا ہے جو ولادت مسیح سے ایک ہزار سال قبل تمام وہی کام انجام دیتے تھے۔ جو آج پولیس کے آدمی انجام دیتے ہیں ان کے اقتدار کی نشانی یا ان کا ہتھیار ایک لٹھ ہوا کرتا تھا جس پر کسی دھات کی سان چڑھی ہوتی تھی اس دھات کی سان پر بادشاہ یا حاکم وقت کا نام کندہ ہوا کرتا تھا۔ غالباً آجکل پولیس افسروں کی وردی کے بٹنوں پر جو بادشاہ یا حکومت کا نام کندہ ہوتا ہے اسکی اصل بھی یہی لٹھ ہوں گے پہلی صدی عیسوی میں رومن ایمپائر میں بھی ہمیں کچھ ایسے پبلک افسروں کا سراغ ملتا ہے۔

جن کو لیکٹرز Lictors کہہ کر پکارا جاتا تھا ان کے فرائض کچھ ویسے ہی ہوتے تھے جیسے آجکل باڈی گارڈ کے ہوا کرتے ہیں جو مجسٹریٹ اور حاکموں کی پیشی میں رہتے ہیں ان کو جب مجسٹریٹ یا حاکم حکم دیتا تو وہ مجرموں کو اس کے سامنے پیش کرتے ان کو گرفتار کرتے۔ ان کو باندھ لیتے اور ان کو سزائیں دیتے تھے حتیٰ کہ موت کی سزائیں جاری کرنا بھی ان ہی کا کام ہوا کرتا تھا ان کے اقتدار کی نشانی لوہے کی سلاخوں کا ایک بنڈل ہوا کرتا تھا جو اچھی طرح کس کر ایک لٹھ کے سرے پر بندھا ہوا ہوتا تھا۔

عربوں کا سیاسی وسماجی نظام اس میں شک نہیں کہ مبادیاتی قسم کا تھا لیکن کئی لحاظ سے وہ ایرانی، یونانی اور رومی نظام ہائے مملکت سے بہتر تھا ان ممالک میں تمدنی وشہری ترقی اپنی طبعی خرابیوں سے دوچار ہو چکی تھی جبکہ عرب میں اس کے برخلاف قبائلی نظام بغیر کسی خرابی کے مروج تھا تمام سرداران قبائل دارالندوہ میں مل بیٹھتے اور پھر متفقہ فیصلوں کو اپنے اپنے قبائل میں نافذ کرتے۔ اس طریقہ کا سب سے بڑا فائدہ شورائی وجمہوری شعور تھا۔ ہر فرد بنیادی طور پر حریت عمل وافکار کا علمبردار تھا اور جرم خواہ کسی سے سرزد ہوتا ہمیشہ اور

ہر حال میں قابل مذمت تھا۔ اس صحرائی نظام میں جہاں ہر شخص شعور حریت سے دوچار ہو پولیس کے باقاعدہ محکمہ کی ضرورت نہ تھی۔ البتہ خاص خاص موقعوں پر مثلاً ایام حج، زمانہ جنگ اور میلوں ٹھیلوں میں والنٹیر مقرر کئے جاتے تھے اور بسا اوقات دارالندوہ کے فیصلے کے مطابق یہ خدمت کسی ایک قبیلے کے سپرد کر دی جاتی تھی اس وجہ سے عوام الناس میں ارتکاب جرم کی ہمت پیدا ہی نہیں ہوتی تھی اور اگر کسی قسم کا کوئی واقعہ رونما بھی ہوا تو مقامی طور پر ہی ذمہ دار اور نگران افراد اس کا سد باب کر دیتے تھے ان حقائق کی روشنی میں یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ سیاسی وسماجی نظام خواہ وہ کسی قسم کا ہو اس کے لئے ایک ایسے عملے کی ضرورت بہر حال موجود رہتی ہے جو عامتہ الناس کی نگہداشت کرے ان کو مختلف سہولتیں بہم پہنچائے اور خطرات ومشکلات سے مامون رکھے۔

اسلام کی آمد کے بعد سیاسی وسماجی ترقی ومقاصد کی خاطر آپ ﷺ نے بہت سے ضوابط مقرر کئے، آپ کی سیرت طیبہ میں انتظامی وعدالتی امور کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں قرآن حکیم میں ان لوگوں کی سخت مذمت کی گئی ہے جو روئے زمین پر فتنہ وفساد برپا کراتے ہیں۔ چنانچہ ایسے افراد و جماعت کی سرکوبی اور ان سے شہری اور معاشرتی امن کو بچانا بہر صورت لازمی ہے۔ اسلامی مملکت کے سربراہ کو امن عامہ کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے چنانچہ وہ مختلف تدابیر وقوانین کا نفاذ کر کے خطرات کی بیخ کنی اور بدکردار عناصر کا قلع قمع کرتا ہے۔

رسول ﷺ نے زندگی کے ہر امور اور ہر شعبہ میں خدمت اور دیانت کے جذبہ کو فروغ دینے کی کوشش کی اور اپنے عمال کو ہدایت کی کہ وہ عوام سے تحفہ اور ڈالی نہ قبول کریں اسی طرح لین دین کے معاملات میں ایمانداری کو اولین شرط قرار دیا چونکہ آپ کی مدنی زندگی میں غزوات وسرایا کا طویل سلسلہ قائم تھا اسی وجہ سے بیرونی دشمنوں اور اندرونی جاسوسوں کا خدشہ ہر وقت موجود تھا۔ لہٰذا آپ ﷺ نے ان خدشات کے سد باب کے لئے افراد واصحاب کی ایک جماعت کو مقرر کیا یہ لوگ گھوم پھر کر ایسے واقعات و حالات کا پتہ لگاتے اور مجرموں کی تفتیش کرتے اور اگر کسی کا کوئی جرم ثابت ہو جاتا تو شریعت کی رو سے سزائیں بھی نافذ کرتے، اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے معاشرتی اصلاح اور بلدیاتی منصوبہ بندی کی

جو بنیاد رکھی اس کو صحیح طور پر پائے تکمیل تک پہنچانے کے لئے نگراں عملے کی سخت ضرورت تھی اس کے پیش نظر چند لوگوں کو ان امور کی نگہداشت کے لئے متعین کیا گیا رسول ﷺ خود بہ نفس نفیس روزمرہ کے واقعات و حالات میں دلچسپی لیتے، لین دین تنازعات اور دیگر امور کی تحقیق و تفتیش کے ذریعہ طے فرماتے تھے مضافاتی بستیاں اور دور دراز کے قبائل میں شرطی و قاضی روانہ فرماتے جو وہاں کے مقامی مسائل کو حل کرتے اور پھر بارگاہ رسالت میں مفصل روئیداد پیش کرتے۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد بغاوت ارتداد اور فساد کے متعدد واقعات رونما ہوئے اور نتیجتاً صحابہ کرام کو دیوان شرطہ کی باقاعدہ و باضابطہ تشکیل کرنا پڑی۔

آجکل بھی شہر کی گلیوں، شاہراہوں اور بازاروں میں پولیس رات کو گشت کرتی ہوئی جو دیکھی جاتی ہے اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ پولیس کا کام عوام کی جان و مال کی حفاظت کا ہے۔ چنانچہ پولیس پارٹیاں عام سے شہروں میں رات کو پہرہ دیتی ہیں اور گشت کرتی ہیں اس کا ثبوت ہمیں عہد نبوت میں بھی ملتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ خاص خاص، موقعوں پر جب کوئی خطرہ درپیش ہوتا تھا تو مختلف ذمہ دار افراد کو پہرہ پر مقرر فرما دیتے، سفر میں خاص طور پر کچھ لوگوں کو حفاظت کرنے کے لئے ،امور فرما دیا جاتا یہ خدمت بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کرام نے بھی انجام دی ہے اس شعبہ کو حضور ﷺ کے عہد مبارک میں "حرس" یا حراس (پہرہداری) کہا جاتا تھا مختلف اوقات میں حضرت ابو بکر صدیقؓ حضرت محمد بن مسلمہ انصاریؓ حضرت زبیر ابن العوامؓ حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ نے یہ خدمت انجام دی ہیں۔

موجودہ زمانے میں پولیس کا ایک فریضہ ان سزاؤں کو نافذ کرنا ہوتا ہے جو کسی عدالت مجاز کی طرف سے مجرموں کے لئے تجویز کی جائیں حضور ﷺ کی سیرت پاک کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اسی مقصد کے لئے بھی کچھ حضرات کو مقرر فرمایا تھا۔ یہ چند حضرات ۔تھے جو آنحضرت ﷺ کی عدالت سے فیصلہ ہو جانے کے بعد مجرموں کو سزائیں، سنگسار اور قتل کرنے کی سزائیں شامل تھیں، ان سزائیں دینے والے حضرات میں حضرت علی ابن ابی طالبؓ، حضرت زبیر ابن العوامؓ، حضرت مقداد ابن الاسودؓ، حضرت محمد بن مسلمہؓ اور حضرت عاصم ابن ثابتؓ وغیرہ بڑے نمایاں تھے۔

ان تمام تصریحات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضور اکرم ﷺ کے بابرکت دور میں جبکہ پولیس کے محکمہ کی کوئی زیادہ ضرورت بھی نہیں تھی آپ نے اس قسم کے محکمے اور اس کے بڑے بڑے مفاد کے لئے کچھ حضرات کو مقرر فرما رکھا تھا اور اس کو شرطہ اجراء حدود وغیرہ کے ناموں سے یاد کیا جاتا تھا۔

آگے چل کر حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ کے دور خلافت میں باقاعدہ ''دیوان الشرطہ'' کا دفتر قائم کیا گیا تھا اور تمام مسلمانوں کے وظائف مقرر کر دیئے گئے تھے جو سب کو سال بہ سال دیدیئے جاتے تھے دور بنوامیہ اور دور بنوعباس میں جب فوج کے سپاہیوں کی باقاعدہ تنخواہیں مقرر کر دی گئیں اور فوج رضا کار کے بجائے مستقل تنخواہ دار ہوگئی تو پولیس کا محکمہ بھی باقاعدہ تنخواہ دار ہوگیا۔

الغرض پولیس کا محکمہ دنیا میں کوئی نیا محکمہ نہیں ہے جب سے انسان نے تہذیب وتمدن کی دنیا میں قدم رکھا کسی نہ کسی صورت میں اور کسی نہ کسی نام سے پولیس کا محکمہ انسانوں کے ساتھ لگا رہا ہے، صاحب الشرط (پولیس آفیسر) کا لقب جو دراصل، باڈی گارڈ کا کمانڈر ہوا کرتا تھا، شروع شروع میں صوبہ یا کسی بڑے شہر کے گورنر کو دیا جاتا تھا جس کا کام مذہبی اور غیر مذہبی قسم کے تمام معاملات کا فیصلہ کرنا ہوتا تھا لیکن عباسی دور حکومت میں یہ لقب ایک سرکاری عہدہ کے لئے مخصوص ہوگیا جو پبلک نظم وضبط اور تحفظ کا ذمہ دار ہوتا تھا اور جس کے فرائض کچھ ایسے ہوتے جیسے موجودہ زمانہ میں پولیس کے اعلیٰ عہدہ دار کے ہوتے ہیں۔

مثلاً انسپکٹر جنرل خلافت عباسیہ، اسپین کی اموی حکومت اور مغرب ومصر کی فاطمی حکومت میں صاحب الشرطہ کے اختیارات قاضی (کورٹ) سے کہیں زیادہ ہوا کرتے تھے کیونکہ قاضی (کورٹ) کے برعکس صاحب الشرطہ کو یہ بھی اختیارات ہوتا تھا کہ وہ محض شبہ کی بناء پر بھی لوگوں کو گرفتار کر کے سزائیں دے سکتا تھا البتہ اتنا ضرور تھا کہ مملکت کے تمام باشندے اس کے ان اختیارات کا شکار نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ نچلے طبقے کے لوگ خصوصیت کے ساتھ وہ اشخاص وافراد جو مشتبہ کردار رکھتے تھے اور جن کے متعلق بڑی شہرت پائی جاتی تھی وہی اس کے ان غیر محدود اختیارات کی زد میں آتے تھے،اس کے علاوہ چونکہ صاحب الشرط کے ماتحت حسبہ قضا اور بلدیہ کے محکمات بھی ہوتے تھے اس وجہ سے اختیارات سے تجاوزیاں ان کے غلط استعمال کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

ان حقائق سے آپ اندازہ فرما سکتے ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنے عہد مبارک میں جو ادارہ صاحب الشرطہ، کے نام سے قائم فرمایا تھا وہ شدہ شدہ کتنی عظیم اہمیت حاصل کرتا چلا گیا لیکن یہ بات خاص طور پر ذہن میں رہنا چاہیے کہ اس ادارہ کا یہ تمام ارتقاء درحقیقت اسی بنیاد پر ہوا تھا جو آنحضرت ﷺ نے اپنے عہد مبارک میں قائم کردی تھی اور اگر میں کہوں کہ آج ان اداروں کی جو کچھ اہمیت وافادیت ہے وہ بھی دراصل اسی بنیاد پر قائم ہے تو غالباً بے جا نہیں ہوگا، کیونکہ اس تاریخی حقیقت سے بہر حال انحراف نہیں کیا جاسکتا کہ یورپ کی نشاۃ ثانیہ بڑی حد تک اسی روشنی کی رہین منت ہے جو اس نے اسپین کی اموی حکومت سے حاصل کی تھی اور اسپین کی اموی حکومت نے جو کچھ سیکھا تھا وہ اپنے پیشرو حکومت سے ہی سیکھا تھا۔ جس کا سلسلہ بالآخر آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی پر ہی منتہی ہوتا ہے۔

مراجع ومصادر

☆ قرآن کریم

☆ احادیث نبویہ (مسلم / سنن ابوداؤد / ترمذی / وغیرہ

۱۔ تاریخ اسلام، ڈاکٹر ابراہیم حسن ابراہیم، آسیوط یونیورسٹی قاہرہ، مصر

۲۔ المتمدن الاسلامی، جرجی زیدان، بیروت، لبنان

۳۔ الثقافۃ الاسلامیہ، ڈاکٹر طہ حسین، قاہرہ، مصر

۴۔ سیرت حضرت ابوبکر الصدیق، ڈاکٹر طہ حسین، قاہرہ، مصر

۵۔ سیرت حضرت عمر بن الخطاب، ڈاکٹر طہ حسین، قاہرہ، مصر

۶۔ سیرت عمر، العقاد، مصر

۷۔ النھایۃ مطبورعۃ، القاہرہ، مصر

۸۔ المستدرک، للحاکم النیشابوری، القاہرہ، مصر

۹۔ الاحکام السلطانیہ، الماوردی

۱۰۔ نبی کریم ﷺ کے عدالتی فیصلے، عبداللہ القرطبی لاہور

۱۱۔ حجۃ اللہ البالغۃ، شاہ ولی اللہ الدہلوی، مطبوعہ مجتبائی دہلوی

۱۲۔ الطرق الحکمیة فی السیاسة الشرعیة، ابن القیم، اردو ترجمہ کراچی

۱۳۔ الطبقات ابن سعد، نفیس اکیڈیمی، کراچی

۱۴۔ شمائل الترمذی، مطبوعۃ دہلی، کراچی

۱۵۔ شمائل الترمذی، کراچی

۱۶۔ مبادیات تنصیبات اسلامی، ڈاکٹر امیر حسن جامعہ، کراچی

۱۷۔ سیرت ابن ھشام، اردو ترجمہ، کراچی

۱۸۔ لیکچر راقم برائے طلباء وطالبات ایم۔اے فائنل ۱۹۹۳ء، عنوان مسلمانوں کا نظم مملکت اور عصر حاضر

۱۹۔ سیرت النبی، شبلی نعمانی، سلیمان ندوی

...........☆.................

اسلامی معاشرتی نظام
سیرت رسول اللہ ﷺ کی روشنی میں

* پروفیسر ڈاکٹر خلیل الرحمٰن

الحمد للّٰہ رب العلمین والصلاۃ والسلام علی خاتم النبیین ، امابعد.

اسلامی تعلیمات کی موجودگی کے باوجود آج پوری دنیا میں مسلمانوں کو سکون نصیب نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عصر حاضر میں جملہ مسلم ممالک میں اسلامی معاشرے کا فقدان ہے۔ یورپی ترقی یافتہ ممالک نے بعض اسلامی تعلیمات کو اپنا کر ایسے معاشرے تشکیل کئے ہیں جن کے افراد کسی حد تک پرسکون زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اسلامی معاشرہ تو درکنار امت مسلمہ میں تو خال خال اہل علم ونظر کے سوا باقی مسلمان یہ بھی نہیں جانتے کہ اسلام یا اسلامی معاشرہ کیا ہے؟

جو پاکستان چودہ اگست ۱۹۴۷ء کو اسلام کے نام پر وجود میں آیا تھا۔ اس میں بھی اسلامی معاشرہ قائم کرنا تو دور اس کیلئے افراد کی تیاری کا کام بھی شروع نہیں ہوا۔ آج ہمیں اپنے معاشرے میں جوانارکی، بے راہ روی اور پسماندگی نظر آرہی ہے۔ اس کی وجہ بھی اسلامی معاشرے کی عدم تشکیل ہی ہے۔ اس عبرتناک صورت حال میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی معاشرے کی تشکیل وتعمیر کرنے کا خواب کیسے شرمندۂ تعبیر ہوسکتا ہے۔

اس دور میں مسلم اقوام کو ہی نہیں جملہ اقوام عالم کو بھی توحید واخوت اور امن وسلامتی کے اسلامی معاشرے کی ناگزیر حاجت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ:۔﴿لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اُسوۃ حسنۃ﴾ اس لئے کسی بھی زندگی کے پہلو کے لئے مثال اور نمونہ رسول پاک ﷺ کی ذات ہے۔ انسانی

* ڈائریکٹر زید اسلامک سنٹر کراچی یونیورسٹی، کراچی

ضرورت کے دوسرے جملہ اداروں کی طرح معاشرتی نظام بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کی روشنی میں ہی تیار کیا جا سکتا ہے۔ اس سے ہمیں پتہ چل سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معاشرتی رویہ کیسا تھا؟ آپ نے اسلامی معاشرے کیلئے افراد کیسے تیار کئے؟ اور ان افراد سے کس طرح ایک معاشرہ بنایا؟ نیز یہ کہ سیرت طیبہ کی روشنی میں اسلامی معاشرتی نظام کی کیا خصوصیات ہیں؟

انہی سوالات کا جواب اس تحقیقی مقالہ میں ڈھونڈنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ضروری معلومات اور مواد اصلی ماخذ سے اخذ کیا گیا ہے اور قرآن وحدیث سے استدلال کیا گیا ہے۔ جبکہ احادیث کی تخریج بھی کی گئی ہے۔ نیز آخر میں مقالے کے نتائج بھی لکھے گئے ہیں۔ مقالے کا خاکہ کچھ اس طرح ہے:

الف) ⌘ معاشرتی نظام کا مفہوم

⌘ اسلامی معاشرتی نظام کی تشکیل

⌘ اسلامی معاشرے کیلئے افراد کی تیاری

ب) **رسول اللہ ﷺ کی مکی زندگی کا معاشرتی پہلو:**

ج) **مدینے میں اسلامی معاشرے کا قیام:**

⌘ نئے آئین کا نفاذ

⌘ مہاجرین کی آبادکاری

⌘ معاشرتی اداروں کا قیام

د) **سیرت طیبہ کی روشنی میں اسلامی نظام کی خصوصیات:**

⌘ اتحاد انسانیت

⌘ سچائی اور توازن

⌘ احساس ذمہ داری اور امانت

⌘ افراد کی تعلیم وتربیت

ہ) نتائج

الف۔ معاشرتی نظام کا مفہوم:

معاشرتی نظام معاشرے سے نکلا ہے جو عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کی اصل عاشر ہے جس کا مطلب ہے کسی کے ساتھ وقت گزارنا یا ساتھ رہنا۔ جب کچھ افراد مل کر رہنا شروع کر دیں تو ان سے ایک معاشرہ (Society) وجود میں آ جاتا ہے۔ معاشرے کیلئے ابن خلدون نے عمران کی اصطلاح استعمال کی ہے۔(۱)

ہر معاشرے کو اپنے اندر نظم ونسق اور معاشرے کے افراد کی ضروریات کی تکمیل کیلئے کچھ قواعد کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ قواعد جو کسی فکر اور عقیدے کی اساس پر بنے ہوتے ہیں۔ معاشرے میں افراد کے حقوق وفرائض کا تعین کرتے ہیں اور اس بات کو یقینی بناتے ہیں کہ معاشرے کے کسی فرد سے زیادتی نہ ہو۔ انہی قواعد کو جو افراد کے باہمی تعلقات کو کنٹرول کرتے ہیں۔ معاشرتی نظام (Social System) کہا جاتا ہے(۲)

اسلامی معاشرتی نظام کی تشکیل:

وہ نظام معاشرت جس کی بنیاد اسلامی عقائد پر ہو اور جس کے ضوابط اسلامی تعلیمات کی روشنی میں بنائے جائیں، اسلامی معاشرتی نظام کہلاتا ہے۔(۳) اسلامی معاشرتی نظام کا آغاز تو اسی وقت ہو گیا جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں خدا کے پیغام کو لوگوں تک پہنچانا شروع کر دیا۔ لیکن اس نظام نے عملی شکل اس وقت اختیار کی جب رسول اللہ ﷺ مدینے میں پہلی اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی اور ریاست کے باشندوں کے رہنے سہنے کیلئے معاشرتی نظم ونسق کا انتظام فرمایا۔ اس کی مزید تفصیل ذیل میں بیان کی جاتی ہے۔

۱۔ Encyclopaedia Britanica p,17/13

۲۔ Internatioal Encyclopaedia of social sciences (Macmillamand free press 1958) (1958):V.14 P :577

۳۔ تفصیل کے لئے دیکھیں: Dr.Mohammad Muslahuddin,"Sociology and Islam,"(Islamic publications LTD Lahore,1977),P.75

ا۔ اسلامی معاشرے کیلئے افراد کی تیاری:

جب سے انسان پیدا ہوا اور حضرت آدم وحوا نے زمین پر زندگی گزارنا شروع کی انسانی معاشرہ اسی وقت سے وجود میں آ گیا۔ اس کا مقصد آپس میں تعارف تھا۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اس امر کی طرف اشارہ فرمادیا ہے۔

﴿ یایھاالناس انا خلقنکم من ذکر وانثی وجعلنکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عنداللہ اتقکم ان اللہ علیم خبیر﴾(۴)

''اے ایمان والو! ہم نے تمہیں مذکر اور مونث سے پیدا کیا۔ تمھاری قومیں اور قبائل اس لیے بنائے تاکہ تمہارے درمیان تعارف رہے، بیشک اللہ کے نزدیک زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ متقی ہے بیشک اللہ تعالیٰ جاننے والا اور علم والا ہے۔''

اس سے پہلے معاشرے کے قیام سے لے کر رسول اکرم ﷺ کی بعثت تک ہر قوم کی طرف اللہ کے رسول اور پیغمبر آتے رہے تاکہ قوموں کو خدا کا پیغام پہنچاتے رہیں۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ولقد ارسلنا من قبلک رُسُلاً الی قومھم﴾(۵)

جب انسانی فکر پختگی کے مقام پر پہنچ گئی اور وہ اس قابل ہوگئی کہ عقیدۂ توحید اور ایمان کے عالمی تقاضوں کو سمجھنے لگے۔ علمی طور پر انسان اس قابل ہوگیا کہ ترقی یافتہ معاشرہ کو تشکیل دے سکے تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں کیلئے اپنے رسول ﷺ کو مبعوث فرمادیا تاکہ عدل وانصاف پر مبنی معاشرہ قائم کیا جاسکے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

﴿ وما ارسلنک الا کافۃ للناس بشیرا ونذیرا ﴾(۶)

نبی کریم ﷺ کی ذات میں اللہ تعالیٰ نے سچائی، وفا، معرفت، التوضع اور اخلاق عالیہ کو ان کی اعلیٰ وارفع صورت میں جمع فرمادیا تھا۔ آپ ان صفات کی وجہ سے لوگوں کے دلوں کے بہت قریب ہو گئے تھے۔

۴۔ الحجرات: ۴۹

۵۔ الروم: ۴۷

۶۔ سبا: ۲۸

اسی لیے جبرئیل علیہ السلام نے کہا:۔

﴿ قلبت الارض مشارقها ومغاربها فلم اجد افضل من محمد ، وقلبت الارض مشارقها ومغاربها فلم اجد بني اب افضل من بني هاشم ﴾ (۷)

نبوت سے پہلے محمد بن عبداللہ کی معاشرتی خدمات:

رسول اللہ ﷺ نبوت سے پہلے بھی جاہلی معاشرے میں ممتاز زندگی بسر کرتے تھے۔آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح جوان کیا تھا کہ آپ جاہلیت کی تمام بُری عادتوں سے محفوظ تھے۔آپ بعثت سے پہلے ہی لوگوں میں سب سے بہتر ہونے کی حیثیت سے معروف ہو گئے تھے۔آپ کے اخلاق ان میں سے سب سے اچھے تھے،آپ کا حسب نسب سب سے بہتر تھا۔آپ پڑوسیوں کے حقوق کا خیال رکھنے والے تھے، سب سے زیادہ برداشت والے اور سچے تھے۔سب سے زیادہ امانت دار تھے اور بُرائی اور بے حیائی سے سب سے زیادہ دُور تھے۔انہی صالح امور کی وجہ سے آپ اپنے معاشرے میں امین اور صادق کے القاب سے مشہور ہو گئے تھے(۸)۔

آپ ﷺ شروع سے ہی اپنے معاشرے کیلئے نیکی کی خدمات سرانجام دیتے تھے۔مجبور اور بیکسوں کی مدد فرماتے تھے۔عدل وانصاف کیلئے کام کرنے والوں کے ساتھ،عربوں نے حلف الفضول کے نام سے عدل وانصاف قائم کرنے کا ادارہ قائم کیا تو آپ اس میں پیش پیش تھے۔آپ ﷺ لڑائی اور فساد کو ناپسند کرتے تھے۔اور آپ نے اپنی ذاتی کوشش سے قریش مکہ کو ایک بہت بڑی جنگ سے بچالیا۔آپ کی عمر ۳۵ سال کی تھی جب قریش مکہ۔نے بیت اللہ کی تعمیر کروائی۔قبائل عرب کا اس بات پر جھگڑا ہو گیا کہ حجرِ اسود کو کون اس کی مخصوص جگہ پر رکھے۔پھر اتفاق اس بات پر ہوا کہ جو دوسرے دن پہلے بیت اللہ میں داخل ہو وہی ثالث کے فرائض انجام دے۔صبح ہوئی تو محمد بن عبداللہ سب سے پہلے اس میں داخل ہونے والے تھے۔پس جب انہوں نے آپ کو دیکھا تو کہا:(''**هذا الامين ، رضينا، هذامحمد**'') اس موقع

۷۔ ابن كثير (ابو الفداء اسماعيل)،البداية والنهاية،(مكتبة المعارف ،بيروت ۱۹۶۶ م) ۱/ ۲۵۷

۸۔ ابن هشام (محمد بن عبدالملک)،السيرة النبوية ،(بيروت)ص ۱/ ۱۶۸

پر محمد ﷺ چاہتے تو یہ شرف اپنے لئے رکھ لیتے لیکن آپ نے ایک کپڑا منگوایا اور اس میں یہ سیاہ پتھر رکھ دیا اور پھر فرمایا:'' تاخذ کل قبیلة بناحیة من التوب تم ارفعوا جمیعاً '' لوگوں نے ایسا ہی کیا جب پتھر اپنی مخصوص جگہ پر پہنچ گیا تو آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اسے مقررہ جگہ پر نصب فرما دیا اور اس طرح جاہلی معاشرے کے افراد کو ایک بہت بڑی تباہی سے بچالیا۔(۹)

ب۔ رسول اللہ ﷺ کی مکی زندگی کا معاشرتی پہلو:

جیسا کہ ذکر کیا گیا بعثت سے پہلے ہی رسول اللہ ﷺ معاشرتی فلاح کے کاموں میں حصہ لیتے تھے۔۴۰ سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے نبوت کے منصب پر فائز فرمایا، اور آپ کے نبوی فرائض کی ادائیگی کا حکم دیا۔ان فرائض میں معاشرتی فرائض بھی شامل تھے۔چنانچہ ارشاد باریٔ تعالیٰ ہے:

﴿وانذر عشیر تک الاقربین واخفض جنا حک لمن اتبعک من المومنین فان عصوک فقل انی بری ء مماتعملون﴾(۱۰)

اللہ تعالیٰ کے احکامات کی ادائیگی کرتے ہوئے آپ نے اپنے اقرباء کو کھانے کی دعوت پر بلایا اور پھر کہا:۔

﴿مااعلم انسانا فی العرب جاء قومه بافضل مما جئتکم به، قد جئتکم بخیر الدنیا والاخرة﴾(۱۱)

جب آپ کے رشتہ دار آپ کی بات کی طرف متوجہ نہ ہوئے تو آپ اہل مکہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اُن سے کہا:۔

﴿ارایتکم لو اخبرتکم ان خیلا بالوادی تریدُ ان تغیر علیکم أکنتم مصدقی﴾ انہوں نے کہا ہاں کیوں نہیں ہم نے آپ میں سچ کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:۔

۹۔ ابن هشام ،ص ۱/ ۱۸۲ ؛ابن سید الناس ،عیون الا ثرفی فنون المعازی والشمائل (دارالجیل ،بیروت ۱۹۷۴) ۱/ ۵۲.

۱۰۔ الشعراء:۲۱۴۔۲۱۶

۱۱۔ الطبری (ابو جعفر محمد بن جریر)،تاریخ الا مم والملوک ،دارالفکر ۱۹۷۹، ۲/ ۲۱۷

﴿فانی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید﴾(۱۲) اس طرح رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعوت کا آغاز فرمایا۔آپ کے اعلیٰ وارفع اخلاق اس دوران آپ کے سب سے امتیازی وصف تھے۔انہی اخلاق کی وجہ سے آپ کی دعوت پھیل رہی تھی۔آپ نرم دل اور رحم کرنے والے تھے بہت زیادہ متواضع تھے۔بہادر نڈر تھے،میٹھی گفتگو فرماتے تھے،عدل کو پسند کر فرماتے تھے،ہر حق والے کو اس کا حق عطا فرماتے تھے،یتیم، ضعیف،مسکین اور بے بس کی طرف ایک باپ کی سی شفقت اور محبت کا روّیہ رکھتے تھے۔ان اخلاق عالیہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ مکہ کے تاجروں اور اس کے عزت دار لوگوں میں سے اچھے نفوس مسلمان ہونا شروع گئے اور اسلام مکہ میں پھیلنا شروع ہو گیا۔انہی لوگوں کو رسول اللہ ﷺ نے اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لئے تیار کرنا شروع کر دیا۔(۱۳)

رسول اللہ ﷺ کی کامیابیوں سے قریش مکہ اور وہاں کے سرداروں کو سخت تکلیفیں محسوس ہونا شروع ہو گئیں۔انہیں اس بات کا خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں جاہلی معاشرے کی بنیادیں دھڑام سے نیچے نہ گر پڑیں۔اس لئے انہوں نے اسلام کی مخالفت کا سلسلہ تیز کر دیا اور جو کوئی بھی مسلمان ہوتا اس پر ظلم وستم کرنا شروع کر دیا۔خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان سے محفوظ نہ تھے۔ان کے بیوقوف لوگ رسول اللہ ﷺ کو اذیتیں دیتے اور آپ کو طعنے دیتے لیکن رسول اللہ ﷺ اپنے عزم مصمم سے نہ ہٹے۔(۱۴)

جب قریش مکہ نے ظلم وستم کی ناکامی کو محسوس کیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو مال دولت، حکومت اور اقتدار وغیرہ کی پیش کش کی۔ان کی خواہش یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ ان کی پیش کش کو قبول کر لیں اور اسلامی معاشرہ قائم کرنے کی کوشش ترک کر دیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ قبول نہ تھا(۱۵)۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کا ظلم وستم اور بڑھ گیا۔رسول اللہ ﷺ نے تمام تر جرأت، بہادری اور صبر کے ساتھ اس کا مقابلہ فرمایا۔لیکن ساتھ ہی آپ نے محسوس کیا کہ اسلامی معاشرے کے قیام کیلئے کسی مناسب جگہ کی

۱۲۔ البخاری ،الجامع الصحیح ،کتا ب التفسیر ،باب و انذر عشیر تک الا قربین ،حدیث نمبر ۴۴۹۲،ص ۴/ ۱۷۸۷

۱۳۔ محمد حسین ہیکل ،حیاۃ محمد ،مطبعۃ مصر ،۱۹۴۷،ص ۱۴۱

۱۴۔ ابن ھشام ،م.ن ،ص ۱/ ۲۵۷

۱۵۔ ابن سید الناس ،عیون الاثر ،۱/ ۱۰۵

ضرورت ہے۔ مکہ میں فی الحال یہ ممکن نظر نہیں آتا۔ آپ طائف تشریف لے گئے وہاں کے لوگوں نے بھی آپ کی دعوت کو قبول نہ کیا۔ آپ ہر سال حج کے موقع پر باہر سے آنے والے وفود سے بھی ملاقاتیں فرمایا کرتے تھے۔ اسی قسم کی ایک ملاقات یثرب کے قبائل اوس وخزرج کے وفد سے بھی ہوئی۔ ان لوگوں نے یثرب کے یہودیوں سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سن رکھا تھا۔ اس لئے جونہی رسول اللہ ﷺ نے ان کو دعوت دین کی دی انہوں نے آپ کو یہودیوں کی بتائی ہوئی نشانیوں کی بنا پر پہچان لیا اور آپ پر ایمان لے آئے اور انہوں نے رسول اللہ کی عقبہ کے مقام پر پہلی بیعت کر لی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر قسم کی مدد کرنے کا وعدہ کیا۔ (۱۶)

رسول اللہ ﷺ نے ان کے ہمراہ حضرت مصعب بن عمیرؓ کو روانہ فرمادیا تا کہ وہ یثرب میں اسلامی معاشرے اور اسلامی ریاست کے قیام کے لئے افراد کی تیاری کریں، حضرت مصعب بن عمیرؓ کی کوششوں سے مدینہ یثرب مدینۃ الرسول بننے کے لئے تیار ہو گیا اور بعثت کے ۱۳ویں سال ۷۳ اشخاص پر مبنی یثربی وفد جو اوس وخزرج کے قبائل پر مبنی تھا مکہ گیا۔ یہاں پر انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی۔ اس بیعت کو معاشرتی معاہدہ بھی کہا جا سکتا ہے کیونکہ اس میں جو بھی تعلیمات تھیں وہ معاشرہ کے متعلق ہی تھیں۔ چنانچہ بیعت کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا ''آؤ اس چیز پر بیعت کرو کہ تم کسی کو اللہ کا شریک نہیں ٹھہراؤ گے، چوری نہیں کرو گے، زنا نہیں کرو گے، اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گے، جھوٹے الزام نہیں لگاؤ گے، معروف میں میری نافرمانی نہیں کرو گے، پس تم میں سے جس نے اس وعدہ کو پورا کیا تو اس کا اجر اللہ کے ہاں ہے'' (۱۷)۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ نے یثرب کی طرف ہجرت فرمانے سے پہلے ہی وہاں پر ایسی فضا کی تیاری شروع کر دی جس میں اسلامی معاشرے کو قائم کیا جا سکے۔

ج۔ مدینے میں اسلامی معاشرے کا قیام:

مکے میں ۱۳ سالہ جدوجہد کے بعد رسول اللہ ﷺ نے یثرب کو اپنی دعوت کا مرکز بنالیا اور اپنے

۱۶۔ ابن ھشام، م۔ن، ۲/ ۵۴، ۵۵، الطبری التاریخ ۲/ ۳۵۴

۱۷۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب فضائل الصحابۃ، باب وفود الانصار الی النبی ﷺ بمکہ حدیث نمبر ۳۲۲۰، ۳/ ۱۴۱۳

تمام صحابہ رضی اللہ عنہ کو ہجرت کا حکم دیا خود بھی آپ ہجرت کر کے یثرب تشریف لے آئے۔اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی سال اسلامی معاشرہ قائم فرمایا اسلامی ریاست کی تشکیل کی اور اس ریاست میں مسلمانوں کے معاشرے کے قیام کے لئے درج ذیل اقدامات فرمائے۔

۱) نئے آئین کا نفاذ:

آپ ﷺ نے یثرب کے شہر میں نظم ونسق اور اسلامی ریاست کے قیام کے لئے میثاق مدینہ کے نام سے ایک معاہدہ کروایا۔اس معاہدے میں اوس وخزرج، مہاجرین یہوداور بعض دوسرے قبائل بھی شامل تھے۔اس معاہدے کی حیثیت اسلامی ریاست کے پہلے دستور کی سی تھی۔یہ دستور اسلامی ریاست کے قیام کے بعد اسلامی معاشرے کے قیام کی اساس بنا۔(۱۸)

۲) مہاجرین کی آبادکاری:

کسی بھی ریاست کا استحکام اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اس ریاست کے تمام باشندے مستقر نہ ہوں۔چنانچہ مدینے کی آبادکاری میں مہاجرین کے مسئلہ کو حل کرنا رسول اللہ ﷺ کی پہلی ترجیح تھی۔آپ ﷺ نے ہجرت کے فوراً بعد مہاجرین کی آبادکاری فرمائی اور اس طرح انصار ومہاجرین کے درمیان اخوت کے رشتہ کو پروان چڑھایا۔مہاجرین کی یہی آبادکاری اسلامی معاشرے کے قیام کی بنیاد بنی۔

۳) معاشرتی اداروں کا قیام:

میثاق مدینہ اور مہاجرین کی آبادکاری کے ساتھ ہی اسلامی ریاست نے اپنی عملی زندگی کا آغاز کردیا اور اس ضمن میں رسول اللہ ﷺ نے ضروری معاشرتی اداروں کی بنیاد رکھی، معاشرتی تربیت کے لئے مسجد نبوی بنائی گئی۔افراد کی تربیت اور تعلیم کے لئے مسجد نبوی میں صفہ کا مقام مخصوص کردیا گیا۔لوگوں کو اخلاقی تربیت دینے کا انتظام فرمایا اور ساتھ ہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا انتظام کیا۔رسول اللہ ﷺ کے انہی اقدامات کی بنا پر تو اللہ تعالی نے مسلمانوں کو بہترین امت قرار دیا۔ارشار باری تعالی ہے۔

۱۸۔ اس دستور کی تفصیلی قراءت کیلئے ملاحظہ فرمائیں: ابوعبید القاسم، کتاب الاموال، (موسسہ ناصر للثقافۃ، نوفمبر ۱۹۸۱)، ص ۲۱

﴿کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر﴾(۱۹)

رسول اللہ نے مدینہ میں ایک ایسا معاشرہ قائم فرمایا جس کے افراد قربانی کا جذبہ رکھتے تھے اور اپنی ضروریات پر اپنے بھائیوں کی ضروریات کو ترجیح دیتے تھے۔قرآن پاک اس معاشرے کے افراد کی تعریف میں فرماتا ہے۔

و یو ثرون علی انفسھیم ولو کان بھم خصا صۃ(۲۰)

د ۔ سیرت طیبہ کی روشنی میں اسلامی معاشرتی نظام کی خصوصیات

(ا)اتحادانسانیت:

اسلامی عقائد کی رو سے سوسائٹی الہامی احکامات سے منظم کی جاتی ہے۔نہ جاگیردارانہ ہے اور نہ ہی سوشلسٹ بلکہ ان میں روحانی اوردنیاوی احکامات کا حسین توازن ہے۔یہ اسلامی معاشرہ ایک خدا کی وحدانیت پر یقین رکھتا ہے اور انسانی اتحاد کی وجہ سے ممتاز ہے۔اسلامی معاشرتی نظام ان تعلیمات سے تشکیل پایا ہے جوخداتعالی نے اپنے رسول علیہ السلام پر نازل فرمائیں۔اسلامی معاشرہ نہ فرقہ پرستانہ ہے اور نہ ہی ذات برداری پر یقین رکھتا ہے بلکہ یہ تمام جہاں میں خدا کو ماننے والوں کے عالمی اتحاد کی علامت ہوتا ہے۔ایک خدا پر یقین بین الاقوامی اخوت کے نظام کے ذریعے تمام انسانوں میں منتقل ہوجاتا ہے۔

اتحادانسانی کی سب سے بڑی دلیل قرآن میں یہ بیان کی گئی ہے کہ تمام بنی نوع انسان ایک ہی باپ کی اولاد ہیں۔سب ایک ہی نسل سے ہیں۔ارشاد باری تعالی ہے کہ:

﴿یایھا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثی وجعلنکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عنداللہ اتقکم﴾(۲۱)

۱۹۔ آل عمران ۱۱۳

۲۰۔ الحشر ۹ Muhammad Misbahuddin "Socialogy and Islam", (Islamic Publication Ltd Lahore, 1977) P 75.

۲۱۔ الحجرات ۱۳

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا:۔

﴿یا یھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ خلق منھا زوجھا و بث منھما رجالاً کثیرا ونساء﴾ (۲۲)

اسلامی معاشرت میں اتحاد، انسانیت تمام طبقات کا فرق مٹا دیتی ہے یہی سبق ہی رسول اللہ کی طرف سے مدینہ میں انصار و مہاجرین کے درمیان اخوت کے نظام میں ملتا ہے (۲۳)۔ اور یہی پیغام رسول اللہ نے اپنے حجۃ الوداع کے مشہور خطبہ میں دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:۔

﴿یایھا النا س ان ربکم واحد وان اباکم واحد لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی اسود ولا لاسود علی احمر الا بالتقوی﴾ (۲۴)

رسول اللہ ﷺ کے اسی قول کے مفہوم کی وضاحت قرآن پاک کی ایک اور آیت سے بھی ہو جاتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿انما المومنو ن اخوۃ﴾ (۲۵)

سیرت طیبہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اخوت اور مسلمانوں میں باہمی خلوص و محبت اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس کا احسان ہے۔ اسی کی مہربانی سے مسلمانوں میں باہمی بھائیوں کے سے تعلقات قائم ہوتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

﴿واذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا﴾ (۲۶)

۲۲۔ النساء ۱

۲۳۔ ابن ھشام ۱۱۴

۲۴۔ ابن ھشام ۲ / ۱۰۴

۲۵۔ الحجرات ۱۰

۲۶۔ آل عمران ۱۰۳

مختصر یہ کہ رسول اللہ کی سیرت طیبہ سے یہ درس ملتا ہے کہ اسلامی نظام معاشرت انسانی اتحاد پر یقین رکھتا ہے۔ یہ انسانی اتحاد انسانی مساوات کی بنا پر ہوتا ہے:۔

(ii) سچائی اور توازن:

اسلامی نظام معاشرت انتہا پسندی سے دور ہوتا ہے اس میں ایک توازن ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وکذلک جعلنکم امة وسطا لتکونوا شهداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شهیدا﴾(۲۷)

اسلام سے پہلے پوری دنیا بربادی کا شکار تھی۔ رومن اور فارسی تہذیبیں اپنی چمک کھو چکی تھیں۔ ہندوستان طبقاتی کشمکش میں مبتلا ملک تھا۔ چین عدم استحکام اور عرب جہالت کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ کہیں پر صرف روحانیت تھی جو انسان کو خدا بنائے ہوئے تھی تو کہیں پر صرف دنیا تھی جو انسان کو سب کچھ سمجھتی تھی، توازن کا فقدان تھا، انسانیت نجات دہندہ کی منتظر تھی، اتنے میں رسول اللہ ﷺ نے (انی رسول اللّٰہ الیکم جمیعاً) کی دعوت سے دنیا کو نیا نظام معاشرت دینے کا اعلان فرمایا۔ یہ نظام بین الاقوامی تھا اور تمام کے تمام انسانوں کی ضروریات کو پورا کرنے کا انتظام کرتا تھا، اس چیز کا اعتراف صرف اپنوں نے ہی نہیں بلکہ غیروں نے بھی کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی بین الاقوامی معاشرت کی بنیاد پر ہی (Hitti) یہ اعتراف کرتا ہے کہ:۔

"Moses was a prophet, so were Abraham, Noah, Christ and others, each with a dispensation appropriate for a certain time or place. But Muhammad's dispensation sums up well as superseded all earlier ours. It is final. After it there is none."(28)

۲۷۔ البقرة: ۱۴۳

۲۸۔ Hitti P.D, "The Near East in History", (New York, 1961) P 82.

توازن برقرار رکھنے والا اسلامی معاشرتی نظام مذہبی رواداری پر یقین رکھتا ہے۔اس کے بغیر توازن ممکن نہیں ہے۔اسلامی معاشرے میں اسی لئے غیر مسلموں کوتمام بنیادی حقوق حاصل ہیں اور بطور انسان مسلمان اور غیر مسلم میں فرق نہیں ہوتا۔دین کے معاملے میں غیر مسلموں پر کوئی جبر نہیں کیا جاتا۔ہر شخص کو آزادی دی جاتی ہے۔جس کو جو مذہب اچھا لگے وہ مذہب اختیار کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔مسلمانوں کوتبلیغ کے ذریعے دین کی اشاعت کی اجازت ہے طاقت کے زور پر کسی کومسلمان کرنے کی ہر گز اجازت نہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

﴿ لا اکراہ فی الدین ﴾ (۲۹)

اسلامی نظام معاشرت ایمان کا قائل ہے جبر کا نہیں ارشاد باری تعالی ہے:۔

﴿ فمن شاء فلیو من شاء فلیکفر ﴾ (۳۰)

اسی جبر کی عدم ممانعت کی بنا پر مسلمانوں کوحکم ہے کہ دوسروں کے جذبات واحساسات کا احترام کرواور انہیں اچھے طریقے سے اسلام کی دعوت دو۔ان سے الجھنے اور جھگڑا کرنے سے پرہیز کرو ان کے خداؤں اور معبودوں کو برا بھلا مت کہو۔ارشاد باری تعالی ہے:۔

﴿ ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ ﴾ (۳۱)

توازن کے ساتھ ساتھ اسلامی نظام معاشرت اپنے افراد سے سچائی اور صدق کا بھی مطالبہ کرتا ہے۔قرآن وسنت میں صدق کی تعریف کی گئی ہے اور جھوٹ سے منع کیا گیا ہے۔ارشاد باری تعالی ہے:۔

﴿ لعنۃ اللہ علی الکا ذبین ﴾ (۳۲)

۲۹۔ البقرۃ : ۲۵۶

۳۰۔ الکھف : ۲۹

۳۱۔ الانعام : ۱۰۸

۳۲۔ آل عمران: ۶۱

سچائی کی تعریف میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔

﴿ان الصدق یھدی الی وان البر یھدی الی الجنة وان الرجل لیصدق حتی یکون صدیقاوان الکذب یھدی الی الفجور وان الفجور یھدی الی النار وان الرجل لیکذب حتی یکتب عنداللہ کذاباً﴾(۳۳)

انہی تعلیمات کی بناء پر یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اسلامی نظام معاشرت توازن اور سچائی کی بنیادوں پر استوار ہوتا ہے۔

iii)احساس ذمہ داری اور امانت:

رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سے پتہ چلتا ہے کہ اسلامی نظام معاشرت میں تمام افراد معاشرہ ذمہ دار ہوتے ہیں اور امانتوں کا پاس رکھنے والے ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو بھی اسی لئے صادق اور امین کہا جاتا ہے۔ قرآن پاک میں اس وصف کی تعریف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

﴿ان خیر من استاجرت القوی الامین﴾(۳۴)

امانت دراصل ذمہ داری ہے اور اسلامی معاشرے کا ہر فرد اپنے فرائض کی ادائیگی میں ذمہ دار ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الا کلکم راع و کلکم مسؤل عن رعیته ،فالإمام الذی علی الناس راع وھو مسؤل عن رعیته ،والرجل راع علی اھل بیته وھو مسؤل عن رعیته والمراۃراعیة علی اھل بیت روجھا وولدہ وھی مسؤلةعنھم وعبدالرجل راع علی مال سیدہ وھو مسؤل عنه ،الا فکلکم راع وکلکم مسؤل عن رعیته (۳۵)

۳۳۔ البخاری . الجامع الصحیح . کتاب الادب ، باب ۔" ومایںھی عن الکذب حدیث نمبر ۵۷۴۳، ص۵/۲۲۶۱

۳۴۔ القصص ۲۶

۳۵۔ البخاری. الجامع الصحیح . کتاب الاحکام حدیث نمبر ۶۷۱۹، ۶/۲۶۱۱

iv)افراد کی تعلیم وتربیت:

اسلامی معاشرہ صرف افراد کا مجموعہ نہیں ہوتا بلکہ یہ تربیت یافتہ افراد کا وہ گروہ ہوتا ہے کہ جو اچھائی کو پھیلاتا ہے اور برائی سے روکتا ہے۔اس لئے اسلام انسان کی تربیت اوراس کی عادات کی اصلاح پر بہت زور دیتا ہے۔تاکہ انسان اپنے رب کی صحیح طور پر عبادت کرے۔تربیت کا نظام بچپن، جوانی اور بڑھاپا سب ادوار میں جاری رہتا ہے۔کیونکہ اسلام صرف ظاہر ہی نہیں باطن کی تربیت کا بھی انتظام فرماتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

۞ وانک لتھدی إلی صراط مستقیم ۞ (۳۶)

اسلامی نظام معاشرت یہ چاہتا ہے کہ فرد کی علمی عملی اور دوسری تمام قدرت کو زندگی کی تنظیم کے لئے گزارے تاکہ مسلمان دنیا اور آخرت میں کامیاب ہوسکیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

۞ ومنھم من یقول ربنا اتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرۃ حسنة ۞ (۳۷)

اسلامی نظام معاشرت اعتدال کا نظام ہے اس میں افراط ہے اور نہ ہی تفریط۔اسی بنیاد پر اسلام فرد کی زندگی کے تمام پہلوؤں کی تربیت کرتا ہے تاکہ اس کی چال ڈھال اسلوب گفتگو اور فارغ اوقات سب کچھ منظم نظام کے پابند ہوں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔

۞ ولا تصعر خدک للناس ولا تمش فی الا رض مرحا ان اللہ لا یحب کل مختال فخور واقصد فی مشیک واغضض من صوتک إن انکر الا صوات لصوت الحمیر ۞ (۳۸)

اسلام میں علم کو برتری کی بنیاد سمجھا جاتا ہے۔علم سے اورتعلیم کے بغیر افراد کی تربیت نہیں ہوسکتی اسلام جاہلوں کا اجتماع نہیں چاہتا بلکہ عالموں کی تنظیم کا خواہش مند ہے۔علم ہی انسان کی برتری کا سبب ہے۔رسول اللہ ﷺ نے ہر وقت علم کے حصول کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے آپ ﷺ کا ارشاد ہے:۔

۳۶۔ الشوریٰ ۵۲

۳۷۔ البقرۃ ۲۰۱

۳۸۔ لقمان ۱۸۔۱۹

﴿من یرد اللہ خیراً یفقهه فی الدین﴾(۳۹)

ان خصوصیات کے علاوہ اسلامی نظام معاشرت منفرد عبادات، اسلامی شعائر اور اخوت جیسی خصوصیات کی بنیاد پر ممتاز ہے اور عدل وانصاف پر مبنی اس کا نظام ہوتا ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ دشمن کے ساتھ بھی انصاف کیا جائے اور خود اپنے خلاف بھی گواہی دینی پڑے تو گواہی دی جائے۔ ارشاد باری تعالی ہے۔

﴿ان اللہ یامر با لعدل و الاحسا ن﴾(۴۰)

اسی طرح ارشاد باری تعالی ہے:۔

﴿واذا حکمتم بین الناس ان تحکمو ابالعدل﴾(۴۱)

عدل انصاف کے ساتھ ساتھ اسلامی نظام معاشرت انسانی شرف ووقار کی بھی علامت ہے۔ اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

﴿ولقد کرمنا بنی آدم﴾(۴۲)

ان خصوصیات کے علاوہ اسلامی نظام معاشرت میں اعلی اخلاقی اقدار، معاشی اخلاقیات اور بنیادی حقوق کا تحفظ ہوتا ہے جبکہ معاشرے کے تمام افراد کے حقوق وفرائض متعین ہوتے ہیں اور یہ سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا ہی نتیجہ ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے مکہ میں معاشرے کے لئے افراد کی تیاری کی اور مدینے میں ان افراد پر مبنی ایک ایسا معاشرہ تیار فرمایا جو انسانی اتحاد، سچائی اور توازن، احساس ذمہ داری اور افراد کی تعلیم وتربیت جیسی خصوصیات کا حامل تھا۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ ہم بھی رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سے راہنمائی حاصل کرتے ہوئے پاکستانی معاشرے کو بھی انہی صفات سے مزین کریں۔

۳۹۔ البخاری، اجامع الصحیح، کتاب العلم، باب "من یرد بہ اللہ خیر ایفقهه فی الدین، ص ۳۹/۱

۴۰۔ النحل : ۹۰

۴۱۔ النساء :۵۸

۴۲۔ بنی اسرائیل: ۷۰ا

نتائج:

اسلامی معاشرتی نظام جو کہ سیرت طیبہ کی تعلیمات کی روشنی میں تشکیل پاتا ہے۔اس کے متعلق بعض تفصیلات پیش کی گئیں۔ان تفصیلات کے مطالعہ کے بعد مندرجہ ذیل نتائج اخذ کئے جاسکتے ہیں۔

1۔ اسلامی عقائد کی بنا پر معاشرے کے افراد میں نظم ونسق رکھنے کا نظام اسلامی معاشرتی نظام کہلاتا ہے۔

2۔ اسلامی نظام معاشرت کی تشکیل رسول اللہ ﷺ نے خود فرمائی اور اس کے لئے افراد کی تیاری کی۔

3۔ معاشرہ کے افراد کے لئے نظام کی ضرورت حضرت آدم علیہ السلام کے دور سے ہی محسوس کی گئی رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے ساتھ ہی ترقی یافتہ معاشرتی نظام کے قیام کے لئے خدا کی تعلیمات انسانوں تک مکمل حالت میں پہنچ گئیں۔

4۔ نبوت کے مرتبے پر فائز ہونے سے پہلے ہی رسول اللہ ﷺ سماجی خدمات کی بنا پر مکے کے معاشرہ میں صادق اور امین کے القاب سے مشہور ہو گئے۔

5۔ رسول اللہ ﷺ نے جاہلیت کے عرب معاشرے میں نبوت سے پہلے ہی معاشرتی برائیوں کے خلاف جہاد شروع کر دیا۔

6۔ نبوت کے اعلان کے ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ نے اسلامی معاشرتی نظام قائم کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ان کوششوں کا نتیجہ یہ تھا کہ جو کوئی بھی مسلمان ہوتا معاشرے کا بہترین فرد بن جاتا۔

7۔ قریش مکہ کی شدید مخالفت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نتیجہ نکالا کہ اسلامی معاشرے کے قیام کے لئے کوئی دوسرا مرکز تلاش کیا جائے۔

8۔ اوس وخزرج کے قبائل کے نمائندوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے بعد اپنے شہر یثرب کو اسلامی دعوت کے نئے مرکز کے طور پر پیش کیا تا کہ وہاں پر پہلی اسلامی ریاست

اور اسلامی معاشرہ قائم کیا جا سکے۔

9۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یثرب میں اسلامی ریاست کے قیام کے لئے ابتدائی تیاریاں فرمائیں۔

10۔ ہجرت کے فوراً بعد رسول اللہ ﷺ نے اسلامی ریاست قائم کی۔ اور میثاق مدینہ کے بعد اسلامی معاشرتی نظام کے لئے مختلف معاشرتی ادارے قائم کئے۔

11۔ مہاجرین کی آبادی، انصار و مہاجرین کی تعلیم و تربیت اور اخوت کا اسلامی نظام، نظام معاشرت کی نمایاں کامیابیاں ہیں۔

12۔ سیرت رسول اللہ ﷺ کی روشنی میں جو معاشرہ تشکیل پاتا ہے اور جو نظام اس معاشرے میں نظم و ضبط پیدا کرتا ہے وہ اتحاد انسانیت، سچائی، احساس ذمہ داری، امانت اور عدل و انصاف جیسی اہم خصوصیات سے مزین ہوتا ہے۔

............☆............

مثالی معاشرے کی راہ میں حائل رکاوٹیں اور ان کا تدارک

(سیرت طیبہ کی روشنی میں)

* ڈاکٹر تاج الدین الأزہری

اس میں شک نہیں ہے کہ آج کی دنیا مسائل کی دنیا ہے۔ چھوٹے بڑے گوناگوں مسائل میں الجھے ہوئے ہیں۔ پیچیدہ اور سنگین مسائل' سیاسی اور معاشی مسائل' داخلی اور خارجی مسائل' قومی اور بین الاقوامی مسائل۔مختصر یہ کہ مسائل ہی مسائل ہیں۔تہذیب وتمدن کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ زندگی جوں جوں پیچیدہ ہوتی گئی مسائل بھی بڑھتے گئے اور ان کی ژولیدگی میں اضافہ ہوتا گیا لیکن فی نفسہ مسائل کا ہونا کوئی نئی بات نہیں مسائل ہمیشہ سے ہیں اور آئندہ بھی رہیں گے،مسائل زندگی کے ساتھ ہیں۔انسان اور مسائل لازم وملزوم ہیں اور ان کا چولی دامن کا ساتھ ہے لیکن وہ مسائل جو ہمارے دانشوروں کی توجہ اپنی طرف مرکوز کئے ہوئے ہیں وہ ہمارے معاشرتی مسائل ہیں چونکہ انسان فطرتاً مدنی الطبع ہے اس لئے معاشرہ کا قیام اس کی فطرت کا تقاضا ہے وہ تنہائی سے گھبراتا ہے۔اور اپنے بھائی بندوں کے ساتھ مل جل کر خوش ہوتا ہے۔اگر جبراً انسان کو کسی جگہ تنہا رکھا جائے سب لوازمات زندگی موجود ہوں' طرح طرح کی سہولتیں مہیا ہوں' انواع واقسام کی نعمتیں اور لذتیں میسر ہوں' پھر بھی وہ ایسی زندگی کبھی پسند نہ کرے گا اور بنی نوع انسان کے ساتھ مل کر رہنے کو ترجیح دے گا۔شاید اسی کو دیکھ کر ارسطو کو یہ کہنا پڑا کہ:''اجتماعیت انسان کی جبلّت ہے۔''(۱)

---

* اسسٹنٹ پروفیسر کلیہ اصول الدین، بین الاقوامی اسلامی، یونیورسٹی اسلام آباد

۱۔ یوسف کرم تاریخ الفلسفة الیونانیة القاہرہ' مکتبة النہضة المصریة' الطبعة الخامسة ۱۳۸۲ھ ۱۹۶۲ء صفحہ ۱۶۳

معاشرہ اجتماعی زندگی کی خشت اوّل ہے اس کا مادہ ''عشرۃ'' ہے اور اس کے معنی مل جل کر زندگی بسر کرنا ہے۔ چنانچہ عقلاء کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ انسان کی معاشرتی زندگی مثالی ہو۔ انسانی تاریخ میں قدیم ترین عقلاء یونانی فلاسفہ کو تسلیم کیا جاتا ہے اور ان سے پہلے کی تاریخ ابھی تک دنیا کو دستیاب نہیں ہو سکی' ان کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مثالی معاشرے کا تصور افلاطون نے پیش کیا تھا جو ارسطو کا استاد تھا اور اس نے اس کا نام مدینہ فاضلہ رکھا تھا جو محض ایک تصور تھا۔

کیا یہ حقیقت کا روپ دھار سکا یا نہیں؟ یہ ایک الگ بحث ہے۔ اس کے برعکس اگر سلسلۂ رسالت اور بعثت انبیاء کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ انبیاء جو صاحب کتاب یا حامل صحیفہ ہوئے' جن کی اپنی قومیں تھیں اور ان کی تعلیم و تربیت کیلئے وہ مبعوث ہوئے ایسے انبیاء کی آمد نے ان اقوام کی کایا پلٹ دی اور ان کی زندگیوں میں عظیم انقلاب برپا کر دیا اگر ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آمد سے پہلے کے دور اور آمد کے بعد کے دور کا تقابلی مطالعہ کریں تو دونوں میں بڑا فرق پائیں گے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے بعد کے دور میں ان کے متبعین کی زندگی کا ان کی آمد سے پہلے کی زندگی سے مقابلہ کریں تو معلوم ہوگا کہ حضرت عیسی علیہ السلام کی وجہ سے ان کی قوم میں نمایاں تبدیلی ہوئی۔ ان کے عقائد میں انقلاب آ گیا، ان کے رہنے سہنے کے طریقوں میں انقلاب پیدا ہوا، زندگی کے متعلق ان کے نقطہ نظر میں انقلاب رونما ہوا اور یوں ایک نبی کا دور دوسرے نبی کے دور سے مختلف معلوم ہوتا ہے۔ حضرت عیسیٰ کا دور حضرت موسیٰ کے دور سے الگ اور جداگانہ نظر آئے گا اور ان کے دور میں بہت سی ایسی خصوصیات نظر آئیں گی جو حضرت موسی کے دور میں نہیں تھیں۔

سب سے آخر میں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا:۔ آپ جب نبوت سے مشرف ہوئے۔ اس وقت تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر پانچ سو برس سے زائد کا عرصہ بیت چکا تھا اور وہ شمع بجھنے کے بالکل قریب تھی جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے روشن کیا تھا۔ رفتہ رفتہ اس روشنی کے مدھم پڑ جانے کی وجہ سے معاشرے میں پھر سے ان خرابیوں نے جنم لے لیا تھا جن کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اصلاح کی تھی۔ آپ جس معاشرے میں مبعوث ہوئے اس کا نقشہ صاحب رحمۃ للعالمین نے یوں کھینچا ہے۔

''عرب اپنی وسعت میں مملکت فرانس سے تقریباً دو چند بڑا ہے۔ ملک کے مختلف حصے اپنی اپنی خاص خصوصیتوں کی وجہ سے ممتاز ہیں۔ یمن کی وادی اور طائف کے پہاڑ ایسے سرسبز ہیں کہ ہندو پاک کے بہترین حصوں کو رشک آتا ہے۔ الحجر کی پتھریلی زمین اور وسط عرب کا ریگستان اس قدر بے آب و گیاہ ہے کہ صحرائے اعظم افریقہ سے مقابلہ کرتا ہے۔ ان کے جذبے میں سلطنت حبش کا اور مشرقی حصہ پر سلطنت فارس کا اور شمالی اقطاع پر روما کی مشرقی شاخ سلطنت قسطنطنیہ کا قبضہ تھا۔ اندرون ملک بزعم خود آزاد تھا لیکن ہر ایک سلطنت اس پر قبضہ کرنے کے لئے ساعی تھی۔(۲)

اندرون ملک کے باشندوں پر خودمختاری نے بہت بڑا اثر ڈالا تھا۔ ان میں خودمختاری سے خودسری پیدا ہوگئی تھی۔ انہوں نے اپنی شجاعت و جرأت کا نشانہ اپنے ہی بھائیوں کو بنا رکھا تھا۔ بے کاری اور کاہلی نے جوا اور شراب کی عادت پیدا کر دی اور طبیعت ثانی بنا دی تھی۔ غیر ممالک سے الگ تھلگ رہنے کی وجہ سے ان کی زبان اور نسل بے شک کھری تھی لیکن فصاحت کا استعمال زیادہ تر خودستائی اور دوسری قوموں کی تحقیر میں کیا کرتے تھے یا اپنے فحش کارناموں کو مشتہر کرنے کے لئے زبان کی ساری طاقت خرچ کر کے اپنے ساتھ اپنی معشوقہ کی بھی تشہیر کیا کرتے تھے۔ الگ تھلگ رہنے نے مصاہرت کی برائی ان کے ذہن میں قائم کر دی تھی اور وہ فخر سے اپنی بیٹیوں کو زندہ زمین میں گاڑ دیا کرتے تھے۔

جہالت نے ان میں بت پرستی رائج کر دی تھی اور بت پرستی نے انسانی دل و دماغ پر قابض ہو کر ان کو توہم پرست بنا دیا تھا۔ فطرت کی ہر ایک چیز پتھر درخت، چاند، سورج، پہاڑ اور دریا وغیرہ کو وہ اپنا معبود سمجھنے لگ گئے تھے اور اس طرح وہ خدا کی عظمت و جلال کو فراموش کر دینے کے ساتھ ساتھ خود اپنی قدر و قیمت کو بھی بھول چکے تھے اس لیے انسانی حقوق کے لئے نہ کوئی ضابطہ تھا اور نہ ایسے حقوق کو صحیح مرکز پر لانے کے لئے کوئی قانون، قتل انسانی، رہزنی، حبس بے جا، ناجائز تصرف بے جا مداخلت، عورتوں کو جبراً یا پھسلاوٹ سے بھگا لے جانا، بیٹیوں کو زندہ پیوند خاک کر دینا اسی شجر کے ثمر تھے۔ بت پرستی نے ان کی نگاہ

۲۔ سابق مصدر صفحہ ۱۰۰

میں سب سے زیادہ حقیر ہستی انسان ہی کو بنا دیا تھا۔ برسوں بلکہ نسلوں اور صدیوں کے جمود نے ان کے دل و دماغ میں یہی نقش کر دیا تھا کہ ان کی حالت سے بہتر کوئی حالت ان کے تمدن سے بہتر کوئی تمدن اور ان کے دین سے بہتر کوئی دین ہو ہی نہیں سکتا۔ (۳)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی کوئی ایسی خرابی نہ تھی جو اس معاشرے میں موجود نہ تھی اور اس کی اصلاح کا کام اتنا آسان نہ تھا بلکہ انتہائی صبر آزما اور مشکل تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالغ اور پختہ عمر کے لوگوں سے اپنی بات چیت کا آغاز کیا تو جاہ پرست مشتعل ہو گئے لیکن انہیں حضور کی شیریں گفتاری اور جاذبیت کردار کا سامنا تھا۔ جو آپ کی پوری بات سن لیتا اور آپ کی صفات سے باخبر ہو جاتا وہ یا تو مسلمان ہو جاتا یا کفر و بت پرستی سے بدظن۔ اس اثر کو روکنے کے لئے دشمنوں نے عوام کے شر پسندوں سے کہہ دیا تھا کہ قرآن نہ سنو جہاں وہ پڑھا جائے وہاں شور برپا کرو۔ (۴)

آنحضرت نے ''قولوا لا اله الا الله تفلحوا'' (۵) سے اپنے درس کا آغاز کیا۔ یہی آپ کی تعلیم کا حرف اول ہے اور اسی کے منتہائے مطالب کو اپنے ظاہر و باطن پر طاری کر لینا حرف آخر اور مدعاء اسلام ہے نبی کریم اس کے مختلف پہلو سمجھاتے اور روشن مثالوں سے حقائق بتاتے تھے اور فرماتے تھے کہ سورج اور چاند کو دیکھو۔ چمکتے ستاروں پر غور کرو، پہاڑوں کو دیکھو، ریگستانوں میں اونٹ کو چلتے دیکھ کر غور کرو، سمندروں میں کشتیوں اور جہازوں کو تیرتے دیکھو، صحراؤں میں اُگے ہوئے نباتات اور سبزہ زاروں میں لہلہاتے ہوئے کھیتوں اور باغوں اور نہروں اور دریاؤں کو دیکھو۔ اس غور و فکر اور نظر عبرت سے اللہ کی قدرت و حکمت سمجھ میں آ جائے گی۔ اپنے ماحول میں گندگی پر دھیان دو۔ افراتفری، ہلاکت اور خون ریزی،

۳۔ منصور پوری، قاضی محمد سلیمان سلمان، رحمة للعالمین (لاهور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، س ن) ۱: ۳۲۹

۴۔ ارشاد باری ہے: و قال الذین کفروا لا تسمعوا لهذا القرآن والغوا فيه لعلكم تغلبون" (ترجمہ) کافروں نے کہا اس قرآن کو ہرگز نہ سنو اور جب یہ سنایا جائے تو اس میں خلل ڈالو شاید اس طرح تم غالب آ جاؤ (سورة فصلت ۴۱: ۲۶)

۵۔ ابن حنبل، احمد بن محمد بن حنبل الامام المسند (بیروت) المکتب الاسلامی، الطبعة الثانية ۱۳۹۸ھ ۱۹۷۸ء) ۴: ۴۹۲ عن ربیعه بن عباد الدیلی

انسان کے زندہ درگور کرنے' انسانوں کی جان لینے اور مسلسل جنگ و جدل پر غور کرو' تمہارا دل کہے گا کہ یہ آدمیت کے خلاف تباہ کن شیطانی عمل ہے لہٰذا باہمی احترام اور انسانی حقوق کی نگہداشت کرو' راستبازی اور درست معاملگی اختیار کرو۔لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا' نیبت' جھوٹ' قتل ناجائز اموال کی جمع آوری جیسی عادات چھوڑ دو۔قیامت آئے گی اور حساب کتاب کا سامنا ہوگا۔عبادت کرو گے تو جنت پاؤ گے اور خدا کی رضا حاصل ہوگی۔بدکاریاں اور بداعمالیاں تمہیں جہنم میں لے جائیں گی اور اللہ کا غضب نازل ہوگا۔(۶)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتربیت نے صرف تئیس (۲۳) سال کی مختصر مدت میں نہ صرف پورے جزیرہ عرب کا معاشرہ بدل دیا بلکہ پوری دنیا کے لئے رشد و ہدایت کی وہ ابدی قندیلیں بھی روشن کردیں جو رہتی دنیا تک انسانیت کو عدل وانصاف امن وسکون اور اور عافیت واطمینان کی راہ دکھاتی رہیں گی۔یہ آپ کی تعلیم وتربیت کا حیرت انگیز کرشمہ تھا کہ تئیس سال کی مختصر مدت میں صحرائے عرب کے جو وحشی علم ومعرفت اور تہذیب وتمدن سے بالکل کورے تھے۔وہ پوری دنیا میں علم وحکمت اور تہذیب وشائستگی کے چراغ روشن کرنے لگے۔جو لوگ کل تک ایک دوسرے کے خون سے اپنی پیاس بجھاتے تھے وہ آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔جہاں ہر طرف قتل وغارتگری کی آگ بھڑک رہی تھی وہاں امن وآشتی کے پھول کھلنے لگے۔جہاں ظلم و بربریت کا دور دورہ تھا وہاں عدل وانصاف کی شمعیں روشن ہونے لگیں جہاں پتھر کے بتوں کو سجدے کئے جاتے تھے وہاں توحید کا پرچم لہرانے لگا اور بالآخر عرب کے صحرانشین جو اپنی جہالت کی وجہ سے دنیا بھر میں ذلیل وخوار تھے، ایران وروم کی عظیم سلطنتوں کے وارث بن گئے اور ساری دنیا ان کے عدل وانصاف' ان کی رحم دلی اور ان کی شرافت نفس کے گن گانے پر مجبور ہوگئی(۷) تاریخ انسانیت کی کسی بھی اور شخصیت کے ہاں اس کی نظیر نہیں ملتی اور ملے بھی کیوں؟ اللہ تعالیٰ نے آپ کو انسانیت کی رہنمائی کے لئے اپنا آخری رسول بنا کر بھیجا تھا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۶۔ مقالات سیرت (اسلام آباد' وزارت مذہبی امور ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء) صفحہ ۲۲۔۲۳' مقالہ سید مرتضی حسین صدر الافاضل

۷۔ سابق مصدر صفحہ ۹۳'۹۴ مقالہ مولانا محمد تقی عثمانی

﴿ما كان محمد ابا احد من رجالكم و لكن رسول الله و خاتم النبيين و كان الله بكل شيىءٍ عليما﴾(۸)

''(لوگو) محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں مگر اللہ کے رسول اور خاتم النبین ہیں اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا ارشاد گرامی بھی اس آیت کی مزید وضاحت ہے۔آپ نے فرمایا:

﴿انا خاتم النبيين لا نبی بعدی﴾(۹)

''میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔''

بات صرف اتنی نہیں کہ آپ آخری نبی ہیں بلکہ اس کرۂ ارض پر بسنے والے تمام انسانوں کے لئے قیامت تک کے لئے نبی اور رسول ہیں۔آپ کی نبوت ورسالت آفاقی ہے۔ارشاد خداوندی ہے:۔

﴿و ما ارسلناک الا کافة للناس بشيرا ونذيرا و لكن اكثر الناس لا يعلمون﴾(۱۰)

اور (اے نبی) ہم نے تم کو تمام انسانوں کے لئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

اس آیت کی تشریح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے الفاظ میں یوں بیان فرمائی:

بعثت الى الاحمر والأسود(۱۱)

۸۔ سورۃ الاحزاب ۳۳/۴۰

۹۔ القشیری، مسلم بن الحجاج، الصحیح (القاهرہ) مکتبة دارالشعب . س، ن مع شرح الامام النووی) کتاب الفضائل، باب النبی صلی الله علیه وسلم خاتم النبیین ۵/۴۹ عن ابی هریرة و ایضا السجستانی . سلیمان بن اشعث ابو داؤد. السنن(بیروت دارالفکر، الطبعة الاولی ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰م، تحقیق و تعلیق سعید محم دارللحام) کتاب الفتن و اعلاحم . باب ذکر الفتن و دلائلها ۴/۳۰۲ عن ثوبان

۱۰۔ سورہ سبا ۳۴/۲۸

۱۱۔ مسند لامام احمد بن حنبل ۴/۴۱۶ عن ابی موسی الاشعری وایضا۵/۱۴۵ عن ابی ذر

''میں کالے اور گورے سب کی طرف بھیجا گیا ہوں۔''

ایک دوسری روایت میں آپ نے اس چیز کی یوں وضاحت فرمائی:

" اما انا فارسلت الی الناس کلهم عامة و کان من قبلی انما یرسل الی قومه"(۱۲)

''میں عمومیت کے ساتھ تمام انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہوں حالانکہ مجھ سے پہلے جو نبی بھی گزرا ہے وہ صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا۔''

ایک اور روایت میں آپ نے اس طرح فرمایا:

﴿ کان النبی یبعث الی قومه خاصة و بعثت الی الناس عامة﴾(۱۳)

''پہلے ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا اور میں تمام انسانوں کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔''

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو مخاطب کرتے ہوئے اپنی کتاب میں فرمادیا:

﴿لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة﴾(۱۴)

''درحقیقت تم لوگوں کے لئے اللہ کے رسول کی ذات میں بہترین نمونہ ہے''

آج کے انسان کی بدنصیبی یہ ہے کہ وہ ایک ایسے دور میں رہتا ہے جو افکار کے تصادم اور مختلف نظریات کی جنگ کی وجہ سے ابتری اور پراگندگی کا شکار ہے۔ یہ ازم، وہ ازم رنگ بدل بدل کر انسانی فکر پر یلغار کر رہا ہے۔ اور حق اپنے علمبرداروں کی بے حسی کا ماتم...... عام انسان افراتفری کے عالم میں کبھی ادھر

۱۲۔ مسند الامام احمد بن حنبل ۲/ ۲۲۲ عن عبد الله بن عمرو بن العاص

۱۳۔ صحیح مسلم ۔ کتاب المساجد ، باب مواضع الصلاة ۲/ ۱۵۴ عن جابر بن عبد الله ۔ الدارمی ۔عبد الله بن عبد الرحمن ابو الفضل۔ السنن (بیروت داراحیاء السنة النبویة ۔ س ن) کتاب الصلاة ۔ باب الارض کلها طهور ما خلا المقبرة والحمام ۱/ ۳۲۲ عن جابر بن عبد الله

۱۴۔ سورة الاحزاب ۳۳/ ۲۱

دیکھتا ہے اور کبھی ادھر وہ سرگشتہ وحیران ہے کہ کدھر جائے؟ کبھی اس کو آزماتا ہے اور کبھی اس کو' کبھی اس کو اپناتا ہے تو کبھی اس کو۔ جب دیکھتا کہ اس سے مسائل حل نہیں ہوتے تو اسے چھوڑ دیتا ہے اور دوسرے کی طرف لپکتا ہے۔ مگر اسے ہر طرف سے مایوسی اور ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے وہ تجربات کے اس چکر سے اس وقت تک نہیں نکل سکتا جب تک کسی ایسے ازم اور کسی ایسی سیرت کو نہیں اپناتا جو اس کی فطرت کے مطابق ہو۔ وہ ازم دین اسلام ہے اور اس کا مکمل عملی نمونہ نبی عرب وعجم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے جو انسانیت سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہے۔ زندگی کتنی ہی کروٹیں بدلے' زمانہ اپنے اوپر کتنے ہی رنگ چڑھائے۔ تہذیب وتمدن کا کارواں کتنی ہی منزلیں آگے بڑھ جائے۔ انسان علم واکتشاف' سائنس اور ٹیکنالوجی کے کتنے ہی معرکے سر کر لے، سید عرب وعجم کی سیرت طیبہ انسانیت کو اس کے سفر ارتقاء میں راستہ دکھاتی رہے گی ہمیں تو مختصراً یہ دیکھنا ہے کہ اس وقت علاقائی اور عالمی سطح پر مثالی معاشرے کی راہ میں وہ کون کون سی رکاوٹیں ہیں اور ان میں محمد عربی ﷺ کی سیرت سے کس طرح رہنمائی لی جا سکتی ہے۔ آپ نے آج سے چودہ سو سال پہلے ہی اس دنیا کے انسانوں ہی کی اصلاح کر کے ایک مثالی معاشرہ قائم کر کے دکھایا تھا اور آج بھی اس کرۂ ارض پر انسان ہی اصلاح کا محتاج ہے۔ چودہ سو سال کے اس طویل عرصہ میں زمانہ نبوت سے دوری اور تعلیمات نبوت سے انحراف نے اس کے لئے گوناگوں مسائل پیدا کر دیے ہیں اور مسائل کی مثال ان بیماریوں کی ہے جو انسانی جسم کو لاحق ہوتی ہیں وہ جب تک ان سے چھٹکارا نہ پالے کبھی صحت یاب نہیں ہو سکتا۔

اگر ہم آج کے معاشرے پر نظر ڈالیں تو اس کی ان گنت خرابیاں اور لاتعداد مسائل دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ اس کی اصلاح ناممکن ہے اور اس کا صحت مند ہونا محال ہے صرف سیرت نبوی ہی ہماری ڈھارس بندھاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کا معاشرہ تو اس سے بھی بدتر حالت پر پہنچا ہوا تھا۔ اس کی اصلاح کیسے ہوگی؟ اگر ہم بنظر غائر دیکھیں تو جلد ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ کسی بھی معاشرہ میں چند بڑی بڑی خرابیاں ہوتی ہیں، جو اس کے مثالی معاشرہ بننے کی راہ میں حائل رہتی ہیں، اگر ان کی اصلاح کر لی جائے تو معاشرہ صحت یابی کے راستے پر گامزن ہو جاتا ہے۔ آج کے معاشرے کی بڑی بڑی خرابیاں جو اس کے مثالی

معاشرہ بننے کی راہ میں رکاوٹ ہیں حسب ذیل ہیں:

1۔ متزلزل ایمان
2۔ جہالت
3۔ اخلاقی پستی
4۔ غربت وافلاس
5۔ کاہلی وسستی
6۔ خودغرضی
7۔ تعصب
8۔ عدل وانصاف کا فقدان
9۔ عدم تحفظ

متزلزل ایمان:

متزلزل یقین اور متزلز ل ایمان ہماری بے شمار معاشرتی خرابیوں کی جڑ ہے۔ ہم بے شمار چیزوں کے بارے میں قطعی طور پر یہ جانتے ہیں کہ ان میں درست کون سی ہے؟ لیکن اس کے باوجود غیر درست کو استعمال کرتے ہیں۔ ہم بے شمار معاملات میں جانتے ہیں کہ حق پر کون ہے؟ لیکن اس کے باوجود ناحق کا ساتھ دیتے ہیں اور یوں ہمارا متزلزل یقین اور متزلزل ایمان ہماری جڑوں کو کاٹ رہا ہے۔ علاقائی سطح پر ہی نہیں بلکہ عالمی سطح پر بھی دنیا اس مرض کا شکار ہے۔ اپنے مفادات کی خاطر ناحق کا ساتھ دے کر حق کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے اور یوں آج تک بڑے بڑے مسائل حل نہیں ہو سکے۔ سیرت نبوی میں اس کا واضح علاج موجود ہے۔ سیرت طیبہ یہ بتاتی ہے کہ انسان اگر کسی چیز کو حق سمجھ لے تو پھر اس کے لئے اٹھ کھڑا ہو۔ دنیا کی کوئی بھی طاقت، دنیا کا کوئی بھی لالچ یا اس کی اپنی کمزوریاں اس کے حصول کی راہ میں حائل نہ ہونے پائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دین کی دعوت شروع کی تو آپ کے راستہ میں ہر طرح کی رکاوٹیں کھڑی کی گئیں جو سیرت طیبہ کا ایک مستقل باب ہے لیکن اس کے باوجود آپ نے حق بات کی تبلیغ جاری رکھی اور کسی بھی حال میں اس کا انقطاع گوارا نہ فرمایا۔ آپ نے حق کی خاطر شعب ابی طالب میں تین سال کے لئے محصوری تو گوارا کر لی جس کے دوران آپ کو پتے اور چمڑے کھانے پڑے۔ آپ اور آپ کے ساتھیوں کی فاقہ کشی کا یہ حال تھا کہ بھوک سے بلکتے ہوئے بچوں اور عورتوں کی آوازیں گھاٹی کے باہر

تک سنائی دیتی تھیں۔(۱۵)

سیرت رسول بتاتی ہے کہ حق کے بارے میں انسان کا یقین وایمان اس قدر پختہ ہو کہ کسی بھی لمحے تذبذب کا شکار نہ ہو اور ہر قسم کے مذاکرات کرنے والے کو دوٹوک الفاظ میں حق کے بارے میں بتانے پر قادر ہو جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مخالفین کے سامنے اپنے چچا ابو طالب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''چچا جان! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی رکھ دیں تو میں یہ کام ہرگز نہ چھوڑوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو غالب کر دے یا میں اس راستے میں ہلاک ہو جاؤں۔''(۱۶)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کی ہمیشہ ایسی ہی تربیت کی تھی کہ کسی بھی قسم کی سختی یا دین حق کے بارے میں ان کے ایمان کو متزلزل نہ کر سکا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی گردن میں رسی ڈال کر لڑکوں کے ہاتھ میں دے دی جاتی وہ انہیں مکہ کی پہاڑیوں میں لئے پھرتے۔ رسی کا نشان ان کی گردن میں نمایاں ہو جاتا۔ وادی مکہ کی گرم ریت پر انہیں لٹا دیا جاتا اور گرم پتھر ان کی چھاتی پر رکھ دیا جاتا' مشکیں باندھ کر لکڑی سے پیٹا جاتا۔ دھوپ میں بٹھایا جاتا۔ بھوکا رکھا جاتا۔ ان حالتوں میں بھی وہ احد احد کے نعرے لگاتے (۱۷) آپ کے دیگر صحابہ وصحابیات پر ہونے والے ظلم کی تاریخ پڑھی جائے تو آج کے انسان کا دل دہل جاتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ حق پر ڈٹے رہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم بھی یہی تھی۔ آپ کا فرمان ہے:

۱۵۔ مبارکپوری۔ صفی الرحمن مولانا۔ الرحیق المختوم (لاہور' مکتبہ سلفیہ' طبع سوم ۱۴۰۹ھ/ ۱۹۸۸ء) صفحہ ۱۹۰

۱۶۔ عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب۔ سیرۃ الرسول (جہلم' جامعۃ العلوم الاثریۃ۔ طبعہ اول ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۰ء) صفحہ ۱۸۱ مترجم مولانا محمد اسحاق

۱۷۔ رحمۃ للعالمین ۱/۵۵

﴿ قل آمنت بالله ثم استقم ﴾(۱۸)

''کہہ میں اللہ پر ایمان لایا پھر ثابت قدم ہو جا۔''

قرآن مجید نے انہی لوگوں کی دنیا و آخرت میں کامیابی کی ضمانت دی ہے جن کا ایمان متزلزل نہیں ہوتا۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ ان الذین قالوا ربنا الله ثم استقاموا فلا خوف علیهم ولا هم یحزنون اولئک اصحاب الجنة خالدین فیها جزاء بما کانوا یعملون ﴾(۱۹)

''یقیناً جن لوگوں نے کہہ دیا کہ اللہ ہی ہمارا رب ہے پھر اس پر جم گئے ان کے لئے نہ خوف ہے اور نہ غم ایسے لوگ جنت میں جانے والے ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے اپنے ان اعمال کے بدلے جو وہ دنیا میں کرتے تھے۔''

آج کے معاشرے کی بڑی ضرورت پختہ اور غیر متزلزل ایمان ہے کیونکہ آج کی دنیا میں حق کمزور اور ضعیف ہے اور باطل طاقت ور اور بلند ہے اہل ایمان کے دلوں میں ایمان کمزور اور متزلزل ہے اور مسلمانوں پر آزمائشوں کی گہری گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں۔ اہل باطل کے پاس عظیم سلطنتیں بڑی قوتیں اور طاقتیں ہیں جن کے زور پر وہ باطل کی اشاعت اور شکوک وشبہات کے پھیلانے میں لگے ہوئے ہیں۔ آج عمیق اور پختہ ایمان کی ضرورت ہے تاکہ ہم حق کا حکم بلند کرنے کے لئے زیادہ جدوجہد کر سکیں اور اس دنیا سے ظلم اور ناانصافی کو ختم کر کے معاشرے کو ترقی کی راہ پر گامزن کر سکیں۔ ہمارے سامنے ہمیشہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان رہنا چاہیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''دجال آئے گا اور اسے مدینہ کی گلیوں میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہوگی البتہ وہ مدینہ سے ملحق دلدل زمین میں آئے گا۔ ایک شخص اس کے پاس جائے گا جو کہ بہت اچھا ہوگا وہ اس سے کہے گا کہ میں گواہی دیتا ہو کہ تو دجال ہے جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم

۱۸۔ مسند الامام احمد بن حنبل ۴۱۳/۳ عن سفیان بن عبد الله الثقفی

۱۹۔ سورة الاحقاف: ۱۴،۱۳/۴۶

سے حدیث بیان کی ہے۔ اس پر دجال کہے گا کہ تمہارا کیا خیال ہے اگر میں اس شخص کو قتل کر کے زندہ کر دوں کیا تم پھر بھی شک کرو گے لوگوں نے کہا نہیں۔ وہ اسے قتل کر کے زندہ کر دے گا لیکن یہ مومن شخص کہے گا مجھے اب تو تیرے بارے میں اور بھی یقین ہو گیا ہے کہ تو دجال ہے اس پر دجال اسے دوبارہ قتل کرنا چاہے گا مگر نہیں کر سکے گا۔'' (۲۰)

اس حدیث کی شرح میں ڈاکٹر عبدالکریم زیدان لکھتے ہیں:

''اس حدیث سے بڑے مفید نتائج اخذ ہوتے ہیں یعنی کہ دجال جب الوہیت کا اور اپنے خدا ہونے کا دعویٰ کرے گا کئی خرق عادت مظاہروں کی بنا پر لوگوں کی ایک بڑی اکثریت اس کی متبع ہو جائے گی اور وہ لوگوں کے سامنے ایک شخص کو قتل کر کے زندہ کر دے گا۔ زمین کو پیداوار کا حکم دے گا اور زمین سے افرائش ہو جائے گی۔ پانی کو حکم دے گا اور وہ برسنے لگے گا مگر ان حالات میں بھی قوی الایمان مومن کو اس کے دجال ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہو گا وہ بدستور اپنے ایمان پر قائم رہے گا کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ دجال کے دعوے مفاہیم اسلام کے خلاف ہیں اور باطل کسی بھی صورت میں حق نہیں بن سکتا خواہ اس کے لئے کتنے ہی خوارق عادت امور کا مظاہرہ کیا جائے۔ (۲۱)

جہالت:

آج کی دنیا میں اس بات پر تقریباً سب ہی لوگوں کا اتفاق ہے کہ جہالت مثالی معاشرے کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہے، اور یہی وجہ ہے کہ ہر ملک کی مختلف تنظیموں سے لے کر اقوام متحدہ تک سب لوگ جہالت کو دور کرنے پر لگے ہوئے ہیں یہ بات جو دنیا کو آج سمجھ آئی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی آج سے چودہ سو سال پہلے اس کا اعلان کروا دیا تھا۔ ارشاد ربانی ہے:

۲۰۔ محمد بن اسماعیل ،صحیح البخاری.' (القاهرہ. مکتبة دارالشعب' س.ن)کتاب الفتن باب لا یدخل الدجال المدینة ۹/ ۷٦ عن ابی سعید الخدری

۲۱۔ عبد الکریم زیدان ۔ اصول دعوت دین (اسلام آباد' ادارہ تحقیقات اسلامی' طبع ثانی ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء) صفحہ ۵۲-۵۳ مترجم ساجد الرحمن ۔صدیقی

﴿ قل هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون ﴾(۲۲)

''اے نبی ان سے پوچھو کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں؟

یہ سورۂ زمر کی آیت ہے جو مکی سورت ہے۔اس کے زمانہ نزول کے متعلق مولانا مودودی لکھتے ہیں:۔

(آیت نمبر۱۰) وارض اللّٰہ واسعۃ سے اشارہ نکلتا ہے کہ یہ سورت ہجرت حبشہ سے پہلے نازل ہوئی۔ بعض روایات میں یہ تصریح آئی ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت جعفر بن ابی طالب اور ان کے ساتھیوں کے حق میں ہوا تھا جبکہ انہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کا عزم کیا۔(۲۳)

یہ ہجرت نبوت کے پانچویں سال رجب کے مہینے میں ہوئی تھی اور یوں بارہ مردوں اور پانچ عورتوں نے اسلام کی تاریخ میں پہلی مرتبہ اپنے دین کی خاطر آبائی وطن کو خیر باد کہا تھا۔(۲۴)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم نے اپنی دعوت کے ابتدائی مراحل میں ہی لوگوں کو علم کی اہمیت سے آگاہ کر دیا تھا کیونکہ آپ کی بعثت ایک ایسے معاشرے میں ہوئی جس میں جہالت کا دور دورہ تھا آپ کی بعثت کے وقت صرف ملک عرب میں سترہ آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے باقی سارا معاشرہ ان پڑھ اور اُمی تھا۔ جہالت کو دور کئے بغیر کسی قسم کی دعوتی ترقی ناممکن تھی۔ چنانچہ آپ پر وحی کا آغاز ہی جہالت کے خلاف، علم سے ہوا۔علم کے حصول کا ذریعہ چونکہ عام طور پر پڑھنا اور لکھنا ہی شمار ہوتا ہے اس لئے پہلی وحی میں بھی اس کا ذکر کیا گیا۔پہلی وحی کی آیات یہ تھیں۔

﴿ اقرأ باسم ربک الذی خلق o خلق الانسان من علق o اقرأ و ربک الاکرم الذی علم بالقلم o علم الانسان ما لم یعلم o ﴾(۲۵)

''پڑھو (اے نبی) اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے

۲۲۔ سورۃ الزمر ۳۹/ ۹

۲۳۔ ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن(لاہور، ادارہ ترجمان القرآن طبع ششم یکم اپریل ۱۹۸۸ء) ۳۵۴/۵

۲۴۔ ٹھٹھوی، محمد ہاشم ۔ بذل القوۃ فی حوادث سنی النبوۃ (حیدر آباد، لجنۃ احیاء التراث السندی، طبع اول ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء) صفحہ ۱۸

۲۵۔ سورۃ العلق ۹۶/ ۱-۵

سے انسان کی تخلیق کی۔ پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا۔ انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا۔''

اس طرح اللہ تعالیٰ نے سورۃ القلم نازل فرمائی جس کا زمانہ نزول مکہ کا ابتدائی دور ہے۔ اس میں علم کی اہمیت کو اجاگر کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے قلم اور لکھنے پڑھنے کی قسم کھائی۔ ارشاد الٰہی ہے

﴿ نٓ والقلم و ما یسطرون﴾(۲۶)

''نٓ قسم ہے قلم کی اور اس چیز کی جس سے لکھنے والے لکھ رہے ہیں۔''

یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عرب کے لوگ تو علم سے دور تھے ہی، یورپ میں بھی تعلیم کلیسا تک محدود کر دی گئی تھی اور برصغیر میں اس کا دائرہ برہمن کی حد تک تھا۔ قدیم مصر اور ایران میں بھی علم عام آدمی کے لئے شجرِ ممنوعہ تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے عام کرنے کے لئے ارشاد فرمایا:

'' طلب العلم فریضة علی کل مسلم''(۲۷)

''علم کا حصول ہر مسلمان پر فرض ہے۔''

اصحاب علم کی فضیلت بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

'' مثل العلماء فی الارض کمثل النجوم فی السماء یهتدی بها فی ظلمات البر والبحر فاذا انطمست النجوم اوشک ان تضل الهداة''(۲۸)

''علماء زمین میں آسمان کے ستاروں کی مانند ہیں جن سے خشکی اور تری پر رات کے اندھیروں میں رہنمائی حاصل کی جاتی ہے۔ اگر چہ ستارے چھپ جائیں تو ممکن ہے چلنے والے راستہ بھول جائیں۔''

۲۶۔ سورۃ القلم ۶۸/ ۱-۵

۲۷۔ ابن ماجة' محمد بن یزید القزوینی . السنن (بیروت دارالفکر' سن ' ن ' مع التعلیق محمد فؤاد عبد الباقی) المقدمة باب فضل العلم والحث علی العلم ۱ / ۸۱ عن انس بن مالک

۲۸۔ مسند الامام احمد بن حنبل ۳/۱۵۷ عن انس بن مالک

آپ نے کتنی خوبصورت مثال کے ذریعے علم اور علماء کی اہمیت کو اجاگر فرمادیا کہ اس سے کسی شخص کو انکار نہیں پھر یہ بھی فرمایا۔

"بعثت معلماً" (۲۹)

"کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے معلم بنا کر بھیجا ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے افلاطون کی طرح تمنا کرنے پر ہی اکتفا نہیں فرمایا کہ اس کے خیالی جمہوریہ کی قیادت جہلاء کی جگہ علماء کے ہاتھ میں ہونی چاہئے۔(۳۰) بلکہ اس کے لئے پوری کوشش بھی فرمائی۔

آپ نے ہجرت سے پہلے مصعب بن عمیر کو مدینہ کے مسلمانوں کی تعلیم کے لئے بھیجا۔ اس وقت تک مدینہ میں کوئی مسجد نہیں تھی۔ حضرت مصعب ایک مکان کو مدرسہ کے طور پر استعمال کرتے رہے۔ مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد آپ نے عبداللہ بن سعید اور عبادہ بن صامت کو اصحاب صفہ کو لکھنا پڑھنا سکھانے پر مامور فرمایا۔ مسجد نبوی میں صحابہ کے تعلیمی حلقے بنا کر بیٹھنے کا رواج آپ ؐ کے سامنے ہی شروع ہو گیا تھا۔(۳۱)

آنحضرت ﷺ کی تعلیمی پالیسی کی خصوصیت یہ تھی کہ اس پر کسی طبقے کی اجارہ داری نہیں تھی بلکہ آپ کا نظام تعلیم مفت اور رضا کارانہ تھا اور یوں مفت اقامتی اور ہمہ وقتی تعلیم کا آغاز کر دیا گیا تھا آپ نے نصاب تعلیم سے مفید دنیوی علوم خارج نہیں کئے۔ بعض جنگی صنائع کا علم اور ان کی تربیت حاصل کرنے کے لئے آپ نے بعض صحابہ کو خاص طور پر مامور کیا اس طرح دوسری زبانیں سیکھنے کیلئے آپ نے صحابہ کو مختص کیا۔ زید بن ثابت نے بحکم پیغمبر سریانی اور عبرانی سیکھی۔ دو صحابہ کرام عروہ بن مسعود اور غیلان بن مسلم دبابات اور منجنیق کی صنعت سیکھنے کی وجہ سے جنگ حنین میں شریک نہ ہو سکے۔ آپ نے خواتین کے لئے مردوں سے الگ تعلیم کا بندوبست فرمایا۔ خود کو ہفتہ میں ایک دن خواتین کی تعلیم اور ان کے مسائل کے

۲۹۔ سنن الدارمی، کتاب العلم، باب فضل العالم والعلم ۱/۱۰۰

۳۰۔ محمد عمارہ۔ دکتور۔ الاسلام و حقوق الانسان (کویت، عالم المعرفۃ، الطبعۃ الاولی، شعبان ۱۴۰۵ھ/ مئی ۱۹۸۵ء) صفحہ ۷۲

۳۱۔ سنن الدارمی ۱/۱۰۰

جواب دینے کے لئے مختص فرمایا اور بعض خواتین کو دوسری خواتین سے لکھنا پڑھنا سیکھنے کی ہدایت فرمائی۔(۳۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم محض ایک ایسی فکر اور فلسفہ نہ تھی جسے آپ نے خوبصورت الفاظ کا خول چڑھا کر اپنے متبعین کے سامنے پیش کر دیا ہو بلکہ وہ ایک متواتر اور عمل پیہم سے عبارت تھی۔ آپ کی زندگی کی ہر ہر ادا مجسم تعلیم تھی جس نے دشمنوں تک کے دل جیت لئے اور یوں آپ نے ان پڑھ اور جاہل قوم کو زیور تعلیم سے آراستہ کر دیا کیونکہ تعلیم ہی ایک ایسی بنیاد ہے جس کی وجہ سے زندگی کے تمام شعبوں میں ترقی کی جاسکتی ہے علم نہ ہو تو نہ دین کا کوئی معاملہ کما حقہ استوار ہوسکتا ہے اور نہ ہی دنیا کے کاروبار بخوبی انجام پاسکتے ہیں۔

اخلاقی پستی:

کردار کی پستی اور اخلاقی گراوٹ آج کے معاشرے کی ترقی میں بہت بڑی رکاوٹ ہے، اس کی وجہ سے بے شمار دوسرے معاشرتی' معاشی اور سیاسی مسائل پیدا ہوتے ہیں جو پوری انسانی زندگی کو الجھنوں کا گورکھ دھندا بنا دیتے ہیں۔ اخلاق انسانیت کا زیور اور سماج کی زینت ہی نہیں بلکہ اس کی حیثیت جسد زندگی میں قلب کی ہے جس کے لئے کہا جاتا ہے کہ اگر وہ بگڑ جائے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے اور اگر وہ ٹھیک رہے تو پورا جسم ٹھیک رہتا ہے لیکن کتنی عجیب بات ہے کہ دنیا کے دساتیر حیات میں اخلاقی تعلیم وتربیت کا کوئی باب نہیں اور اگر اس نام کی کوئی چیز ہے تو اس کا مسمی کچھ اور ہے ان کا اخلاق اغراض ومصالح کے تابع ہوتا ہے اخلاق کا ان کے ہاں کوئی تصور نہیں اخلاق کو ایک مقصود بالذات کی حیثیت سے کسی دنیوی نظام نے اپنے اندر جگہ نہیں دی یہ صرف آسمانی مذہب جس کی تکمیلی شکل آنحضرت کے پیغام دین اسلام میں ہے' وہ ایک مستقل حیثیت سے موجود ہے آپ نے اپنے ایک فرمانمیں اخلاق عالیہ کو اپنی بعثت کا مقصد قرار دیا ہے۔

آپ نے فرمایا:

۳۲۔ مقالات سیرت صفحہ ۶۰-۶۲ مقالہ پروفیسر احمد یار

﴿بعثت لاتمم حسن الاخلاق﴾(۳۳)

''میں اچھے اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں۔''

آپ نے اخلاق اور حسن سیرت کو ایمانی زندگی کا کمال قرار دیا اور فرمایا:

''اکمل المؤمنین ایماناً احسنھم خلقا''(۳۴)

''مومنوں میں کامل ایمان والا وہ ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاق کا سرا عبادات سے جوڑ کر اس کی قدر و قیمت بڑھا دی تا کہ لوگ دین کی اس جانب کسی غفلت یا تساھل کا شکار نہ ہوں اور اخلاق پر بھی اتنی ہی توجہ دیں جتنی وہ دین کے دوسرے امور عبادات وغیرہ پر دیتے ہیں۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''ما من شیئی یوضع فی المیزان اثقل من حسن الخلق' و ان صاحب حسن الخلق لیبلغ بہ درجۃصاحب الصوم و الصلاۃ '(۳۵)

''میزان اعمال میں حسن اخلاق سے زیادہ بھاری کوئی چیز نہیں اور اچھے اخلاق والا آدمی حسن اخلاق سے ہمیشہ روزہ رکھنے والے اور ہمیشہ نماز پڑھنے والے کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اکثر نماز کے بعد یہ دعا مانگا کرتے تھے:

''اللھم اھدنی لا حسن الاخلاق لا یھدی لا حسنھا اِلا انت واصرف عنی سیئھا لا یصرف عنی سیئھا الاانت''(۳۶)

''اے پروردگار مجھے بہترین اخلاق کی ہدایت (توفیق) عطا فرما تیرے سوا کوئی بہترین اخلاق کی

۳۳۔ مالک بن انس الامام. الموطا، القاھرہ' عیسی البابی الحلبی و شرکاہ . س' ن مع التعلیق محمد فؤاد عبد الباقی) کتاب حسن الخلق' باب ما جاء فی حسن الخلق ۲/ ۹۰۴' عن ابی ھریرۃ

۳۴۔ مسند الامام احمدبن حنبل ۲/ ۵۰ عن ابن عمر

۳۵۔ سنن ابی داؤد' کتاب الادب' باب ما جاء فی حسن الخلق ۴/ ۴۳۶ عن ابی الدرداء

۳۶۔ صحیح مسلم ' کتاب صلاۃ المسافرین' باب صلاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم و دعاؤہ باللیل ۲/ ۴۲۸' عن علی بن ابی طالب

راہ نہیں دکھا سکتا اور برے اخلاق کو مجھ سے دور کر دے کیونکہ مجھ سے برے اخلاق کو تیرے سوا کوئی پھیر نہیں سکتا۔''

حقیقت یہ ہے کہ عقائد اور عبادات کے بعد تعلیمات نبوی کا تیسرا باب اخلاق ہے۔ اخلاق سے مراد لوگوں سے شائستگی سے پیش آنا ان سے اچھے طریقہ سے معاملات کرنا اور ان کے حقوق کو ادا کرنا ہے۔ انسان جب اس دنیا میں آتا ہے تو ہر چیز سے اس کا تھوڑا بہت تعلق ضرور ہو جاتا ہے، اس تعلق کی بنا پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان کو بحسن وخوبی انجام دینے کا نام اخلاق ہے۔

آپ کی بعثت کے وقت معاشرے میں حقوق وفرائض کو اچھے طریقہ سے انجام دینے کا نہ صرف فقدان تھا بلکہ وہ ہر قسم کے برے اخلاق کی آماجگاہ بن چکا تھا اس کا بہترین نقشہ حضرت جعفر طیار نے شاہ حبشہ کے دربار میں کھینچا تھا۔ انہوں نے کہا:۔

''اے بادشاہ ہم جہالت میں مبتلا تھے۔ بتوں کو پوجتے تھے۔ نجاست میں آلودہ تھے' مردار کھاتے تھے' بیہودہ گفتگو کرتے تھے، ہم میں انسانیت اور سچی مہمانداری کا نشان نہ تھا' ہمسایہ کی رعائت نہ تھی' کوئی قاعدہ وقانون نہ تھا۔ ایسی حالت میں خدا نے ہم میں سے ایک بزرگ کو مبعوث کیا جس کے حسب' نسب' سچائی' دیانتداری' تقوی اور پاکیزگی سے ہم خوب واقف تھے' اس نے ہم کو توحید کی دعوت دی اور سمجھایا کہ ایک اکیلے خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، اس نے ہم کو پتھروں کی پوجا سے روکا۔ اس نے فرمایا کہ ہم سچ بولیں' وعدہ پورا کریں گناہوں سے دور رہیں۔ برائیوں سے بچیں۔ اس نے حکم دیا کہ ہم نماز پڑھیں' صدقہ دیا کریں اور روزے رکھا کریں ہماری قوم ان باتوں پر ہم سے بگڑ بیٹھی۔''(۳۷)

اسی طرح قیصر روم کے دربار میں ابوسفیان نے جو اس وقت تک دولت اسلام سے مشرف نہ ہوئے تھے۔ حضور کی اخلاقی دعوت کا جو نقشہ کھینچا تھا اس میں تسلیم کیا تھا کہ آپ اس بات کی تلقین کرتے تھے

۳۷۔ رحمۃ للعالمین ۱/۵۸

کہ ہم پاکدامنی اختیار کریں، سچ بولیں اور قرابتوں کا حق ادا کریں۔ (۳۸)

آپ کی انہی تعلیمات کی بنا پر قرآن مجید نے صاف صاف کہا اور دوست اور دشمن سب کے مجمع میں کہا:۔

﴿ ان لک لاجرا غیر ممنونo و انک لعلی خلق عظیم﴾ (۳۹)

''اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بے شک آپ کا اجر کبھی ختم نہ ہونے والا ہے، اور بلاشبہ آپ اخلاق کے بلند مرتبہ پر فائز ہیں۔''

آپ نے صرف اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دینے پر ہی اکتفا نہیں فرمائی بلکہ جیسا کہ قرآن گواہ ہے خود اس تعلیم کا عملی نمونہ بن کر دکھایا۔ اخلاق سے گرے ہوئے اس معاشرے میں نبی اکرم ﷺ کے بلند اخلاق سے تاریخ بھری پڑی ہے۔ آپ کا بہتر اخلاق ہی تھا جس نے بالآخر مخالفین کو جھکنے پر مجبور کر دیا۔ آپ کی زندگی میں بارہا ایسے مواقع آئے جب آپ کے مخالفین نے آپ کے اخلاقی رعب کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور آہستہ آہستہ پورے معاشرے پر آپ کے اعلیٰ اخلاق کا رنگ غالب آ گیا جس کی نظیر دنیا آج تک پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آج پھر سے معاشرے کو مثالی بنانے کیلئے اخلاقی پستی سے نکال کر اس رنگ میں رنگنے کی ضرورت ہے اور اس کے لئے سیرت رسول پر عمل پیرا ہونے کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

غربت وافلاس:

دنیا میں بسنے والے سب انسانوں کی تقدیر کبھی یکساں نہیں رہی۔ سوسائٹی میں حکمران و رعایا قوی وضعیف، بیمار وصحت منداور غریب ودولت مند، نہ جانے کتنے ہی طبقات شروع سے ہی چلے آ رہے ہیں۔ یہ طبقات باہمی افہام وتفہیم اور آپ کے تعاون سے امن کی زندگی گزارتے رہے۔ اگر کبھی بدامنی پھیلی یا سماجی توازن میں خلل پیدا ہوا تو اسکی وجہ یہی تھی کہ ایک فرد نے دوسرے فرد پر ایک قبیلے نے دوسرے پر یا قوی نے ضعیف پر ناجائز طور پر اپنی مرضی چلانا چاہی اور ہوس میں آ کر ظلم واستبداد کا رویہ اختیار کیا جس سے غریب اور مفلس طبقے کی حالت بگڑتی ہی چلی گئی۔ تاریخ کے ہر دور میں مختلف ادیان اور اصحاب فلسفہ

۳۸۔ شبلی نعمانی سیرۃ النبی ﷺ (لاهور۔ مکتبہ تعمیر انسانیت، طبع اول، س،ن) ۱/ ۴۳۲

۳۹۔ سورۃ القلم ۶۸/ ۳-۴

نے اپنے اپنے دور میں غربت وافلاس کوختم کرنے کے لئے کوششیں کیں تا کہ فقراء کے دکھوں کا مداوا کرسکیں لیکن کوئی بھی کبھی پوری طرح کامیاب نہ ہوسکتا۔ افلاطون کا بھی یہی تصور تھا کہ اس کے مثالی جمہوریہ میں غربت وافلاس نہ ہو لیکن عملاً ایسا نہ ہوسکا۔ (۴۰)

نبی کریم ﷺ جس معاشرے میں تشریف لائے وہ افلاس کی چکی میں پس رہا تھا۔ اس کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔ طاقت ور کو ضعیف پر ظلم کرنے سے کوئی روکنے والا نہ تھا۔ یہ حالت دیکھ کر آپ نے مختلف سرداروں اور سمجھ دار لوگوں کی اس طرف توجہ دلائی اور بالآخر ایک انجمن قائم ہوگئی جس کے منشور میں یہ بھی شامل تھا کہ ہم غریبوں کی امداد کرتے رہیں گے اور زبردست کو زیردست پر ظلم کرنے سے روکا کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے زمانے میں بھی فرمایا کرتے تھے کہ اگر آج بھی کوئی اس انجمن کے نام سے کسی کو مدد کیلئے بلائے تو میں سب سے پہلے اس کی امداد کے لیے تیار ہو جاؤں گا۔'' (۴۱)

غربت کے خاتمے کے لئے آپ کی یہ کوشش زمانہ نبوت سے پہلے کی تھی زمانہ نبوت میں تو آپ نے اپنی تعلیمات اور عمل کے ذریعے اس کا مکمل طور پر قلع قمع کر دیا۔

اپنی دعاؤں میں آپ نے غربت وافلاس سے خدا کی پناہ مانگی۔ آپ کے دعائیہ کلمات ہیں:

﴿اللھم انی اعوذبک من الفقر والقلة والذلة واعوذبک من ان اظلم و اظلم﴾ (۴۲)

''اے اللہ میں غربت وافلاس اور ذلت سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور اے اللہ میں ظلم کرنے اور اپنے اوپر ظلم کئے جانے سے بھی تیری پناہ چاہتا ہوں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غربت وافلاس سے خدا کی پناہ تھی کہ غربت وافلاس انسان کے عقیدے اور اخلاق دونوں کو خراب کر دیتا ہے۔ اس کے گھر کا امن تباہ و برباد ہو جاتا ہے اور اس کے افکار منتشر رہنے

۴۰۔ القرضاوی، یوسف دکتور، مشکلة الفقر و کیف عالجها الاسلام (القاهره، مکتبة وهبة، الطبعة الخامسة شوال ۱۴۰۶ھ/ یونیو ۱۹۸۶ء) صفحہ ۳

۴۱۔ رحمة للعالمین ۱/ ۴۳

۴۲۔ مسند احمد لامام احمد بن حنبل ۲/ ۳۰۵ عن ابی هریرة

لگتے ہیں۔غربت کے بارے میں ایک مشہور قول ہے کہ کفر نے غربت سے کہا کہ جب تو کسی جگہ جائے تو مجھے بھی ساتھ لے جانا کیونکہ لوگ تیرے ساتھ مجھے آسانی سے قبول کر لیتے ہیں۔"(۴۳)

غرب وافلاس کے خاتمے کے لئے آپ کا کردار آپ کی سیرت طیبہ کا ایک مستقل باب ہے۔جس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے غربت وافلاس کے تدارک کے لئے چار مختلف تدابیر اختیار فرمائیں۔

1۔ آپ نے ہر شخص کو اپنی روزی کمانے کی ترغیب دی۔دوسروں سے سوال کرنے اور دوسروں پر بوجھ بننے سے منع فرمایا۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

﴿الید العلیا خیر من ید السفلی﴾(۴۴)

"دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے افضل ہے۔"

2۔ آپ نے روزی کمانے اور خرچ کرنے کی ضروری آزادی دی اور ساتھ ہی ضروری پابندیاں بھی عائد کیں تاکہ توازن برقرار رہے۔

3۔ آپ نے حاجت مند افراد کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے دولت مندوں کو اخلاقی ہدایات دیں اور خود بھی اس پر عمل کر کے دکھایا۔آپ ﷺ کا فرمان ہے:

"جس شخص کے پاس قوت اور طاقت کے سامان اپنی حاجت سے زائد ہوں اس کو چاہئے کہ زائد سامان کمزور کو دے دے اور جس کے پاس کھانے پینے کا سامان ضرورت اور حاجت سے زائد ہو اسے چاہئے کہ زائد سامان حاجت مندوں کو دے دے"

حدیث کے راوی ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ اسی طرح مختلف قسم کے مال کا ذکر فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم نے گمان کر لیا کہ ہم میں سے کسی شخص کو اپنے زائد مال پر کسی قسم کا حق نہیں۔"(۴۵)

۴۳۔ مشکل الفقر و کیف عالجها الاسلام صفحه ۱۲

۴۴۔ سنن ابی داؤد' کتاب الزکاة' باب فی الاستعفاف ۲٬ ۲۷۳ عن ابن عمر

۴۵۔ ابن حزم علی بن احمد بن حزم. المحلی (القاهره' مکتبة انصار السنة المحمدیة' طبعة ۱۳۴۸ھ مع تحقیق احمد شاکر) ۱۵۸/۲

4۔ حاجت مندوں کے بارے میں دولت مندوں کو قانونی ذمہ داریوں کا پابند کیا۔

مندرجہ بالا چاروں تدابیر معاشی نظام کی تفصیلات طے کرنے کے سلسلے میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔

کاہلی وسستی:

معاشرے کی ترقی میں ایک بڑی رکاوٹ کاہلی وسستی بھی ہے جب تک اسے دور نہیں کیا جائے گا وہ کبھی مثالی معاشرہ نہیں بن سکے گا۔مثالی معاشرہ بنانے کیلئے محنت کرنا پڑتی ہے اور وہ بھی لگا تار، اور یہ کاہل اورسست لوگوں کے لئے ایک مشکل کام ہے۔دراصل آج کا معاشرہ اپنے نت نئے مسائل کے حل کا خواہاں ہے لیکن اس کیلئے وہ جو تدبیریں کرتا ہے وہ الٹی ثابت ہوتی ہیں اور منزل کے تعین کے باوجود وہ صحیح راستہ اختیار کرنے سے قاصر رہتا ہے تو مایوس ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے سستی اور کاہلی اس پر غالب آتی جاتی ہے۔قرآن مجید نے اس کا بڑا عمدہ نقشہ پیش کیا ہے۔ارشاد ربانی ہے:

﴿ ان تصبهم سيئة بما قدمت ايديهم اذا هم يقنطون ﴾(۴۶)

''اور جب ان کے لئے اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو یکا یک وہ مایوس ہونے لگتے ہیں۔''

ایک دوسری جگہ قرآن مجید نے اس کی وضاحت یوں فرمائی:

﴿ اذامسه الشر فيئوس قنوط ﴾(۴۷)

''اور جب کوئی آفت اس پر آجاتی ہے تو وہ مایوس و دل شکستہ ہو جاتا ہے''معاشرے کے افراد جب کاہل اور سست ہو جاتے ہیں تو پھر وہ ایسی تدبیریں سوچنے لگتے ہیں جن کی وجہ سے بلا مشقت ان کی ضروریات پوری ہوتی رہیں جیسے جادو ٹونہ اور جوا اور سٹہ وغیرہ۔

نبی اکرم ﷺ جس معاشرے میں مبعوث ہوئے اس میں دوسری خرابیوں کے ساتھ کاہلی اور سستی کا مرض بھی تھا۔قاضی سلیمان منصور پوری اس معاشرے کے متعلق رقمطراز ہیں۔

۴۶۔ سورۃ الروم ۳۰: ۳۶

۴۷۔ سوۃ فصلت ۴۱: ۴۹

''بے کاری اور کاہلی نے جوا اور شراب کی عادت پیدا کردی تھی اور طبیعت ثانیہ بنا دی تھی۔''(۴۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کاہلی اور سستی سے نکالا اور انہیں قانون فطرت کا یہ قاعدہ بتایا کہ:

﴿ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم﴾(۴۹)

''اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل لیتی۔''

اس الٰہی قاعدے کے مطابق آپ نے اپنے معاشرے کو کاہلی اور سستی سے نکال کر محنت کے راستے پر ڈالا۔ جادو اور ٹونہ جو کاہل اور سست لوگوں کے لئے غیبی امداد کا ذریعہ تھا آپ نے اسے شرک قرار دیا۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے۔

﴿من عقد عقدۃ ثم نفث فیھا فقد سحر. ومن سحر فقد اشرک﴾(۵۰)

''جس نے دھاگے کی گرہیں باندھ کر اس پر پھونکیں ماریں تو اس نے جادو کیا اور جس نے جادو کیا اس نے شرک کیا۔''

کاہل اور سست لوگ اپنے غم بھلانے کے لئے شراب پیتے ہیں اور لوگوں کا مال ہتھیانے کے لئے جواء کھیلتے ہیں۔ آپ نے وحی الٰہی کے ذریعے ان کا یہ راستہ بھی بند کر دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

﴿انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون O﴾(۵۱)

''یہ شراب، جوا، یہ آستانے، پانسے یہ سب گندے شیطانی کام ہیں۔ ان سے پرہیز کرو تا کہ تمہیں کامیابی نصیب ہو۔''

۴۸۔ رحمۃ للعالمین ۱/۳۰

۴۹۔ سورۃ الرعد ۱۳/۱۱

۵۰۔ النسائی. احمد بن شعیب ابو عبد الرحمن. السنن (بیروت دارالفکر' سن' من. مع شرح الحافظ. جلال الدین السیوطی و حاشیۃ السندی) کتاب تحریم الدم' باب الحکم فی السحرۃ ۷/۱۱۲ عن ابی ھریرۃ

۵۱۔ سورۃ المائدہ۵/۹۰

آپ نے خود بھی محنت کی۔ بچپن میں آپ نے بکریاں چرائیں جوانی میں تجارت کی حضرت خدیجہ کا مال لے کر تجارت کی غرض سے ملک شام تک کا سفر کیا۔ اسی طرح آپ نے اپنے ساتھیوں کو بھی محنت کے راستے پر لگایا۔ اور فرمایا:-

"ما اکل احد منکم طعاماً احب الی اللہ عزوجل من عمل یدہ" (۵۲)

"کسی بھی شخص کے کھانے کیلئے اس کی اپنی محنت سے کمائے ہوئے لقمے سے بہتر کوئی لقمہ نہیں ہے۔"

آپ کی اپنی زندگی اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ آپ ہمہ وقت یا تو اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے یا امت کے کاموں میں اس میں کاہلی اور سستی کو ذرا دخل نہ تھا۔ آپ نے اپنے ساتھیوں کی جو جماعت تیار کی اس کی بھی یہی حالت تھی۔ یہ آپ کی تربیت کا کمال تھا کہ معمولی سے عرصے میں یہ محنتی جماعت انسانی زندگی کے ہر میدان میں چھا گئی کیونکہ آپ نے اسے ہمہ وقت کام کرنے والی جماعت بنا دیا۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔

"خیر العمل ادومها وان قل" (۵۳)

"بہترین کام وہ ہے جسے آدمی ہمیشہ کرے اگرچہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔"

معاشرے کو مثالی بنانے کے لئے آج ہمیں بھی کاہلی و سستی کو خیر باد کہہ کر دائمی محنت کا راستہ اپنانا ہوگا اور یہی سیرت رسول بھی ہے۔"

خودغرضی:

آج کے معاشرے کی ایک خرابی خودغرضی بھی ہے۔ ہر آدمی سب کچھ اپنی ذات کے لئے کر رہا ہے جو دراصل مادیت کی دوڑ میں شریک ہونے کا نتیجہ ہے۔ اب اسے اپنے سوا کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا۔ مثالی معاشرے کے افراد تو اپنے آپ کو ایک دوسرے سے مربوط تصور کرتے ہیں اور ایک دوسرے کی خوشی

۵۲۔ مسند الامام احمد بن حنبل ۴/۱۳۱ عن المقدام بن معدی کرب

۵۳۔ سنن ابن ماجة. کتاب الزھد' باب المداومة علی العمل ۲/۱۴۱۷ عن ابی ھریرة

اور غمی میں شریک ہوتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں جو معاشرہ تشکیل دیا تھا اس کے اندر یہ صفت بدرجہ اتم موجود تھی، جسے آپ نے اپنے الفاظ میں بھی یوں بیان فرمایا:

"لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیه ما یحب لنفسه" (۵۴)

"تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک اپنے بھائی کے لئے وہی چیز پسند نہ کرے جسے وہ خود اپنے لئے پسند کرتا ہے۔"

اس حدیث پاک کے ہوتے ہوئے خودغرضی تو مسلمان کے قریب بھی نہیں آ سکتی۔ اگر اس میں خودغرضی آ جاتی ہے تو وہ اس کے ایمان کی نفی کرتی ہے اور مسلمان کو اپنا ایمان ہر وقت ہر چیز سے زیادہ عزیز ہوتا ہے۔ آپ کے صحابہ ہمیشہ ایک دوسرے کی مدد میں مشغول رہتے تھے کیونکہ ان کے سامنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان تھا:

"المسلم اخ المسلم لا یظلمه ولا یسلمه، من کان فی حاجة اخیه کان الله فی حاجته، ومن فرج عن مسلم کربة فرّج الله عنه بها کربة من کرب یوم القیامة، ومن ستر علما ستره الله یوم القیامة" (۵۵)

"ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے وہ نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ ظلم ہونے دیتا ہے جو کوئی اپنے بھائی کی کوئی ضرورت پوری کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرورتیں پوری فرماتا ہے اور جو کسی کی کوئی مشکل دور کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی آخرت کی مشکلات کو آسان فرماتا ہے اور جو کسی کے عیبوں پر پردہ ڈالتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے عیبوں پر قیامت کے روز پردہ ڈال دیں گے۔"

آپ نے صرف اپنے متبعین کو دوسروں کی مدد کرنے کی تلقین پر ہی اکتفا نہیں فرمایا بلکہ خود کو اس میدان میں سب سے آگے رکھا جس سے آپ کے اس مثالی معاشرے میں جسے آپ نے مدنی زندگی میں تشکیل دیا تھا خودغرضی کا بالکل خاتمہ ہوگیا۔

۵۴۔ سنن مصدر: المقدمة باب فی الایمان ۲۶/۱ عن انس بن مالک

۵۵۔ صحیح البخاری: کتاب الاکراه: باب یمین الرجل لصاحبه انه اخوه ۲۸/۹ عن ابن عمر

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس وصف کو بیان کرتے ہوئے سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

''خود آپ کا عمل یہ رہا کہ جو کچھ آیا خدا کی راہ میں خرچ ہو گیا۔ غزوات اور فتوحات کی وجہ سے مال واسباب کی کمی نہ تھی مگر وہ سب غیروں کے لئے تھا اپنے لئے کچھ نہ تھا۔ فتح خیبر کے بعد یعنی 7ھ سے یہ معمول تھا کہ سال بھر کے خرچ کے لئے تمام ازواج مطہرات کو غلہ تقسیم کر دیا جاتا تھا مگر سال تمام بھی نہیں ہونے پاتا تھا کہ غلہ تمام ہو جاتا تھا اور فاقہ پر فاقہ شروع ہو جاتا تھا کیونکہ غلہ کا بڑا حصہ اہل حاجت کی نذر کر دیا جاتا تھا۔ آپ تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے تمام عمر کسی سائل کے سوال کے جواب میں نہیں کا لفظ استعمال نہیں فرمایا کبھی کوئی چیز تنہا نہ کھاتے تھے۔ کتنی ہی تھوڑی چیز کیوں نہ ہوتی آپ سب حاضرین کو اس میں شریک کر لیتے تھے۔''(۵۶)

اگر آج بھی آپ کے اس وصف کی پیروی کر لی جائے تو مثالی معاشرہ خود بخود بننا شروع ہو جائے گا۔

تعصب:

مثالی معاشرے کی راہ میں ایک رکاوٹ اس کے اندر پائے جانے والے تعصبات ہیں۔ کوئی ایک تعصب ہو تو کسی کے لئے اس کا علاج کرنا بھی ممکن ہو یہاں تو طرح طرح کے تعصبات پائے جاتے ہیں ان کا علاج کون کرے؟

حقیقت یہ ہے کہ انسان نے جب بھی الٰہی تعلیمات سے روگردانی کی اور انبیاء کی سیرتوں سے انحراف کیا تو اس کی زندگی تعصبات سے بھر گئی۔ تاریخ شاہد ہے کہ ہندوستان میں ہندوؤں نے آج تک اپنے سوا سب کو نیچ اور ناپاک قرار دے رکھا ہے۔ خود کو چار ذاتوں میں تقسیم کر کے ان میں عزت اور حقوق کی ترتیب قائم کر لی ہے۔ قدیم ایران میں بھی یہ چار ذاتیں اس طرح قائم تھیں۔ بنی اسرائیل نے صرف اپنے آپ کو خدا کی اولاد قرار دے لیا تھا اور باقی سب کو چنڈال۔ آج یورپ کا حال سب کے سامنے ہے کہ سفید رنگ کے آدمی کو تہذیب وتمدن کا ٹھیکے دار قرار دے دیا گیا ہے اور کالی قومیں اس کی برابری کے لائق نہیں۔ بعض

۵۶۔ ندوی، سید سلیمان، خطبات مدراس (کراچی، محمد سعید اینڈ سنز، سن ن) صفحہ ۱۰۹، ۱۱۰

مقامات پر تو وہ سفید رنگ کے لوگوں کے محلوں میں بھی نہیں رہ سکتیں انسانی محبت و مساوات کے دعوؤں کے باوجود یہ لوگ حقیقت انسانیت سے کوسوں دور ہیں۔ حقوق دنیاوی سے گزر کر ان کے یہ تفرقے خدا کے گھروں میں بھی قائم ہیں کالوں کے گرجے الگ ہیں اور گوروں کے الگ۔ خدا کے یہ دونوں کالے اور گورے بندے ایک ساتھ خدا کے آگے نہیں جھک سکتے۔ ان تمام تعصّبات کا علاج صرف پیغام محمدی میں ہے۔

آپ کی بعثت ہوئی تو آپ نے لوگوں کے سامنے وحی ربانی کے ذریعے اعلان فرما دیا۔

﴿ یایھا الناس ان خلقنا کم من ذکر و انثی و جعلنا کم شعوباً و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ﴾(۵۷)

''اے انسانو! ہم نے تم سب کو ایک مرد و عورت سے پیدا کیا اور تم کو قبیلہ قبیلہ اور خاندان' خاندان صرف اس لئے بنا دیا کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ خدا کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔''

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

﴿ و ما اموالکم و لا اولادکم بالتی تقربکم عندنا زلفیٰ الا من آمن و عمل صالحا فاولئک لھم جزاء الضعف بما عملوا ﴾(۵۸)

''نہ تمہاری دولت اور نہ تمہاری اولاد وہ چیز ہے جو تمہارا درجہ ہمارے نزدیک (بلند) کر دے لیکن جو کوئی ایمان لایا اور اس نے اچھا کام کیا اس کو اپنے کام کا دگنا بدلہ ملے گا۔''

آپ نے اپنی تعلیم کے ذریعے ہر قسم کے تعصب کو ردّ فرمایا۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ نے قریش سے مخاطب ہو کر فرمایا:

﴿ یا معشر قریش ان اللہ اذھب عنکم نخوۃ الجاھلیۃ و تعظیمھا بالاباء الناس

۵۷۔ سورۃ الحجرات ۴۹/۱۳

۵۸۔ سورۃ سبا ۳۴/۳۷

من آدم و آدم من تراب﴾(۵۹)

''اے قریش کے لوگو! اب جاہلیت کا غرور' اور نسب کا فخر خدا نے مٹا دیا ہے تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے۔''

اپنے آخری خطبے میں آپ ﷺ نے اعلان فرمایا:

﴿لیس للعربی فضل علی العجمی ولا للعجمی فضل علی العربی الا بالتقوی﴾(۶۰)

''عرب کو عجم پر اور عجم کو عرب پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقوی کی بنا پر۔''

آپ نے تمام مسلمانوں کو بھائی بھائی کا رتبہ دیا۔ حسب ونسب کا کوئی فرق نہیں کیا۔ پیشہ اور منصب کا کوئی فرق نہیں' غربت اور امارت کا کوئی فرق نہیں۔ خدا کے آگے سب برابر ہیں۔ یہاں نہ کوئی برہمن ہے نہ شودر۔ قرآن سب کے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ نماز سب کے پیچھے پڑھی جائے گی۔ رشتہ ناتا ہر ایک سے ہوسکتا ہے علم ہر ایک کا حق ہے اور حقوق سب کے یکساں ہیں یہاں تک کہ خون بھی سب کا برابر ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی آپ کی اپنی تعلیمات کے مطابق تھی۔ آپ کی محفل میں دنیا کے مختلف خطوں کے افراد موجود تھے۔ بلال رضی اللہ عنہ کا تعلق حبشہ سے تھا تو صہیب کا روم سے اور سلمان کا فارس سے۔ مکہ کے مہاجر اور مدینہ کے انصار سب ایک ہی جگہ رہتے تھے کسی میں بھی ایک دوسرے کے خلاف ادنیٰ تعصب کا شائبہ نہ پایا گیا۔ کیونکہ تربیت محمدی نے ان میں سے ہر تعصب کو نکال دیا تھا اور وہ آپس میں بھائی بھائی بن گئے تھے۔ ان میں سے ہر ایک دوسرے پر صرف مال ہی نہیں بلکہ جان بھی نچھاور کرتا تھا جس کی مثالوں سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔

آج بھی ہمیں ہر قسم کے تعصّبات سے نجات کے لئے پھر سے سیرت محمدی پر عمل کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ایک مثالی معاشرہ بنا سکیں۔

۵۹۔ رحمة للعالمین ۱/ ۱۲۰

عدل وانصاف کا فقدان:

عدل وانصاف کا فقدان بھی مثالی معاشرے کی راہ میں ایک رکاوٹ ہے۔ عدل کے قائم کئے بغیر کبھی کوئی معاشرہ مثالی ہی نہیں بن سکتا. اس لئے مصلحین نے ہمیشہ عدل کو قائم کیا۔ جب بھی معاشرے سے عدل غائب ہوا تو اس میں ابتری پھیل گئی۔ آج کے معاشرے میں پھیلی ہوئی ابتری کا ایک سبب یہ بھی ہے۔ یہ صرف عدل وانصاف ہی سے ختم ہو سکتی ہے۔ آپ کی بعثت کے وقت بھی عالم انسانیت ظلم و جور، قتل و غارت اور وحشت و بربریت کا شکار تھا۔ آپ ﷺ نے عدل وانصاف قائم کر کے معاشرے کو تمام برائیوں سے پاک کر دیا وحی ربانی کے ذریعہ آپ نے اعلان فرمایا:۔

﴿یا ایھا الذین آمنوا کونوا قوامین بالقسط شهداء لله و لو علی انفسکم والوالدین والاقربین ان یکن غنیاً او فقیراً فالله اولی بهما فلا تتبعوا الهوی ان تعدلوا وان تلووا او تعرضوا فان الله کان بما تعملون خبیراً﴾(۶۱)

”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو انصاف کے علمبردار اور خدا کے واسطے گواہ بنو اگر چہ تمہارے انصاف کی زد خود تمہاری ذات پر یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو، فریق معاملہ خواہ مالدار ہو یا غریب اللہ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے لہٰذا اپنی خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔“

اس کے بعد اس میں مزید اضافہ کرتے ہوئے فرمایا گیا:

﴿و لا یجر منکم شنان قوم علی ان لا تعدلوا اعدلوا هو اقرب للتقوی﴾(۶۲)

”کسی گروہ کی دشمنی تمہیں اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو یہ خدا ترسی سے

۶۰۔ مسند الامام احمد بن حنبل ۵/ ۱۱ حدیث رجل من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم

۶۱۔ سورة النساء ۴/ ۱۳۵

۶۲۔ سورة المائدة ۵/ ۸

زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔“

آپ کی پوری زندگی عدل وانصاف کی آئینہ دار تھی۔زندگی کے ہر شعبہ میں آپ عدل وانصاف پر عمل پیرا تھے۔سیرت رسول میں ہمیں بکثرت اس کی مثالیں ملتی ہیں۔آپ قانون الٰہی کے نفاذ میں بہت سختی فرماتے تھے اور اسے نافذ کئے بغیر چین سے نہ بیٹھتے تھے۔

ایک دفعہ ایک عورت نے (جو خاندان بنی مخزوم سے تھی) چوری کی۔عزت کے لحاظ سے لوگ چاہتے تھے کہ سزا سے بچ جائے اور معاملہ دب جائے۔حضرت اسامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب خاص تھے لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ سفارش کریں۔انہوں نے آپ سے معافی کی درخواست کی تو آپ نے غضب آلودہ ہو کر فرمایا کہ بنی اسرائیل اسی کی بدولت تباہ ہوئے کہ وہ غرباء پر حد جاری کرتے تھے اور امراء سے درگزر کرتے تھے۔(۶۳)

﴿تعارضوا الحدود بینکم فما بلغنی من حد فقدوجب﴾(۶۴)

”آپس میں ایسے گناہوں کو معاف کر دیا کرو جن سے حد لازم آتی ہے لیکن مجھ تک جو واقعہ پہنچے گا تو اس کی سزا ضرور دی جائے گی۔“

عدل وانصاف کی انتہاء یہ ہے کہ مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ کفار کے معبودان باطل کو بھی برا نہ کہیں۔ایسا نہ ہو کہ وہ نادانستہ طور پر خدا کو برا کہہ بیٹھیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم﴾(۶۵)

”اور جن کو یہ مشرک اللہ کے سوا پکارتے ہیں ان کو برا نہ کہو ایسا نہ ہو کہ یہ بھی خدا کو بے ادبی سے بغیر علم کے برا کہہ بیٹھیں۔“

۶۳۔ سیرۃ النبی ﷺ ۲/۲۸۳

۶۴۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، باب العفو من الحدود ما لم تبلغ السلطان ۴/ ۳۳۳، عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص

۶۵۔ سورۃ الانعام ۶/۱۰۸

اس عدل و انصاف کا یہ اثر تھا کہ مسلمان تو ایک طرف یہود جو آپ کے شدید ترین مخالف تھے اپنے مقدمات آپ ہی کی بارگاہ میں لاتے تھے اور ان کی شریعت کے مطابق اس کا فیصلہ ہوتا تھا۔ آج بھی معاشرے کو مثالی بنانے کے لئے اس عدل و انصاف کو واپس لانے کی ضرورت ہے اور اس کے لئے سیرت نبوی پر عمل کے بغیر چارہ نہیں۔

عدم تحفظ:

مثالی معاشرے کی راہ میں رکاوٹ اس کے افراد کے اندر پایا جانے والا عدم تحفظ کا احساس بھی ہے۔ آج کے معاشرے میں کوئی بھی شخص محفوظ نہیں ہے۔ اس کو قتل کیا جا سکتا ہے۔ لوٹا جا سکتا ہے۔ اس کی بے عزتی کی جا سکتی ہے۔ وہ کسی بھی تخریب کاری کا نشانہ بن سکتا ہے۔ غرضیکہ کسی بھی وقت کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ یہ حالت اس وقت کسی ایک ملک کی نہیں ہے دنیا کے اکثر ممالک اس دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ آج دنیا کو ایک پرامن معاشرے کی ضرورت ہے جس میں ہر فرد کو اس کا حق ملے اور اس کی زندگی کو کوئی خطرہ نہ ہو بلکہ وہ اپنے آپ کو محفوظ پائے۔ امن و سلامتی کی اسی فضا کو رسول اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ میں لوگوں کو مہیا فرمایا تھا۔ مدینہ کا ہر شخص مومن ہو یا غیر مومن اپنے آپ کو مدنی معاشرے میں محفوظ سمجھتا تھا۔ کسی کو بھی نہ تو اپنے بارے میں کوئی فکر تھی اور نہ اپنے اہل و عیال اور عزیز و اقارب کے بارے میں عبداللہ بن سلام کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری پر میں نے آپ کی پہلی تقریر میں یہ الفاظ سنے:

﴿افشوا السلام﴾ "پیغام امن و سلامتی کو عام کرو۔" (٦٦)

اس کے بعد آپ نے مومن کی تعریف بیان کرتے ہوئے اس کی شخصیت کا حصہ قرار دے دیا۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

﴿المسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده﴾

٦٦۔ سنن ابن ماجه . كتاب الاداب ' باب افشاء السلام ٢/١٢١٨ عن ابی هريرة و عن عبد الله بن عمرو

"مومن وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان اپنے آپ کو محفوظ و مامون پائیں۔"(٦٧)

صلح حدیبیہ اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگ کا مقصد محض فتنہ کو ختم کرنا اور آزادی کے عقیدہ کو منوانا تھا۔ اس موقع پر صحابہ کرام ظاہری فتح و غلبہ کے متوقع تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس پرامن معاہدہ کو فتح مبین قرار دیا، اسلئے کہ اس معاہدے کی ایک شق کے ذریعہ فتنہ کا سد باب کر کے فریقین نے ایک دوسرے کی آزادی کے عقیدہ کو تسلیم کر لیا تھا۔ میثاق مدینہ آپ کی امن پسندی اور آزادی دین اور عقیدہ کی واضح مثال ہے اس میں آپ نے یہود کو اپنے دین پر قائم رہتے ہوئے بعض شرائط کا پابند کیا تا کہ مدینہ کا داخلی امن محفوظ ہو جائے اور اس کے رہنے والوں میں سے کوئی بھی عدم تحفظ کے احساس کا شکار نہ ہو اور سب امن و آشتی کے ماحول میں آزادی سے رہ سکیں۔ آپ نے کبھی بھی کسی طالب امن کو امن سے محروم نہ فرمایا۔ مختصر یہ کہ پیغمبر امن و سلامتی نے تمام جہاں کے انسانوں کو محفوظ اور پرامن معاشرہ قائم کرنے کی دعوت دی اور خود اس کا عملی نمونہ پیش فرمایا کیونکہ محفوظ اور پرامن انسانی معاشرہ ہی ترقی کے لئے سب سے اہم چیز ہے۔

رب العالمین سیرت طیبہ پر عمل پیرا ہو کر ہمیں اپنے معاشرے سے ان سب رکاوٹوں کو دور کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ تا کہ وہ ایک مثالی معاشرہ بن سکے۔ آمین

یارب العالمین

٦٧۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان تفاضل الاسلام ١/٦٦ ٢ عن جابر و عن ابی موسی

غربت وافلاس کا خاتمہ۔ سیرت طیبہ کی روشنی میں

* حافظ محمد سعداللہ

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم اما بعد!

اس وقت ساری دنیا کو بالعموم اور وطن عزیز کو بالخصوص درپیش سنگین اور تشویش ناک مسائل میں سے ایک اہم اور فوری غور وفکر اور موثر حل کا متقاضی مسئلہ جس نے اکثر لوگوں کا دم ناک میں بلکہ اب تو خودکشیوں پر مجبور کر رکھا ہے۔ وہ غربت وافلاس کا مسئلہ ہے۔ بحیثیت مسلمان ہمارا اس بات پر پختہ ایمان ہے کہ دنیا کا کوئی ایسا مسئلہ نہیں جس کے بارے میں اللہ کریم کے پیغمبر اعظم وآخر اور رسول رحمت ورفت سیدنا ومولانا محمد مصطفٰے احمد مجتبیٰ علیه التحية والتسليم نے ہمارے لئے کوئی نمونہ، کوئی رہنمائی اور اصولی ہدایات نہ چھوڑی ہوں۔ بقول حالیؒ ؎

سکھائے معیشت کے آداب سب ان کو پڑھائے تمدن کے باب سب ان کو

بنابریں زیر نظر مقالے میں غربت وافلاس کے اس پریشان کن مسئلے کا حل حضور رحمۃ للعالمین انیس الغریبین محبّ الفقراء والمساکین ﷺ کی سیرت طیبہ اور اسوۂ حسنہ کی روشنی میں تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ میں اور آپ سوائے علمی کوشش کے اور کر بھی کیا سکتے ہیں؟ اس سلسلے میں اب تک ماشاءاللہ اتنی قابل قدر مساعی ہو چکی ہیں کہ ان کو عملی جامہ پہنانے میں کوئی علمی رکاوٹ یا ابہام نہیں۔ ہمارے محترم ڈاکٹر عبدالروف ظفر نے اس سیرت سیمینار کے ذریعے ایک مرتبہ پھر اتمام حجت کر دیا ہے۔ اللہ کریم ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ بہر کیف ؎

اِک طرز تغافل ہے سو وہ ان کو مبارک اک عرض تمنا ہے سو ہم کرتے رہیں گے

راقم ناچیز اس مقالے میں پہلے عالمی اقتصادی صورت حال خصوصاً پاکستان اور عالم اسلام کی معاشی زبوں

---

* ایڈیٹر سہ ماہی منہاج، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور

حالی کا سرسری سا جائزہ اور اس اقتصادی زبوں حالی کے بنیادی اسباب و وجوہات عرض کرے گا اور آخر میں سیرت طیبہ اور اسوۂ نبوی ﷺ کے حوالے سے اس گھمبیر مسئلے کا حل پیش کرے گا۔

عالمی اقتصادی صورت حال:

روز نامہ نوائے وقت لاہور مورخہ ۲۴ ستمبر ۹۹ء کی ایک مصدقہ خبر کے مطابق عالمی بنک کے صدر جیمز وولفن نے عالمی بنک اور بین الاقوامی مالیاتی فنڈز کے حکام کے مشترکہ سالانہ اجلاس خطاب کرتے ہوئے بتایا کہ اس وقت کی دنیا کل آبادی کوئی چھ ارب ہے جس میں نصف کی سالانہ آمدنی دو ڈالر ہے جبکہ ایک ارب ۳۰ کروڑ عوام کی روزانہ آمدن ایک ڈالر ہے۔ اس وقت دو ارب لوگ انتہائی غربت سے نیچے کی زندگی گزار رہے ہیں انہوں نے کہا کہ امیر ملکوں کا فرض ہے کہ وہ غریب لوگوں کی امداد کے لئے بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔

ڈاکٹر محبوب الحق ہیومن ڈویلپمنٹ سنٹر اسلام آباد کی رپورٹ کے مطابق جنوبی ایشیا میں فی کس قومی آمدن (۱۹۹۳ء میں ۳۰۹ ڈالر) دنیا کے تمام خطوں سے کم ہے۔ عالمی بنک کے مطابق اس خطے کے ۵۰۰ ملین افراد غربت کی انتہائی حد سے بھی نیچے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہ وہ آبادی ہے جو اپنی بنیادی ضرورتیں پوری نہیں کر پاتی۔ اگرچہ جنوبی ایشیا آبادی کے لحاظ سے دنیا کی آبادی کا ۲۲ فیصد ہے۔ لیکن آمدنی کے حوالے سے اس کا حصہ صرف ۳.۱ فیصد ہے اور دنیا کے ۴۰ فیصد غریب لوگ جنوبی ایشیا میں بستے ہیں۔
(روز نامہ جنگ لاہور مورخہ ۸۔ ستمبر ۱۹۹۹ء از مضمون ''خواب جہالت کب ختم ہوگا''

اسی طرح تقریباً ایک ارب آبادی والا پڑوسی ملک بھارت بھی شدید ترین غربت کا شکار ہے۔ زی ٹی وی نیوز کی ایک رپورٹ کے مطابق سرکاری حکام نے تسلیم کیا ہے کہ بھارت کے ۳۹ فیصد افراد شدید مفلس ہیں جبکہ غیر سرکاری اداروں نے یہ تعداد پچھتر (۷۵) فیصد بتائی ہے۔ یعنی بھارت کے ۷۵ فیصد افراد مفلسی کے درجہ سے بھی نیچے کی زندگی گزار رہے ہیں۔ (روز نامہ نوائے وقت لاہور مورخہ ۱۷ ستمبر ۹۹ء)

پاکستان کی معاشی زبوں حالی:

پاکستان کی معاشی زبوں حالی کا اندازہ عالمی بنک آئی ایم ایف اور سٹیٹ بنک کی اس حالیہ

تشویش سے لگایئے جو روز نامہ نوائے وقت لاہور مورخہ ۲۰ ستمبر ۱۹۹۹ء میں نمائندہ خصوصی سکندر لودھی کے حوالے سے جلی سرخی میں شائع ہوئی ہے۔ اخبار لکھتا ہے:۔

''پاکستان اقتصادی طور پر کئی بنیادی مسائل سے دوچار ہونے کی وجہ سے بین الاقوامی اور مقامی طور پر ''ڈٹ ٹریپ'' میں آ گیا ہے اور اسے اب پہلے سے حاصل کردہ قرضوں کی واپسی کے لئے نئے قرضے حاصل کرنے پڑ رہے ہیں۔ اس صورت حال کی وجہ سے اس وقت پاکستان کے جی ڈی پی کا ۹۰ فیصد حصہ قرضوں کی واپسی پر خرچ ہو رہا ہے اور دوسری طرف سود کی ادائیگی کے اخراجات بھی دفاعی اخراجات سے ۳۵ ارب سے ۴۰ ارب روپے زائد بڑھ چکے ہیں۔ اس وقت پاکستان سالانہ ۱۷۰ ارب ۱۸۰ ارب روپے ملکی و غیر ملکی قرضوں کے صرف سود کی ادائیگی پر صرف کر رہا ہے۔ جبکہ پاکستان کے دفاعی اخراجات ۱۳۵ ارب روپے تک اس کے برعکس قومی بینکوں اور مالیاتی اداروں کے ڈیڑھ کھرب روپے سے زائد کے قرضے ساڑھے سات سو سے زائد بڑے بڑے صنعتکاروں، تاجروں، جاگیرداروں اور وڈیروں نے ہضم کر لئے ہیں۔ جن میں بالواسطہ اور بلاواسطہ طور پر کئی وزراء ممبر پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں کے اراکین بھی شامل ہیں۔ جن کی فہرست سٹیٹ بنک کی طرف سے پچھلے دنوں قومی اسمبلی کو بھی بھجوائی جا چکی ہے۔ اس صورتحال پر عالمی بنک' آئی ایم ایف' سٹیٹ بنک اور دیگر اہم مالیاتی اداروں کے حکام نے گہری تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ پاکستان کی حیثیت ان وجوہ کی بنا پر ''بیمار'' سے ''بیمار تر'' ہوتی جا رہی ہے جس کو دور کرنے کے لئے ٹیکسوں کے ریٹ میں کمی' ٹیکسوں کی بنیاد میں توسیع اور صدر سے لے کر وزیر اعظم اور ہر سطح پر اخراجات میں کمی ضروری ہے۔ ورنہ آنے والے چند برسوں میں ہی پاکستان میں مہنگائی' غربت' بیروزگاری' اخلاقی اور سماجی جرائم اور دیگر قومی مسائل میں حد درجہ اضافہ ہو جائے گا اور اس وجہ سے پاکستان میں عملاً غیر ملکی سرمایہ کاری آنی بند ہو جائے گی اور پہلے سے موجود صنعتیں اور کاروبار بند ہو جائے گا جس سے حکومت کو اپنے روز مرہ اخراجات کے لئے بیرونی ذرائع سے قرضہ کے حصول میں دشواریاں بڑھ جائیں گی ایک محتاط اندازے کے مطابق اس وقت پاکستان اندرونی و بیرونی طور پر ۴۳۷۸ ارب روپے سے زائد کا مقروض ہے جس میں ۲۳۵۰ ارب روپے سے زائد کا مقامی قرضہ اور ۲۰۲۸ ارب روپے سے

زائد مالیت کا بیرونی قرضہ بھی شامل ہے۔ اقتصادی ماہرین کے مطابق پچھلے دو تین برسوں میں پاکستان کے قرضوں کے بوجھ میں ۹ کھرب روپے سے زائد کا اضافہ ہوا ہے جبکہ فی کس آمدنی جو ۱۹۹۴/۹۵ء میں ۵۰۸ ڈالر تھی وہ ۹۹۔۱۹۹۸ء میں کم ہو کر ۴۸۳ ڈالر رہ گئی ہے اور غربت کی شرح جو ۱۹۹۰ء میں ۲۵ فیصد تھی ۱۹۹۹ء میں بڑھ کر ۸۹ فیصد ہو چکی ہے۔ اس طرح پاکستان کی ۹۸ فیصد آبادی مہنگائی اور غربت کی زد میں آچکی ہے۔ ماہرین کے مطابق اس وقت پاکستان کی آبادی ۱۴ کروڑ ۴۵ لاکھ سے زائد ہے جس میں صرف ۳ کروڑ ۸۶ لاکھ افراد برسر روزگار ہیں جبکہ بے روزگاری کے شرح جی ڈی پی کے مطابق ۶۱ فیصد سے بھی بڑھ چکی ہے۔ اس حساب سے پاکستان میں بے روزگار افراد کی تعداد ۸۲ لاکھ چار ہزار دو سو سے زائد ہو چکی ہے جن میں اکثریت گریجوایٹس اور پروفیشنلز اداروں کے فارغ التحصیل طلباء کی ہے۔''

اس کے بعد اس غربت و افلاس' بے روزگاری اور معاشی زبوں حالی کی اصل وجوہات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ جن کی تفصیل کے لئے مندرجہ بالا اخبار دیکھا جا سکتا ہے۔

ملک عزیز کے اندر افلاس' خستہ حالی اور بنیادی ضروریات سے عام محرومی کا نقشہ معروف دانشور اور کالم نگار صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی کے خوب صورت الفاظ میں قابل سماعت ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''۱۹۹۸ء کی ایک رپورٹ کے مطابق ہیومن ڈویلپمنٹ کے اعتبار سے پاکستان ۱۳۸ ویں نمبر پر ہے۔ جبکہ کنیڈا پہلے' فرانس دوسرے ناروے تیسرے' امریکہ چوتھے اور برطانیہ چودھویں نمبر پر ہے۔ چین ۳۵ نمبر پر ہے۔ ہیومن ڈویلپمنٹ کا مطلب ہے کہ کوئی معاشرہ صنعتی ترقی' معاشی انصاف' معاشرتی اقدار' انسانی حقوق کے معیار' روزگار کے مواقع اور دیگر بنیادی سہولیات کے لحاظ سے کس مقام پر کھڑا ہے۔ اب یہ کوئی انکشاف نہیں بلکہ معلوم حقیقت اور معروف مشاہدہ ہے کہ پاکستان کی صنعت اس وقت عالم نزع میں ہے۔ معاشی انصاف کی حالت یہ ہے کہ چالیس فیصد آبادی غربت کی انتہائی حد سے نیچے زندگی بسر کر رہی ہے۔ معاشرتی اقدار سخت بحران کی زد میں ہیں۔ انسانی حقوق کا معیار بہت پست ہے روزگار کے مواقع پر برسوں سے پابندی ہے۔ رہ گئیں دیگر بنیادی سہولیات تو ان کا ذکر دل دکھانے کو کافی ہے۔ ہسپتال بذات خود بیمار ہیں سکول ناکافی' سڑکیں خستہ اور ٹرانسپورٹ علیل ہے''(روزنامہ نوائے وقت لاہور مورخہ ۲۵

ستمبر ۹۸ء)

روز نامہ نوائے وقت مورخہ ۲۲ اپریل ۹۹ء کے اداریہ میں ایک خاص واقعہ کے حوالے سے ملکی معاشی صورت حال کا جو فکر انگیز مفصل اور مبنی بر حقیقت تجزیہ کیا گیا ہے وہ بھی قابل مطالعہ ہے۔

دوسرے اسلامی ممالک کی اقتصادی پسماندگی:

اسلامی ممالک میں بعض ملکوں مثلاً سعودی عرب اور کویت وغیرہ کو بلا شبہ امیر ملکوں میں شمار کیا جاسکتا ہے۔تاہم اسلامی ممالک کی اکثریت مثلاً بنگلہ دیش، افغانستان، سوڈان، صومالیہ وغیرہ میں لوگ بری طرح غربت و افلاس کا شکار ہیں۔اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی ایک رپورٹ کے مطابق دنیا میں ۳۶ ایسے ممالک ہیں جن میں معاشی ترقی کی سطح سب سے کم ہے۔ان ممالک کو کم سے کم ترقی یافتہ یا غریب ترین ممالک کہا جاتا ہے۔ان ۳۶ ملکوں میں سے آدھے یعنی ۱۸ ملکوں کا تعلق عالم اسلام سے ہے جن میں بیشتر افریقی ممالک ہیں۔ان ممالک میں اوسط فی کس قومی آمدنی کوئی ۲۸۰ امریکی ڈالر سالانہ ہے۔ان ممالک میں کم سے کم فی کس قومی آمدنی ۸۰ ڈالر سالانہ (چاؤ) سے لے کر زیادہ سے زیادہ پانچ سو امریکی ڈالر سالانہ تک ہے۔ان ممالک کی مجموعی آبادی دنیا بھر کے غریب ممالک کی کل آبادی کا تقریباً دو تہائی (۶۶ فیصد) ہے۔اسلامی ممالک کی اندازاً ایک تہائی آبادی انہی غریب ترین ملکوں میں آباد ہے۔

(تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو مقالہ ''اسلامی ممالک کی پسماندگی۔اسباب و علل'' از پروفیسر اوصاف احمد مطبوعہ سہ ماہی بحث ونظر علی گڑھ انڈیا۔شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۲ء)

غربت وافلاس کا سبب:

محترم سامعین! آپ ایک چیز کو مجھ سے زیادہ جانتے ہیں اور ''عیاں راچہ بیاں'' کے مصداق راقم کے نزدیک اہل علم و دانش کی اس مجلس میں نہ تو قرآن و حدیث سے لمبے چوڑے دلائل پیش کرنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی اس کے لئے وقت ہے۔وہ یہ کہ خالق کائنات نے انسان کو پیدا کر کے اور اس کی فطرت میں کھانے پینے کے تقاضے رکھ کر اسے یوں ہی اس کے اپنے حال پر نہیں چھوڑ دیا بلکہ اس نے محض

لطف وکرم سے اس کے رزق کا بھی ذمہ لیا ہے۔ پھر اس رزق کی فراہمی کے لئے اس نے کمال حکمت اور عجیب وغریب انداز میں زمین میں ایسی صلاحیت اتنی برکت' اتنے وسائل اور اتنے خزانے رکھ دیئے ہیں کہ قیامت تک پیدا ہونے والے دنیا بھر کے انسان ہی نہیں روئے زمین کے تمام حیوانات سے بھی ختم نہیں ہوں گے۔ صرف اسی پر اکتفا نہیں بلکہ اس رزق مطلق نے تو سارا نظام کائنات ہی انسان کی اس خدمت پر مامور فرما رکھا ہے۔ چنانچہ شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے فرمایا تھا:۔

ابرو بادومه وخورشید در کارند

تاتونانے بکف آری و بغفلت نه خوری

مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم کے الفاظ میں تو یہ سارا نظام کائنات ہی ''نان بکف آری کا نظام'' ہے البتہ ان لاتعداد وسائل معاش یا وسائل رزق کی منصفانہ تقسیم کا کام خود حضرت انسان کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ تاریخ انسانی کے کسی بھی دور میں یا اس وقت روئے زمین پر اگر کوئی آدمی رزق اور بنیادی ضروریات سے محروم ہے تو اس کا مطلب ہے وافر مقدار میں خداداد وسائل معیشت رزق کی تقسیم کے نظام میں انصاف نہیں ہو رہا۔ عام غربت و افلاس کے بہت سے اسباب ہو سکتے ہیں مگر ان میں سب سے بڑا سبب وسائل دولت اور اسباب معیشت کے تقسیم کنندگان وہ ظالم' لٹیرے' قارونِ صفت' حریص اور غاصب ہیں جو محروم المعیشت اور کمزور لوگوں کا حق مارے بیٹھے ہیں۔ یہی حرص ولالچ' ناانصافی اور استحصال معیشت کے میدان میں ''ام الخبائث'' یا ''ام الامراض'' ہے۔ جو بیشمار خرابیوں کی بنیاد اور جڑ ہے۔ آج سے کوئی چودہ سو سال قبل درس گاہ نبوی اور صحبت نبوی ﷺ کے تعلیم وفیض یافتہ حیدر کرار حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ نے اسی چیز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اہل ثروت پر ان کے مالوں میں اپنے معاشرے کے فقراء اور مساکین کی معاشی حاجات کو بدرجہ کفایت پورا کرنا فرض قرار دیا ہے۔ چنانچہ یہ فقیر لوگ اگر بھوکے ننگے یا معاشی تنگی میں مبتلا ہوتے ہیں تو اس لئے کہ اہل ثروت نے ان کے حق یا ان کے حصے کے وسائل رزق کو روک لیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ یہ امرِ لازم ٹھہرا رکھا ہے کہ بروز قیامت وہ ان اہل ثروت کا محاسبہ فرمائے گا اور فقراء

کی اس حق تلفی پر انہیں عذاب دے گا۔(۱)

کوئی بڑے سے بڑا ماہر اقتصادیات یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ آج زمین پر جتنی پیداوار ہے اس سے زیادہ آبادی ہے۔ کیونکہ اللہ کریم نے (جیسا کہ پیچھے عرض کیا گیا) جس انسان کو پیدا کیا ہے اس کے رزق کا بھی وافر مقدار میں سامان کیا ہے۔ مگر آج انسان کی خواہشات اور ہوس اتنی بڑھ چکی ہے کہ وہ چاہے ایک سیر نہ کھا سکے مگر اپنے پاس ایک من دیکھنا چاہتا ہے۔ یہ آنکھوں کی ہوس کبھی پوری نہیں ہو سکتی اس ہوس کو بجوائے حدیث نبوی قبر کی مٹی ہی پورا کرے گی۔(۲)

مشہور مصری ادیب مصطفیٰ لطفی منفطوطی نے اپنا ایک عجیب اور سبق آموز واقعہ لکھا ہے۔ کہتے ہیں:

''میں اپنے ایک مالدار دوست کو ملنے گیا اور وہ اپنے قیمتی پلنگ پر پڑا پیٹ کے شدید درد میں مبتلا کروٹیں لے رہا تھا۔ میں نے وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ آج لذیذ کھانا پکا ہوا تھا ضرورت سے زیادہ کھا لیا اس لئے شدید درد میں مبتلا ہوں۔ میں جھٹ ڈاکٹر کے پاس گیا اور دوائی لایا جس سے اسے آرام آ گیا تھا۔ واپسی پر میں ایک غریب دوست کے گھر گیا تو وہ بھی پیٹ درد میں مبتلا تھا۔ وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ کئی دن سے بھوکا ہوں اور یہی بھوک پیٹ درد کی وجہ ہے میں جھٹ تندور سے روٹی لایا جسے کھا کر وہ ٹھیک ہو گیا اس کے بعد لکھتے ہیں کاش میرے مالدار دوست نے اپنے ضرورت سے زیادہ کھانا میرے غریب دوست کو دیا ہوتا تو دونوں کے دردِ شکم کا علاج ہو جاتا۔

وہ مزید لکھتے ہیں: آسمان بارش برسانے میں بخل نہیں کرتا نہ زمین غلہ اگانے میں بخل کرتی ہے البتہ طاقتور کمزوروں کے پاس یہ چیزیں دیکھ کر جل جاتے ہیں۔ وہ ان چیزوں کے غریبوں تک پہنچنے کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں جس کے نتیجے میں محتاج اور پریشان حالی کا شکوہ کرنے والوں کا ایک طبقہ وجود میں آ جاتا ہے۔ دراصل غریب کا حق دبانے والے سرمایہ دار ہیں نہ کہ زمین و آسمان۔(۲ الف)

ڈاکٹر محبوب الحق ہیومن ڈویلپمنٹ سینٹر اسلام آباد کی تیار کردہ ۱۹۹۹ء کی دو سو آٹھ صفحات پر مشتمل سالانہ رپورٹ میں جس کا عنوان ہے ''جنوبی ایشیاء میں حکمرانی کا بحران'' یہ روح سما اور کرب انگیز انکشاف کیا

۱۔ ابن حزم المحلی جلد ۳ ص ۴۵۵ طبع مصر (تحت مسئلہ نمبر ۷۲۵)

۲۔ مشکوۃ المصابیح (کتاب الرقاق) ص: ۴۵۰ طبع کراچی

گیا ہے کہ اربوں روپے کرپشن اور لوٹ مار کے ذریعے ہر سال جنوبی ایشیاء کے سات ممالک کے غرباء کے منہ سے نوالے چھین کر باہر بھیج دیے جاتے ہیں جن لوگوں کے منہ سے یہ نوالے چھینے جاتے ہیں ان کا اپنا حال یہ ہے کہ ان میں سے ۴۲فیصد ایسے ہیں جو کہ خط غربت یعنی Poverty Line سے بھی نیچے اور ایک امریکی ڈالر یومیہ سے بھی کم آمدنی پر زندگی کی جدوجہد میں ساری عمر مصروف رہ کر دم توڑ دیتے ہیں۔صرف پاکستان سے ہر سال ۱۰۰بلین کرپشن کے ذریعے حاصل کر کے باہر بھیج دیے جاتے ہیں۔قومی پیداوار کے حوالے سے اگر اس علاقے کی فی کس آمدنی دیکھی جائے تو لوگوں کی حالت اتنی خراب نہیں ہونی چاہیے جتنی کہ فی الحقیقت ہے۔ رپورٹ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ بہت بڑی بڑی رقوم کی لوٹ اور کرپشن کے ذمہ دار جنوبی ایشیائی ممالک ہیں اکثر حکومتوں کے صدر، وزیراعظم، بڑے بڑے بیوروکریٹ سیاستدان اور ارکان پارلیمنٹ ہیں۔(روزنامہ نوائے وقت لاہور مورخہ ۳۔اکتوبر ۹۹ء مضمون ''معاشی افق'' از ایم آفتاب)

خیر بات ہو رہی تھی وافر مقدار میں وسائل رزق اور پیداوار کی تو وقت کی تنگی کے پیش نظر ہم آپ کو قرآن حدیث کے بے شمار دلائل کی بجائے اس وقت W W F کی ایک تازہ رپورٹ سناتے ہیں کیونکہ بالعموم ہمارا رویہ بھی یہی ہے کہ شرعی دلائل کی بجائے ہم اس قسم کے جدید اداروں کی رپورٹوں پر زیادہ یقین رکھتے ہیں۔ چنانچہ وطن عزیز کے معروف کالم نویس منو بھائی کے روزنامہ جنگ لاہور مورخہ ۱۰ر ستمبر ۹۹ء میں اپنے کالم ''گریبان'' کے اندر لکھا ہے کہ:

''۹ کے پانچ ہندسوں والی تاریخ (۱۹۹۹۔۹۔۹) کو ڈبلیو ڈبلیو ایف (W W F) کی طرف سے جاری ہونے والی ایک رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ اس وقت دنیا کی آبادی پانچ ارب تہتر کروڑ سات لاکھ (5730700000) سے بڑھ چکی ہے۔اس پونے چھ ارب کی انسانی آبادی کے لئے اجناس اور گوشت ایک ارب ۳۱ کروڑ ۵۱ لاکھ ٹن کی مقدار میں موجود ہے اور ۹ کروڑ ۱۰ لاکھ ٹن مچھلی دستیاب ہے مگر دنیا کا قدرتی ماحول یعنی زندگی کے لوازمات، کثرت استعمال، ناجائز استعمال بدنظمی اور بدانتظامی کی وجہ سے نہایت تیزی سے زوال پذیر ہیں۔ چنانچہ آنے والی نسلوں کے لئے بے شمار مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں۔۔۔

گندم اور چاول اہم ترین خوردنی اجناس ہیں ان کی ایک تہائی دودھ اور گوشت فراہم کرنے

والے مویشیوں اور جانوروں کی خوراک بنتی ہے اور دو تہائی کے قریب انسانی خوراک کے طور پر استعمال ہوتی ہیں۔ اس وقت یہ فصلیں سالانہ دو ارب ٹن کی مقدار میں پیدا کی جارہی ہیں اور اگر پوری دنیا کی آبادی میں برابر کی تقسیم کی جائیں تو ہر انسان کو سالانہ 330 کلوگرام خوراک فراہم ہوسکتی ہے جو کہ کسی بھی صحت مند انسان کی زندگی برقرار رکھنے کے لئے کافی ہے مگر کیا ایسا کوئی انتظام ہوسکتا ہے؟؟ (روزنامہ جنگ لاہور مورخہ 10 دسمبر 1999ء (کالم گریبان از منو بھائی)

پاکستان کے معروف ادیب اور شاعر احمد ندیم قاسمی نے اپنے کالم (روزنامہ جنگ لاہور مورخہ 27 دسمبر 1995ء) میں ایک انگریزی اخبار جس کا نام نہیں لکھا گیا' میں شائع ہونے والے مضمون کے حوالے سے یہ روح فرسا انکشاف کیا تھا کہ ''۳۵ ہزار انسان ہر روز فاقے میں مر جاتے ہیں'' پھر یہ لرزہ خیر انکشاف کیا گیا تھا کہ ''کرہ ارض کے اسی (۸۰) کروڑ انسانوں کو مناسب مقدار کی خوراک میسر نہیں ہے اور اسی کروڑ کا مطلب یہ ہے کہ کرہ ارض پر پیدا کیا جانے والا ہر ساتواں شخص فاقہ زدہ یا نیم فاقہ زدہ ہے'' اس کے بعد زمین سے پیدا ہونے والے وافر مقدار میں اناج کے متعلق لکھتے ہیں کہ ''اگر کرہ ارض پر پیدا کیا جانے والا اناج برابر تقسیم کیا جائے تو ہر فرد کے حصے میں ایک کلو اناج کی پیداوار کا اندازہ ایک سو نوے کروڑ ٹن ہے۔ اور یہ اندازہ اقوام متحدہ کے ادارہ خوراک نے لگایا ہے۔ اسی طرح اس ادارے کا اندازہ ہے کہ اس سال دس کروڑ ٹن مچھلی پکڑی جائے گی جسے اگر مساوی تقسیم کرنے کا بندوبست ہو جائے تو ہر بچے، ہر عورت اور ہر مرد کے حصے میں ہر ہفتے ایک تہائی کلو مچھلی دستیاب ہوسکتی ہے۔ اسی طرح پھل، سبزی، گوشت اور دودھ بھی اگر برابر برابر تقسیم ہوں تو ہر فرد کے حصے میں معقول مقدار آئے گی۔

مسئلہ کا حل۔ سیرت طیبہ کی روشنی میں

عام غربت وافلاس کا بنیادی سبب خواہ کچھ بھی ہو، چونکہ یہ فطری وطبعی طور پر انسان کا واقعی اور ناگزیر مسئلہ ہے اس لیے اسے جس طرح ہر زماں اور ہر مکاں میں بڑی اہمیت حاصل رہی ہے اسی طرح آج بھی یہ پوری دنیا کا اہم ترین مسئلہ ہے۔ اسی مسئلہ کے حل کے لئے دانشوروں' مفکرین اور اہل حل وعقد نے اپنے انسانی عقل وفہم کے مطابق کئی معاشی اور اقتصادی نظام وضع کر کے تجربات کیے ہیں مگر محدود اور

طبعی طور پر خود غرضی کا شکار انسانی ذہن اب تک دنیا کے اس ناگزیر اور اہم ترین مسئلے کا معقول، قابل قبول منصفانہ اور کامیاب حل پیش نہیں کر سکا۔ ان ایجاد بندہ اقتصادی نظاموں کا تجزیہ اس وقت ممکن نہیں البتہ اتنی بات اظہر من الشمس ہے کہ ان نظامہائے معیشت نے دنیا کے اس لازمی مسئلے کو حل کرنے کی بجائے الٹا الجھایا اور غربت وافلاس کے مارے لوگوں کے دکھوں میں مزید اضافہ کیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی"

انسان کے اس لابدی مسئلے کے حل کے لئے ایک نظام اس رحمٰن ورحیم وکریم رب کائنات نے بھی دیا ہے جو ایک تو انسان کا خالق مالک اور رازق ہے دوسرے ہر قسم کے نقص عیب اور خود غرضی سے منزہ ہے۔ جس کے نفاذ کے لئے اس نے اپنے اس محبوب اور خاتم النبین نبی محتشم ﷺ کو مبعوث فرمایا جسے رحمۃ للعالمین، رؤف، رحیم اور کریم کے القاب سے نوازا، جن کے قلب اطہر میں انسانیت کا درد کوٹ کوٹ کر بھر دیا گیا اور جنہیں مؤمنین کا ان کی اپنی ذاتوں سے بھی زیادہ خیرخواہ بنایا گیا۔

یا رب تو کریمی ورسول تو کریم
صد شکر کہ ہستیم میانِ دو کریم

"اس نبی رحمت کی تعلیمات وہدایات اور اسوۂ حسنہ معاشی خوشحالی کی ضمانت مہیا کرتا ہے۔

تھوڑی دیر کے لئے دینی وایمانی تقاضے سے ہٹ کر اگر خالصا دنیوی اور مادی نقطہ نگاہ سے بھی دیکھا جائے اور تاریخ اسلامی پر نظر ڈالی جائے تو واقعات وشواہد یہی بتاتے ہیں کہ دنیا میں ظلم و ناانصافی، اقتصادی ترقی و معاشی خوشحالی کی بجائے عام بھوک وافلاس اور تنگدستی، خود ساختہ استحصالی اور غیر منصفانہ قانون، غیر فطری حد تک معاشی ومعاشرتی تفاوت وعدم توازن جیسی بنیادی اور ننگ انسانیت خرابیوں کو ختم کرنے اور دنیا میں ہمہ جہتی خیر وبھلائی، دنیوی اور اخروی سعادتوں اور فوز وفلاح کے حصول کیلئے بھی سیرت طیبہ اسوہ حسنہ اور تعلیمات وہدایات نبوی ﷺ کی پیروی ضروری ہے جس کی طرف شاعر مشرق علامہ محمد اقبالؒ نے یوں توجہ دلائی تھی"

مقام خویش اگر خواهی دریں دیر

بحق دلبند و راہ مصطفی رو

انسانی تاریخ اس امر پر گواہ ہے کہ انسانی معاشرے میں معاشی و معاشرتی عدل و انصاف اور استحکام رب کریم کے پسندیدہ یا مقرر کردہ دین (۳) (نظام زندگی) کے کلی اور ہمہ جہتی نفاذ کے بغیر ممکن نہیں ہے (۴) جسے اس نے اپنے برگزیدہ اور منتخب نفوس قدسیہ انبیاء کرام علیہم السلام کی معرفت انسانیت کی دنیوی واخروی فلاح کے لئے عنایت فرمایا (۵) اور جس کی تکمیل اس نے اپنے آخری پیغمبر رحمت دو عالم حضرت محمد مصطفی علیہ التحیۃ و السلام کے ذریعے فرمادی (۶) قرآن مجید کی رو سے معاشی خوشحالی' اقتصادی ترقی اور دنیوی و مادی برکات کے حصول کے لئے خلق خدا کے حقیقی خیرخواہ طبقہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کی پیروی ضروری ہے (۷) پھر یہ بھی عقلاً ضروری ہے کہ مطلوبہ نتائج کے حصول کے لئے اس کے واسطے متعین راستوں کو اپنایا جائے۔

ترجو النجاۃ ولم تسلک مسالکھا - ان السفینۃ لا تجری علی الیبس

ورنہ" ترسم کایں راہ مے روی بکعبہ نرسدا ے اعرابی والی بات ہوگی۔

ہمارا اس بات پر پختہ ایمان اور یقین ہے کہ انسان جب تک اللہ کریم کے آخر الزمان اور رحمۃ للعالمین نبی ﷺ کے آستانہ پر نہیں جھکے گا دنیا میں طرح طرح کے مصائب وآلام اور مسائل کا شکار رہے گا۔ وہ زندگی میں امن وسکون معاشی عدل وانصاف کبھی نہیں پا سکے گا۔ دنیا اس سراج منیر سے جب تک روشنی حاصل نہیں کرے گی مختلف قسم کی تاریکیوں میں ٹامک ٹوئیاں مارتی رہے گی اور جب تعلیمات و ہدایات نبوی پر عمل پیرا نہیں ہوگی ہمہ جہتی فوز وفلاح کی مبارک منزل سے دور رہے گی۔ تو اب آیئے اس سراج منیر کی ضیا

---

۳ الف۔ بحوالہ ڈاکٹر نور محمد غفاری: اسلام کا معاشی نظام ص: ۲۷۰ طبع مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور

۳۔ سورہ آل عمران: ۱۹

۴۔ سورہ البقرہ: ۸۵-۲۰۸

۵۔ سورہ الشوری: ۱۳ سورۃ النساء: ۱۶۳-۱۶۵

۶۔ سورہ المائدہ: ۳

۷۔ سورہ المائدہ: ۶۶، سورہ الاعراف: ۹۶

پاشیوں انوار محمدی اور اسوۂ رسول کی روشنی میں ساری دنیا خصوصاً پاکستان کو درپیش غربت وافلاس کے گھمبیر مسئلے کا حل تلاش کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سلسلے میں تعلیمات و ہدایات محمدیہ میں کسی ایک پر بھی خلوص نیت سے عمل کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ مسئلہ حل نہ ہو۔

محنت وروزگار کا فروغ:

حضرات گرامی! آپ کو بخوبی معلوم ہے کہ دولت پیدا کرنے کا ایک اہم' اولین' بنیادی اور کلیدی ذریعہ یا عامل انسان کی ذاتی محنت بھی ہے جس کے بغیر بہت سے خام حالت میں خزائن الٰہی قابل منفعت نہیں بن سکتے۔ ہمارے معاشرے میں عام غربت وافلاس تنگ حالی اور آمدنی و پیداوار میں کمی کا ایک سبب اس ذریعہ دولت (محنت) سے جی چرانا ہے۔ یہ محنت سے جی چرانا کچھ تو ذاتی سستی' کاہلی اور لاپرواہی کے باعث ہوتا ہے مگر زیادہ تر اس کا باعث محنت ذریعہ جسمانی کے طور پر پیشہ اختیار کرنے اور ہاتھ سے کام کرنے کو حقیر ومعیوب سمجھنا ہے اور یہ سوچ شاید ہندوانہ تہذیب ومعاشرت کے ساتھ زیادہ دیر قرب کی وجہ سے پیدا ہوئی جبکہ یہ دونوں باتیں عقلاً ونقلاً انسان کے لئے نقصان دہ ہیں۔ مقام غور ہے کہ اگر خالق کائنات نے انسان کے ساتھ ایک پیٹ لگایا ہے تو اس نے اس کو بھرنے کے لئے دو ہاتھ دو پاؤں جسمانی قوت سوجھ بوجھ اور دوسری مخلوق کے برعکس اسے عقلی ودماغی صلاحیتیں بھی عطا فرمائی ہیں جنہیں کام میں لاکر زمین میں پھیلے ہوئے بے شمار رزق الٰہی کو بآسانی تلاش کیا جاسکتا ہے۔ غالباً اسی لئے ارشاد الٰہی ہوا:۔

﴿ھو الذی جعل لکم الارض ذلولاً فامشوا فی مناکبھا و کلوا من رزقه﴾(۸)

''وہ خالق وہی ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے مسخر کردیا۔ سو تم اس کے راستوں میں چلو پھرو اور اس کے عطا کردہ رزق میں سے کھاؤ''۔

محنت کے حوالے سے جب ہم سیرت نبوی ﷺ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ محنت و مزدوری کو جو عزت جو حوصلہ افزائی اور قابل رشک حد تک جو مرتبہ ومقام آپ ﷺ نے بخشا اس کا وجود روئے زمین پر نہ آپ کی تشریف آوری سے قبل تھا نہ آج کی متمدن ومہذب اور بزعم خویش حقوق انسانی کی

۸۔ سورہ الملک: ۱۵

علمبر دار دنیا میں پایا جاتا ہے۔محنت ومزدوری ہاتھ سے کما کر کھانے کو آپ کس قدر و منزلت سے دیکھتے تھے اور اس کی دنیوی و اخروی برکات و درجات کیا ہیں اس کے لئے کثرت کتب حدیث میں موجود ''باب طلب کسب الحلال'' کا مطالعہ کافی ہے۔آپ ﷺ نے بچپن میں مکہ مکرمہ کے مقام جیاد پر خود بکریاں چرا کر چرواہوں کو عزت بخشی اور بعد میں نہ صرف اس کا فخریہ اظہار فرمایا بلکہ ذہنی اصلاح کے لئے امت کو یہ بھی بتایا کہ بکریاں چرانا کوئی معیوب اور حقیر پیشہ نہیں بلکہ یہ وہ معزز پیشہ ہے جسے ہر نبی محتشم نے اختیار فرمایا(۹)

ہاتھ سے کما کر کھانے کی ترغیب دیتے ہوئے نبی پاک ﷺ نے فرمایا:۔

''ہاتھ سے کما کر کھانے سے بہتر کوئی کھانا نہیں ہوسکتا اور (یہی وجہ ہے کہ) اللہ کے نبی حضرت داؤدؑ (بادشاہ ہونے کے باوجود) ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے(۱۰)

ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا:۔

''تم میں سے کسی ایک کا اپنی پیٹھ پر لکڑیوں کا گٹھا اٹھانا یعنی لکڑیاں بیچ کر کمانا اس بات سے کہیں بہتر ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرے۔پھر اسے کوئی دے یا نہ دے(۱۱)

محنت کے لئے نبی اکرم ﷺ کی اسی قسم کی بے شمار تعلیمات و ترغیبات کو دیکھتے ہوئے مولانا الطاف حسین حالی نے یوں خراج عقیدت پیش کیا تھا:

۹۔ (الف) ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری الجامع الصحیح: ۱: ۳۰۱ طبع دھلی - کراچی

(ب) محمد ابن سعد 'الطبقات الکبری' ۱: ۱۲۵ - ۱۲۶ طبع بیروت

(ج) احمد عبدالرحمن البناء. الفتح الربانی ترتیب مسند احمد: ۲۰: ۱۹۴ طبع قاهره

(د) حافظ ابن حجر عسقلانی 'فتح الباری شرح بخاری: ۴: ۱۹۴ 'طبع لاهور' ۱۹۸۱ء

(ہ) علی بن برهان الدین حلبی: سیرت حلبیه: ۱: ۲۱۵ 'طبع مصر

(و) بدرالدین عینی: عمدة القاری شرح بخاری': ۱۲: ۸۰ طبع بیروت

(ز) حافظ نور الدین هیثمی: مجمع الزوائد و منبع الفوائد: ۹: ۲۲۱ طبع قاهره

۱۰۔ مشکوة المصابیح' ص: ۲۴۱ طبع کراچی' صحیح بخاری (کتاب البیوع): ۱: ۲۷۸ طبع کراچی

۱۱۔ صحیح بخاری (کتاب البیوع) ج: ۱'ص: ۱۹۹/۲۷۸ (کتاب الزکوة)

غریبوں کو محنت کی رغبت دلائی، کہ بازو سے اپنے کرو تم کمائی
خبر تا کہ لو اس سے اپنی پرائی، نہ کرنا پڑے تم کو در در گدائی

محنت کی نقد دنیوی برکات تو ہیں ہی جس سے کسی کو انکار نہیں نبی اکرم ﷺ نے تو اس کا بہت سا اخروی ثواب بھی بتایا ہے۔ یوں شریعت محمدیہ میں محنت ''ہم خرما و ہم ثواب'' کا درجہ رکھتی ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تاریخ میں متعدد ایسے ائمہ فقہاء کرام مفسرین محدثین کے نام ملتے ہیں جو اپنے اپنے آباؤ اجداد کی بنسبت اپنے معمولی پیشوں کے حوالے سے زیادہ معروف ہیں۔ مثلاً امام غزالی، امام جصاص، امام بزاز، امام قدوری وغیرہ۔ نبی اکرم ﷺ نے خود بھی جیسا کہ اوپر گزرا محنت مزدوری کو کبھی عار نہ سمجھا تعلیم امت کے لئے ہاتھ سے کما کر کھانے والوں کی عزت افزائی بھی فرمائی۔ اس سے بڑھ کر محنت مزدوری کی حوصلہ و عزت افزائی کیا ہو سکتی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ایک مزدور صحابی کے ہاتھوں کو اپنے لب ہائے مبارک سے بوسہ دیا اور فرمایا ''یہ وہ ہتھیلیاں ہیں جنہیں اللہ محبوب رکھتا ہے۔(۱۲)

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: یہ وہ ہاتھ ہے جسے آگ نہیں چھوئے گی۔(۱۳)

پاک نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم پر نازل ہونے والی پاک کتاب نے ہمیں یہ ترغیب بھی دی ہے کہ اگر کسی جگہ بوجوہ محنت و روزگار کے حصول کے مناسب اور معقول مواقع نہ ہوں تو اللہ کی وسیع زمین میں کسی دوسری جگہ ہجرت کر جاؤ اللہ کریم تمہیں وہاں خوشحالی اور وسعت عطا فرمائیں گے۔(۱۴)

سیرت طیبہ علی صاحبھا الصلوۃ والسلام سے ہر مؤمن کو یہ سبق ملتا ہے کہ وہ قوت بازو اور اپنی خداداد جسمانی و دماغی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر زمین پر پھیلے ہوئے رزق الٰہی میں سے اپنی پسند کے مطابق شرعاً جائز ذرائع سے اپنی اور اپنے بال بچوں کی معاش کا اہتمام کرے۔ اس سلسلے میں وہ آزاد ہو گا اس راہ میں پیش آنے والی ہر رکاوٹ کو نہ صرف دور کیا جائے گا بلکہ اسلامی ریاست اس کے لئے روزگار کے مواقع

۱۲۔ الف) سرخسی، المبسوط: ۳۰:۲۴۵ طبع مصر

(ب) ابن حجر عسقلانی: الاصابہ فی تمییز الصحابہ (ترجمہ حضرت سعد انصاری)

۱۳۔ ابن اثیر الجزری: اسد الغابہ: ۲:۲۶۶ (ترجمہ حضرت سعد انصاری) طبع طھران

۱۴۔ سورہ النساء: ۱۰۰

مہیا کرے گی۔ جیسا کہ خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ایک بے روزگار نوجوان کی وقتی طور پر مدد کرنے کی بجائے اس کا کمبل اور پیالہ بولی میں دو درہم کا فروخت کیا۔ ایک درہم سے اس کے اہل خانہ کے لئے کھانے پینے کا سامان اور دوسرے سے کلہاڑی خرید کر اور خود دست نبوت سے اس میں دستہ لگا کر اسے لکڑیاں کاٹنے اور بازار میں بیچنے کے کاروبار پر لگایا۔ (۱۵)

ایثار وانفاق مؤاخات کی تلقین:

آپ جانتے ہیں کسی بھی انسانی معاشرے میں لوگوں کے درمیان معاشی تفاوت کا پایا جانا یعنی بعض کا صاحبِ ثروت و دولت اور امیر و غنی ہونا بعض کا ضرورت مند اور غریب و مفلس ہونا ایک فطری امر ہے اور اس میں بفحوائے قرآن مجید کئی تکوینی مصلحتیں پوشیدہ ہیں (۱۶) مگر ہم خالق کائنات کے تکوینی نظام کی بجائے اس کے آخری رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے عطا کردہ تشریعی نظام کے مکلّف ہیں۔ چنانچہ شریعت محمدیہ جو دین فطرت ہے درجات معیشت میں سوشلزم کی طرح غیر فطری مساوات کی تو قائل نہیں البتہ اس نے ''حق معیشت'' میں بغیر کسی تفریق کے جملہ انسانوں کو برابر قرار دیا ہے۔ اس کیلئے اس نے بالعموم خوشدلانہ رضا کارانہ، برادرانہ مؤاخات یعنی باہمی ہمدردی و غمخواری کی تعلیمات و جذبات سے کام لیا ہے۔ اس لئے غربت و افلاس کا مسئلہ زیادہ تر تو شریعت محمدیہ کی انہی بے نظیر و بے مثال اور مؤثر تعلیمات سے حل ہو جاتا ہے باقی کسر قانون کی مدد سے نکال لی جاتی ہے۔ سیرت نبوی میں اس کی سب سے بڑی مثال سرکار دو عالم ﷺ کا وہ معاہدہ مؤاخات ہے جو آپ ﷺ نے اجڑے پجڑے مہاجرین مکہ اور انصار مدینہ کے درمیان قائم فرمایا تھا۔ جس کی مدد سے آنجناب ﷺ نے مہاجرین کی رہائش خوراک اور کاروبار کا مسئلہ فوری طور پر اتنی آسانی سے حل فرمایا کہ دنیا آج تک انگشت بدنداں ہے۔ اسلام اولاً اپنی اخلاقی تعلیمات کے ذریعے امارت و غربت کے طبقاتی احساس کو مٹا کر اخوت و بھائی چارے ہمدردی و غمخواری کا ماحول پیدا کرتا ہے۔ اسلام ایسے انسانی معاشرے کا خواہاں ہے جس میں معذور و ذی استطاعت اور غربا و امرا میں باہمی تکافل و تعاون ہمدردی کی ایسی فضا قائم رہے کہ جس میں کسی غریب

۱۵۔ مشکوۃ المصابیح ص :۱۶۳ (باب من لا تحل له المسئله) طبع کراچی

تنگدست کو اپنی غربت وافلاس کا احساس ہی نہ ہونے پائے اور اس طرح پورا معاشرہ ایک خاندان کے چھوٹے بڑے افراد کی مانند جن میں بعض تھوڑا اور بعض زیادہ کمانے والے ہوتے ہیں بعض بوجوہ کمانے سے بالکل معذور ہوتے ہیں' باہم مل جل کر پیار ومحبت اطمینان وسکون سے زندگی گزارے۔ یہ بات عدل و انصاف اور اسلام کے مزاج کے خلاف ہے کہ کچھ لوگ تو ضروری خورد ونوش لباس تعلیم علاج معالجہ کی بنیادی ضروریات سے بھی محروم ہوں اور ساتھ ہی ایک طبقہ عیش وعشرت فضول خرچیوں اور اپنے اللوں تللوں سے ان غربت کے مارے لوگوں نے زخموں پر مزید نمک چھڑکے۔ ایک اسلامی معاشرے میں اس امر کی قطعاً گنجائش نہیں کہ صورت حال کچھ یوں ہو کہ

ہے اِدھر بھی آدمی ' ہے ادھر بھی آدمی
اِس کے جوتے پر چمک اُس کے چہرے پر نہیں

اس لئے قرآن مجید میں مکی دور کے اندر ہی غرباء ومساکین اور محروم المعیشت لوگوں کی معاشی حالت کو بہتر بنانے اور انہیں معاشی فکر سے مطمئن کرنے کے لئے دفعات یعنی احکامات اور ہدایات اترنا شروع ہوگئیں۔ قانون نافذ کرنے سے قبل ترغیبی اور تشویقی انداز میں صاحبِ حیثیت حضرات کو دلنشین انداز میں ایثار وانفاق کی تلقین کی گئی۔ انہیں ذہنی وقلبی طور پر غرباء کی رضا کارانہ مالی امداد وتعاون پر ابھارا گیا۔ کیونکہ جب تک کسی معاشرے میں ذہنی اور دل کی تبدیلی نہیں آجاتی اس وقت تک اس میں کوئی تبدیلی رونما اور انقلاب بپا کرنا آسان نہیں ہوتا۔ دلوں کی تبدیلی کا مطلب یہ ہے کہ دل ودماغ پر اس ذمہ داری کا احساس چھایا ہوا ہو جو رب العالمین کا نائب اور سارے جہانوں کے پالنے والے کا خلیفۃ اللہ فی الارض ہونے کی حیثیت سے ہم پر لازم ہے۔ پروردگار عالم کا خلیفہ اور اشرف المخلوقات ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ ہمارا یہ احساس ذمہ داری ایسا بیدار ہو کہ ایک حدیث نبوی کے مطابق ہم ہر غریب ومفلس کی غربت وافلاس کی ٹیس اور چبھن اس طرح محسوس کریں جس طرح ایک عضو بدن میں تکلیف سے سارا جسم تکلیف محسوس کرتا ہے۔(۱۷) جب ہم کسی غریب ومفلس کو دیکھیں تو ہمارا خواب وخور حرام ہو جائے۔

۱۶۔ سورہ الانعام' آخری آیت. سورۃ الزخرف:۳۲

۱۷۔ مشکوۃ المصابیح ص :۴۲۲ طبع سعید کمپنی کراچی

حضرت جریرؓ سے مسلم شریف کی یہ روایت مروی ہے کہ قبیلہ مضر کے کچھ لوگ جب ننگے پاؤں ننگے جسم اور پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس نبی رحمت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو "**فتغیر وجه رسول** ﷺ" یعنی ان کی یہ خستہ حالی دیکھ کر آپ کا چہرہ انور متغیر ہو گیا اور آنجناب صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو اس وقت تک چین نہیں آیا اور اس وقت تک آپ کے چہرہ انور پر بشاشت کے آثار نمودار نہیں ہوئے جب تک کہ ان کی اس تنگ حالی کا ضروری سامان نہیں ہو گیا۔(۱۸)

جب کچھ لوگ محتاج اور ضرورت مند ہوں تو اس وقت اپنی ضرورت سے زائد مال دے دینے کی نبی اکرم ﷺ نے صرف ترغیب ہی نہیں دی بلکہ حکم فرمایا ہے۔ مسلم شریف میں حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ:

ایک دفعہ ہم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ ایک جگہ ایک آدمی سواری پر سوار آپ ﷺ کے پاس آیا اور (سوال بھری نگاہوں سے) دائیں بائیں دیکھنے لگا۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے اس کی اس احتیاجی کو دیکھا تو صحابہ کرام سے فرمایا: جس آدمی کے پاس فاضل سواری ہو وہ سواری اس آدمی کو لوٹا دے جس کے پاس سواری نہیں اور جس کے پاس فاضل زادہ راہ ہے وہ اس بھائی کو دے دے جس کے پاس زادراہ نہیں۔ راوی کہتا ہے کہ آپ نے مختلف قسم کے اموال کا ذکر اسی طرح کیا یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا ہم میں سے کسی کو بھی اپنے فاضل مال میں کوئی حق نہیں"(۱۹)

امام غزالیؒ کی "الاسلام والمناهج الاشتراكيه" کے حوالے سے معروف محقق اور ماہر معاشیات ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی نے یہ روایت لکھی ہے:

"حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا اے مہاجرین وانصار کی جماعت! تمہارے بعض بھائی ایسے ہیں جن کے پاس نہ کوئی مال ہے اور نہ ان کا کوئی قبیلہ ہے۔ (کہ ان کی نگہداشت کرے) لہٰذا تمہیں چاہئے کہ ایک آدمی ان میں سے دو تین آدمیوں کو اپنے

۱۸۔ مسلم الجامع الصحیح (کتاب الزکوۃ باب الحث علی الصدقة) ج: ۱، ص: ۳۲۷ طبع کراچی

۱۹۔ مسلم الجامع (کتاب اللقطة) ج ۲ ص ۸۱ طبع قدیمی کتب خانہ کراچی

ساتھ (کھانے پینے اور کاروبار وغیرہ میں) شریک کرے۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے ساتھ دو یا تین آدمیوں کو ملا لیا حالانکہ میرے پاس بھی دوسرے لوگوں کی طرح صرف اونٹوں کا ایک گلہ تھا۔''(۲۰)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر الصدیقؓ بیان کرتے ہیں کہ:

''اصحاب صفہ فقیر لوگ تھے ان کے کھانے پینے کا انتظام کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے صحابہ اکرامؓ سے فرمایا جس آدمی کے پاس دو آدمیوں کا کھانا موجود ہو وہ (اصحاب صفہ میں سے) تیسرے آدمی کو لے جائے اور جس کے پاس چار آدمیوں کا کھانا ہو وہ پانچویں یا چھٹے آدمی کو لے جائے''۔(۲۱)

یہی حضور اکرم ﷺ کی حسین تعلیمات تھیں جنہوں نے امراء و اغنیاء کے دل میں غریب کی محبت' احساس' ہمدردی' خیرخواہی' غمگساری' ایثار و قربانی اور اخوت کے جذبات پیدا کئے۔ ترمذی میں ہے:

﴿یؤثرون ذالحاجة و یحفظون الغریب﴾(۲۲)

(وہ صحابہ حاجت مند کو اپنے اوپر ترجیح دیتے اور غریب (کے حقوق) کی حفاظت کرتے ہیں۔)

دوسری طرف غریبوں کے دلوں میں اپنے امیر بھائیوں کیلئے نفرت وعداوت کی جگہ محبت' عزت و تکریم اور مرتبہ شناسی کے لطیف جذبات پیدا ہوئے اور یوں ایسا ماحول پیدا ہوا کہ امراء اور غربا کے درمیان نفرت کی ساری دیواریں ڈھے گئیں۔ امارت و غربت کے سارے فاصلے مٹ گئے۔ معاشی و معاشرتی تفاوت کی دوریاں ختم ہوگئیں۔ امیر و غریب کی بنیاد پر طبقاتی تفریق و تقسیم ''نسیا منسیا'' ہوگئی۔ دنیا کے خود ساختہ درجات اور مراتب کا خاتمہ ہوگیا۔ چھوٹے بڑے' امیر و غریب' قریشی غیر قریشی' عربی عجمی' حبشی رومی' گورے کالے اور آقا و غلام کے امتیازات ختم ہوگئے اور سب بھائی بھائی' ایک دوسرے کے ہمدرد خیرخواہ' بہی خواہ اور جاں نثار بن گئے۔ امراء اور غرباء میں تعاون و تکافل اور بھائی چارے کی ایسی پرسکون' پرلطف اور محبت بھری فضا پیدا ہوگئی کہ چشم فلک نے اس کا نظارہ نہ اس سے پہلے کیا تھا اور نہ آج تک کرسکی ہے۔

۲۰۔ ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی ''اسلام کا نظریہ ملکیت'' طبع اسلامک پبلیکشنز 'لاہور ۱۹۶۸ء

۲۱۔ ابن حزم ''المحلی'' ۳ : ۴۵۴ مسئلہ ۷۲۵ طبع مصر

۲۲۔ شمائل ترمذی باب ما جاء فی تواضع رسول اللہ ﷺ

(رضوان اللہ علیہم اجمعین)

مولانا الطاف حسین حالی مرحوم نے اپنے مخصوص انداز میں مدینہ منورہ کے باہمی ہمدردی، باہمی خیر خواہی اور اخوت و مساوات پر مبنی معاشرے کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ بھی قابل سماعت ہے فرماتے ہیں:

سب اسلام کے حکم بردار بندے سب اسلامیوں کے مدد گار بندے
خدا اور نبی کے وفادار بندے یتیموں کے رانڈوں کے غمخوار بندے

الغرض ایثار، انفاق اور مواسات کی اسلامی تعلیمات اور موثر و منظّم و مخلصانہ ترغیب کو کام میں لا کر اس وقت بھی غربت و افلاس کا مسئلہ بڑی حد تک حل کیا جا سکتا ہے۔

محترم سامعین! آپ کو یاد ہوگا سابق وزیر اعظم پاکستان محمد نواز شریف نے اقتدار سنبھالنے کے ابتدائی ایام میں جب ''قرض اتارو ملک سنوارو'' کی مہم شروع کی تھی تو پاکستانی مرد و خواتین حتی کہ بچوں کے اندر کا مسلمان کس طرح جاگ اٹھا تھا اور کس طرح انہوں نے قرونِ اولیٰ کی یادیں تازہ کر دی تھیں۔

نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

غربت و افلاس کے خاتمہ کے لئے قانونی دفعات:

غربت و افلاس کے خاتمہ کے لئے شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام نے انسان کے طبع بخل کے پیش نظر ایثار و انفاق کی صرف اخلاقی اور ترغیبی قسم پر انحصار کر کے غرباء و مساکین کو دولتمندوں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ دیا۔ بلکہ اس نے اس کے لئے کچھ قانونی اور لازمی دفعات بھی رکھی ہیں۔ مثلاً قانون نان و نفقہ، میراث، کفارات، خراج، جزیہ وغیرہ جن کی تفصیلات اور جزئیات حدیث و فقہ کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔

ان قانونی دفعات میں صرف زکوۃ ہی ایک ایسی ایمانی دفعہ اور بابرکت ذریعہ ہے کہ اگر آج بھی پوری دیانتداری سے وصول و تقسیم کی جائے تو معاشرے سے غربت و افلاس کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔ حدیث نبوی ﷺ کی رو سے اس کا بڑا مقصد ہی یہ ہے کہ ایک علاقے کے مالداروں سے لے کر فقراء و

مساکین میں تقسیم کردی جائے۔(۲۳)اس کے برعکس جو ٹیکس موجودہ دور کی نام نہاد جمہوری حکومتوں میں لگائے جاتے ہیں وہ زکوۃ کی عین ضد ہیں۔ یہ ٹیکس زیادہ تر متوسط طبقہ اور غربا سے وصول کیے جاتے اور اغنیا وأمرا کی طرف لوٹا دیے جاتے ہیں۔ یہ دولت جو کسانوں کے گاڑھے پسینے کی کمائی اور مزدوروں، کاریگروں تاجروں ملازمین اور صنعت پیشہ لوگوں سے مختلف ٹیکسوں کے نام پر وصول کی جاتی ہے۔ بڑی سخاوت بلکہ ''مال مفت دلِ بے رحم'' کے عین مصداق بڑی بیدردی اور بے رحمی کے ساتھ صدر مملکت' وزیر اعظم، وزراء و مشیران کرام' عوامی نمائندوں بیوروکریٹس اور افسران بالا کے اللوں تللوں فضول خرچیوں کا نام نمود۔ پرتکلف سرکاری ضیافتوں' حکومتی و سیاسی پروپیگنڈا' پروٹوکول' شاہانہ طرز کے دفاتر اور فرنیچر وغیرہ پر خرچ کر دی جاتی ہے۔ جبکہ اسلام میں زکوۃ کا مصرف کسی حکومت کی صوابدید پر نہیں بلکہ قرآن مجید میں ان مصارف کا تعین کر دیا گیا ہے جن سے باہر زکوۃ صرف نہیں ہوگی۔ ان مصارف پر ایک نظر ڈالنے سے یہی بات واضح ہو جاتی ہے کہ معاشی و اقتصادی سطح پر زکوۃ کا ادارہ معاشرہ میں معاشی عدل و انصاف اور غربت و افلاس کو دور کرنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ عہد نبوی' عہد خلفاء راشدین اور بعد کے کئی ادوار میں اس نظریہ کو استعمال میں لا کر اسلامی ریاست کے ہر فرد کو یہ باور کرایا گیا کہ وہ دنیا میں لاوارث نہیں۔ رسول مقبول ﷺ نے اعلان فرمایا تھا:۔

''انا ولی من لا ولی له''(۲۴)(میں ہر اس شخص کا والی ہوں جس کا دنیا میں کوئی والی نہیں ہے)

ایک حدیث میں فرمایا:۔

''جو آدمی بھی مال چھوڑ کر مرے گا اس کے وارث اس کے عصبہ ہوں گے خواہ جو بھی ہوں اور اگر وہ اپنے ذمہ قرض چھوڑ کر مرا یا بچے چھوڑ کر مرا تو وہ قرض اور یتیم بچے میرے ذمہ ہیں۔ میں ان کا والی ہوں''(۲۵)

زکوۃ کے بعد اہم قانونی دفعہ قانون نفقہ ہے۔ تفصیلات کتب فقہ میں موجود ''کتاب النفقہ'' کے

۲۳۔ بخاری الجامع الصحیح :۱:۱۸۷ طبع کراچی

۲۴۔ زغلول. موسوعة اطراف الحدیث (تحت انا)

۲۵۔ بخاری الجامع الصحیح کتاب فی الأستقراض باب الصلوة علی من ترک دنیاً کتاب النفقات

اندر دیکھی جاسکتی ہیں۔غربت وافلاس کے خاتمہ کیلئے یہ وہ منفرد قانون ہے جو صرف اسلام ہی کا حصہ ہے۔ اسلام نے دولتمند رشتہ دار پر اپنے قریبی اور غریب ونادار رشتہ داروں کا نان نفقہ واجب قرار دے کر معاشی و معاشرتی تحفظ کی بنیاد رکھی ہے۔ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے ''**مشکلات الفقر و کیف عالجها الاسلام**''میں لکھا ہے:۔

''فقہ اسلامی میں کتاب النفقات کے تحت رشتہ دار پر خرچ کرنے کے باب میں جو احکام دیئے گئے ہیں میرا خیال ہے کہ ایسے احکام نہ پرانی شریعتوں میں کہیں ملیں گے اور نہ آج کے جدید قوانین میں اس کا خیال تک پایا جاتا ہے۔(۲۶)

پھر آگے چل کر انہوں نے اپنے ایک استاذ محترم ڈاکٹر محمد موسیٰ کی زبانی ان کا ایک چشم دید اور عجیب واقعہ لکھا ہے جو سننے کے لائق ہے فرماتے ہیں:۔

''شاید یہ بہتر ہو اگر میں یہاں ذکر کردوں کہ میں قیام فرانس کے دوران جس گھر میں کچھ عرصہ رہا ہوں ایک نوجوان لڑکی بحیثیت خادمہ کے رہا کرتی تھی جس کے چہرے سے خاندانی شرافت کے آثار نمایاں تھے۔میں نے گھر کی مالکہ سے پوچھا کہ یہ لڑکی کیوں خادمہ بنی ہوئی ہے؟ کیا اس کا کوئی قریبی رشتہ دار نہیں جو اس سے یہ کام چھڑا دے اور اس کے لئے زندگی کی آسائشیں فراہم کردے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ لڑکی شہر کے ایک اچھے گھرانے سے تعلق رکھتی ہے اس کا ایک چچا ہے جو بڑا مالدار ہے۔مگر وہ اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ وہ اپنے معاملے کو عدالت میں کیوں نہیں لے جاتی کہ وہ اسے چچا سے نان نفقہ دلوائے'' میری بات سے وہ صاحبہ حیران رہ گئیں اور انہوں نے مجھے بتایا کہ ہمارے ہاں ایسا کوئی قانون نہیں ہے جس کے تحت یہ لڑکی اپنے چچا سے ایسا کوئی مطالبہ کرسکے۔'' تب میں نے انہیں اس سلسلے میں اسلام کا حکم سمجھایا۔ وہ کہنے لگیں ''کون ہے جو ہمارے لئے ایسا قانون بنائے؟ اگر ہمارے یہاں یہ قانونی لحاظ سے جائز ہو تو کوئی لڑکی یا عورت ایسی نہ ملے جو کسی کمپنی' کارخانے یا فیکٹری یا حکومت

۲۶۔ داکٹر یوسف القرضاوی:مشکلات الفقر و کیف عالجها الاسلام(اردو ترجمه بنام اسلام اور معاشی تحفظ ص :۶۳-۶۴ طبع لاهور

کے کسی محکمے میں کام کرنے کے لئے گھر سے نکلے''۔(۲۷)

المختصر صاحبِ حیثیت آدمی پر اس کے غریب والدین' بیوی' چھوٹی اور نادار اولاد' ضرورت مند بہن بھائی اور دوسرے مستحق قریبی رشتہ دار پر نان ونفقہ واجب ہے۔اس لئے حکومت جس طرح ہنگامی بنیادوں پر مردم شماری اور ووٹر لسٹیں بنانے کا اہتمام کرتی ہے اسی طرح حکومتی ذرائع کو کام میں لا کر ملک میں واقعی غربا و مساکین اور ان کے قریبی صاحبِ ثروت رشتہ داروں کا سراغ لگایا جا سکتا ہے۔ یہ صاحبِ حیثیت اگر رضا کارانہ اور صلہ رحمی کے طور پر اپنے غریب اور قریبی رشتہ داروں کی کفالت کی ذمہ داری قبول کرنے پر تیار نہ ہوں تو قانوناً انہیں ایسا کرنے پر مجبور کیا جائے۔قانون نفقہ کے باقاعدہ نفاذ سے بھی غربت وافلاس پر کافی حد تک قابو پایا جا سکتا ہے۔

اسی طرح عشر صدقہ فطر و کفارات کی لازمی ادائیگی اخراج جزیہ' مال غنیمت و مال فئے اور میراث کی تقسیم وغیرہ کے لازمی احکام کا بڑا مقصد یہی ہے معاشرے سے غربت وافلاس کا خاتمہ ہو۔(۲۸)

تعیّشات کی بجائے سادگی کا فروغ:

کسی ملک میں غربت وافلاس کا ایک بڑا سبب وہاں کے امراء بالخصوص اہل حکومت واقتدار کا تعیّشات اللّوں تللّوں شاہ خرچیوں اور رنگ رلیوں میں پڑ جانا ہے۔اسلامی نقطہ نگاہ سے کوئی آدمی حتیٰ کہ سربراہ مملکت بھی عام لوگوں کے مقابلے میں بودوباش یا کھانے پینے اور دوسرے انسانی حقوق میں کوئی امتیاز نہیں رکھتا۔(۲۹) VIP اور غیر VIP کی تقسیم غیر اسلامی ہے۔ نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم سے بڑھ کر کون دنیا میں VIP ہو سکتا ہے اس کے باوجود اس شاہ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے دولت کدہ میں دو دو مہینے آگ نہیں جلتی تھی۔(۳۰) آپ کے لئے کبھی کپڑوں کا کوئی جوڑا تہہ کر کے نہیں

۲۷۔ ایضاً

۲۸۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں کتب فقہ و حدیث متعلقہ ابواب

۲۹۔(الف) ابو عبید . کتاب الاموال(اردو): ۱: ۴۳۷ طبع اسلام آباد

(ب) دربار قیصر میں معاذ بن جبلؓ کی تقریر (فتوح الشام ص ۱۰۵ کلکتہ)

۳۰۔ (الف) صحیح بخاری الجامع الصحیح: ۲: ۹۵۶ طبع دھلی

(ب)صحیح مسلم الجامع الصحیح: ۲: ۴۰۱ طبع کراچی

رکھا گیا۔(۳۱) دس لاکھ مربع میل کے حکمران (۳۲) کی رہائش جس ''ایوان صدر'' یا ''وزیراعظم ہاؤس'' میں تھی اس کا طول وعرض آج بھی ''گنبد خضری'' سے معلوم کیا جا سکتا ہے اور اس قدسی صفات سید العرب والعجم کی رہائش گاہ کے ''سامان زیست'' اور ''کل دنیا'' کی تفصیل اور چشم دید گواہی آج بھی پڑھی جا سکتی ہے۔(۳۳)

ازواج مطہرات میں سے ہر ایک زوجہ محترمہ یا خاتون اول کا حجرہ کس قسم کے ''سنگ مرمر ساگوان کی لکڑی اور امپورٹڈ'' سامان سے بنایا گیا تھا اس کی تفصیل آج بھی معلوم کی جا سکتی ہے۔(۳۳الف)

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''ایاک والتنعم فان عباداللہ لیس بالمتنعمین''(۳۴)

(عیش کوشی سے بچو کیونکہ اللہ کے بندے عیش کوشی نہیں کرتے)

(ج) مصنف ابن ابی شیبہ: طبع کراچی

(د) صحیح ابن حبان: ۹: ۸۸ طبع شیخوپورہ پاکستان

۳۱۔(الف) سیرت نبویہ لابن کثیر: ۴: ۷۳۱ طبع قاہرہ

(ب) سیرت حلبیہ: ۳: ۴۵۱، ۴۵۲ طبع مصر

(ج) امام احمد بن حنبل: کتاب الزہد: ص: ۶۹ دار الفکر

(د) الماوردی، اعلام النبوہ: ۱۹۹ طبع ازہر، مصر

(ہ) ابن جوزی: کتاب الحدائق: ۲۹۷ بیروت

۳۲۔ کتب تاریخ

۳۳۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ: عہد نبوی میں نظام حکمرانی ص: ۲۴۴ طبع کراچی

(الف) صحیح بخاری: ۱: ص: ۴۴۷، طبع دھلی

(ب) صحیح مسلم مع شرح نووی: ۱: ۴۸۰، طبع کراچی

(ج) امام احمد: کتاب الزہد ص: ۹۷، دار الفکر

(د) ابویعلیٰ۔ المسند: ۱: ۱۱۱، ۱۱۲

(ہ) بیہقی دلائل النبوہ: ۱: ۳۳۵، مکتبہ اثریہ لاہور

۳۴۔(الف) ابن سعد: الطبقات الکبریٰ ۱: ۱۰۵، طبع بیروت

(ب) مشکوۃ (باب فضل الفقراء ص: ۴۴۹، طبع کراچی

عام افلاس کے زمانے میں ایک صحابی کے مکان پر بالا خانہ کو پسند نہ فرمایا۔(۳۵) پیاری لخت جگر سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کے گھر میں دروازہ پر پردہ دیکھا تو گھر میں داخل ہونا پسند نہ فرمایا۔(۳۶) ام المؤمنین سیدہ عائشہ کے حجرے میں لٹکے پردے کو پھاڑ دیا۔''(۳۶الف)

وطن عزیز میں عام غربت کا ایک بڑا باعث حکمرانوں‘ عوامی نمائندوں اور دولت مند لوگوں کی عیش کوشی اور تعیش پسندی بھی ہے۔ اسلام عیش کوشی اور تعیش پسندی کی بجائے تمام معاملات زندگی میں سادگی کو پسند کرتا ہے۔ جس کے دنیا میں نقد بے شمار مالی ومعاشی فوائد ہیں۔ جبکہ تعیش پسندی اور عیش کوشی میں بے شمار معاشی واخلاقی نقصانات کے باعث اس کو سخت ناپسند قرار دیا گیا۔

وطن عزیز میں ہر سال حکومتی بجٹ کا ایک کثیر حصہ حکمرانوں وزراء اور مشیران کی فوج ظفر موج‘ ممبران پارلیمنٹ اور افسران بالا کے تعیشات اور غیر ضروری اخراجات کی نذر ہو جاتا ہے۔ جس کے لئے بجٹ خسارہ کو پورا کرنے کے لئے ہر سال قرضہ اٹھانا پڑتا ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق صرف ایک صوبائی وزیر یا مشیر کی تنخواہ الاؤنسز‘ پٹرول‘ ٹیلیفون بل وغیرہ پر اٹھنے والے ماہانہ اخراجات ایک لاکھ روپے سے زیادہ بنتے ہیں۔ عوامی نمائندوں کے لئے ہر سال بجٹ میں جو مسرفانہ مراعات رکھی جاتی ہیں اس سے اندازہ نہیں ہوتا کہ یہ کسی غریب ملک کے نمائندے ہیں۔ سابق اور موجودہ صدر اور وزراء اعظم کو دی گئی مراعات کی تفصیل روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۹۶ء اور ہفت روزہ ''تکبیر کراچی مورخہ ۲۷ جون ۱۹۹۷ء میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔ باقی تفصیلات کو چھوڑیئے۔ ایوان صدر اور وزیراعظم سیکرٹریٹ کی صرف دیکھ بھال مہمانوں کی تواضع اور دیگر ضروریات کی فراہمی کے لئے کروڑوں روپے رکھے جاتے ہیں جبکہ ملک کی اکثریت کے پاس سر چھپانے کے لئے جھونپڑی بھی نہیں۔ دوسرے سرکاری دفاتر میں بھی ہر سال کروڑوں روپیہ صرف ان کی تزئین وآرائش پر خرچ ہو جاتا ہے۔ اس وقت کوئی ۴۴ کھرب روپے کا قرض سر پر ہے۔ لیکن اس کے باوجود معروف دانشور صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی کے

۳۵۔ سنن ابی دائود (کتاب الادب ۲: ۷۱۱، اصح المطابع کراچی

۳۶۔ سنن ابی دائود (کتاب اللباس: ۲: ۵۷۲، طبع کراچی

۳۶۔(الف) سنن ابی دائود‘ ۲: ۵۵۷

بقول:۔

''ہمارے حکمرانوں کا طرز معاشرت یہ پتہ دیتا ہے کہ یہ لوگ ایک ایسے ملک کے حکمران ہیں جس کے دریاؤں میں گدلا پانی نہیں شیریں اور شفاف دودھ بہتا ہے۔ جس کے درختوں پر پتے نہیں روپے اُگتے ہیں۔ جس کے موسم برسات میں سونے اور چاندی کی بارش ہوتی ہے۔ اور جس میں آنے والے سیلاب دنیا جہاں کی نعمتیں سمیٹ کر یہاں بکھیر دیتے ہیں۔ اسسٹنٹ کمشنر ہو یا ڈپٹی کمشنر اور وزیراعلیٰ ہو یا وزیراعظم سب کا انداز معاشرت ملک کے افلاس اور عوام کی غربت کی ہلکی سی چغلی بھی نہیں کھاتا۔ اے سی کو دیکھ کر قطعاً اندازہ نہیں ہوتا کہ وہ کسی دور افتادہ تحصیل کا حاکم ہے۔ ڈی سی سے مل کر بالکل احساس نہیں ہوتا کہ وہ کسی مسائل زدہ ڈویژن کا انچارج ہے۔ وزیراعلیٰ کی شان وشوکت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کسی غریب صوبے کا مقتدر ہے۔ اور نہ وزیراعظم کے قرینہ زیست سے یہ پتہ چلتا ہے۔ کہ وہ کسی مقروض ملک کا چیف ایگزیکٹو ہے۔ نمائشی اقدامات کی بات نہیں ہو رہی جو سادگی کے حوالے سے یہاں اکثر و بیشتر کئے جاتے ہیں بلکہ اس مسلسل طرز عمل کی بات ہو رہی ہے جو برسوں سے ہمارے حکمرانوں نے اختیار کئے ہوئے ہیں۔

''روزنامہ نوائے وقت لاہور مورخہ ۲۵ دسمبر ۱۹۹۸ء)

اس غریب اور مقروض ملک کی ہر حکومت سادگی کے دعوؤں اور اعلان کے باوجود بالائی سرکاری سطح پر کتنی بے دردی سے اخراجات کرتی رہی ہے۔ اس کا اندازہ گزشتہ سال ملک کے قانون دان طبقہ وکلاء کی ایک درخواست سے ہوتا ہے جو انہوں نے لاہور ہائی کورٹ میں دائر کی تھی اور عدالت سے استدعا کی تھی کہ وہ ان شاہ خرچیوں پر پابندی عائد کرے اور جو ابھی تک سماعت کی منتظر ہے (روزنامہ جنگ لاہور مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۹۸ء) اس درخواست میں مندرج حکومتی سطح پر شاہ خرچیاں اور عیاشیاں تو صرف مشتے از خروارے کے طور پر ہیں۔ ورنہ

درد کے قصے نہ پوچھ ' ہیں یہ طولانی بہت
جملے جملے سے امڈ آئے گی حیرانی بہت

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

عوامی سطح پر سرمایہ دار وڈیرے اور جاگیردار اپنی اندھی دولت کے بل بوتے پر کیا گل چھرے اڑاتے ہیں اور کسی طرح غریب لوگوں کے زخموں پر نمک چھڑکتے ہیں اس کے بارے میں اندازہ میری یا کسی دوسرے ادارے کی نہیں بلکہ ''اقوام متحدہ'' کی ایک رپورٹ سے لگایا جا سکتا ہے۔ جو روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور مورخہ ۲ نومبر ۱۹۹۸ء میں شائع ہوئی۔ یہ رپورٹ پڑھئے اور غریب عوام کے ساتھ سنگین مذاق ملاحظہ فرمایئے۔

پنجاب کے ۵. فیصد ملک' ٹوانے' لغاری' مخدوم' اور کھوسے صوبے کی ۲۰ فیصد زمینوں پر قابض ہیں جبکہ سندھ کے ایک فیصد جام' جتوئی' سید اور پیر وہاں کے ۳۰ فیصد' سرحد' کے ۱۰ فیصد باچے' خٹک' آفریدی' نواب' الائی اور میر ۵. ۱۲ فیصد رقبے پر حکمرانی کرتے ہیں۔ جبکہ بلوچستان کے ۱۰۰ فیصد جاگیردار مری' جمالی' مینگل وہاں کی ایک ایک انچ زمین پر قابض ہیں۔ مسکین پاکستان کے ۹۳ فیصد چھوٹے کسان صرف ۳۷ فیصد زمین کے مالک ہیں۔ اقوام متحدہ کی ایک رپورٹ کے مطابق دو ارب روپے کے صرف زرعی قرضے ہڑپ کرنے والے ان جاگیرداروں نے کپاس کی فصل سے ۳۰ سے ۴۰ کروڑ روپے کمائے اور گندم' دالوں اور دیگر اجناس کے ذریعے ۱۰ سے ۴۰ کروڑ روپے کمائے اور کوئی ٹیکس بھی نہیں دیا۔ ہر خاندان اور ان کے نوجوان ہر سال کتا دوڑ، ریچھ کی لڑائی' شیر بازیوں اور دیگر عیاشیوں پر ہر سال ۴ ارب ۸۲ کروڑ ۲۷ لاکھ روپے خرچ کرتے ہیں۔

یہی خاندان ہر سال سامان تعیش اور گاڑیوں کی درآمد پر ایک ارب ۹۶ کروڑ روپے خرچ کرتے ہیں۔ جبکہ ہر دن ملک کا تمباکو استعمال کرنے پر ایک کروڑ ۲۶ لاکھ روپے سالانہ خرچ کرتے ہیں۔ رپورٹوں کے مطابق جاگیردار خاندان زرعی زمین کے علاوہ پاکستان کے شہروں میں بھی ایک کھرب تین ارب اٹھائیس کروڑ روپے کی جائیدادوں کے مالک ہیں۔ ان کے کتے تازہ گوشت کھاتے ہیں۔ لیکن ان کے ۱۵ لاکھ ملازمین گوشت کھانے کے لئے عید قربان کا انتظار کرتے ہیں۔ رپورٹ میں مزید کہا گیا ہے کہ پنجاب

کے ۸۰ فیصد کسانوں کے پاس پنجاب کی کل نہری اور بارانی زمین کا صرف ۷ فیصد ہے۔سندھ کے ہاریوں اور چھوٹے کسانوں کے پاس سندھ کی کل زمین کا ۱۲ فیصد سرحد کے ۲۷ فیصد کسانوں کے پاس وہاں کا ۸.۲ فیصد رقبہ اور بلوچستان کے ۸۰ فیصد کسانوں اور مزدوروں کے پاس اپنی ملکیت کے لئے قبر کے برابر زمین بھی نہیں ہے۔

رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ پاکستانی معاشرے کا ہر ظلم' زیادتی' کرپشن' لوٹ کا پتہ اسی پانچ فیصد طبقہ کے گھروں' ڈیروں اور حویلیوں کی طرف جاتا ہے''۔لہٰذا اسلام کے قانون حجر کے تحت ضروری ہے کہ ان سرکاری اور عوامی سطح پر مال کے ضیاع اور اسراف وتبذیر پر پابندی عائد کی جائے اور حکام بالا سے لے کر نیچے تک دفاتر میں سرکاری تقریبات میں خورد ونوش میں رہن سہن میں غیر پیداواری اخراجات وغیرہ میں بعض دوسرے ممالک کی طرح سادگی، کفایت شعاری اور خود انحصاری کو فروغ دیا جائے فضولیات کا شوق قرضے لے کر پورا کرنے کی بجائے معاشی خوشحالی کے حصول تک صرف ضروریات پر اکتفا کیا جائے۔

معاشی واقتصادی ترقی کا حصول:

آج کے دور کو معاشیات کا دور کہا جاتا ہے۔انسانی زندگی میں معاشیات کی حیثیت ہمیشہ مسلمہ رہی ہے۔اسلام جو ایک فطری مذہب ہے' نے بھی اس کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے۔اس نے مال کو انسانوں کے لئے ''مایہ زندگی'' قرار دیا اور فضول ضائع کرنے سے منع کیا ہے۔(۳۷) فقہاء اسلام نے آیات قرآنی سے استدلال کر کے عدم تضیع مال کے وجوب پر استدلال کیا ہے۔(۳۸)

معاشی ترقی اور خود انحصاری ہی وہ چیز ہے جس کے باعث دیگر اقوام کو جو معاشی میدان میں ترقی یافتہ ہیں' کسی ملک کے اندرونی معاملات میں دخل انداز ہونے کا موقع نہیں مل سکتا۔پاکستان میں آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کی کھلم کھلا مداخلت اور معاشی پالیسیوں میں دخل اندازی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں اس کی واحد وجہ ہماری احتیاجی ہے۔

۳۷۔ سورۃ النساء : ۵

۳۸۔ جصاص : احکام القرآن تحت آیت

دل کی آزادی شہنشاہی شکم سامانِ موت
فیصلہ تیرا تیرے ہاتھوں میں ہے دل یا شکم

کسی ملک کی معاشی تعمیر اس ملک کی فوجی طاقت اور دفاعی قوت کی بنیاد اور اس کے سیاسی استحکام کی لازمی شرط ہے۔ لہٰذا معاشی و اقتصادی ترقی غربت کے خاتمہ اور خود کفالت کے لئے درج ذیل اقدامات کی ضرورت ہے۔

(ا) زرعی ترقی: کسی ملک کی خوشحالی کا راز اس کی زرعی ترقی میں پوشیدہ ہے کیونکہ روزمرہ کی غذائی ضروریات زراعت اور باغبانی کی مرہون منت ہیں۔ اس لئے ارشاد نبوی ہے:

﴿اطلبوا الرزق فی خبایا الارض﴾(۳۹)

''رزق کو زمین کی پہنائیوں میں تلاش کرو''

حضور اکرم ﷺ نے بذات خود بھی مقام جرف میں کاشتکاری کر کے امت کو زراعت کی ترغیب دی (۴۰) آپ ﷺ نے آلاتِ زراعت کو گھروں میں بند رکھنے کو ذلت و بدحالی قرار دیا۔ (۴۱) کیونکہ گھروں میں آلاتِ زراعت کو گھروں میں بند کرنے سے زراعت کا سلسلہ موقوف ہوگا اور قومی معیشت تباہ ہو جائے گی۔ علاوہ ازیں قرآن مجید میں زراعت و باغبانی کے لئے متعدد ارشادات ملتے ہیں۔ (۴۲)

زرعی ترقی کے لئے درج ذیل اصلاحات مفید ہو سکتی ہیں۔

(الف) موات (بنجر اور بیکار سرکاری زمینوں) کو آباد کرنے اور قابل کاشت بنانے کے لئے ایسے لوگوں کو مفت الاٹ کی جائیں جو انہیں آباد کریں اسلام بنجر زمینوں کو کسی فرد کی ملکیت بلکہ بعض فقہاء کے نزدیک تو حکومت کی ملکیت بھی تسلیم نہیں کرتا۔ (۴۳) بلکہ وہ اسے اس شخص کی ملکیت قرار

۳۹۔ مجمع الزوائد و منبع الفوائد للهيثمی(باب الکسب و التجارة و الحث علی طلب الرزق)

۴۰۔ المبسوط للسرخسی: ۲:۲۲

۴۱۔ بخاری کتاب الزراعة

۴۲۔ سورة الکهف: ۳۲-۳۳ سورة الواقعه: ۶۳-۶۴

۴۳۔ مجموع فتاوی ابن تیمیه: ۲۸: ۵۸۶

دیتا ہے جو اسے آباد کرے۔حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

جو آدمی کسی مردہ (بنجر) زمین کو زندہ (آباد) کرے وہ اس کی ہے۔(۴۴)

حضور اکرم ﷺ نے خود بھی کئی صحابہ کو آباد کاری کے لئے زمینیں (جاگیریں) عنایت فرمائیں۔(۴۵)

(ب) جن جاگیروں کو انگریز حکومت کے ساتھ وفاداری اور مسلمانوں کے ساتھ غداری کے صلے میں ہزاروں ایکڑ اراضی ملی تھیں وہ بحق سرکار ضبط کر کے بے زمین کاشتکاروں کو دی جائیں۔

(ج) جس زمیندار کے پاس کوئی زمین تین سال تک بے کار پڑی رہے یعنی وہ تین سال تک آباد نہ کرے تو وہ زمین اس سے واپس لے لی جائے کیونکہ ارشاد نبوی ہے:۔

''اگر کوئی زمین تین سال تک خالی پڑی رہتی ہے تو اس (روک رکھنے والے) کا اس پر کوئی حق نہیں۔(۴۶)

حضرت فاروق اعظمؓ نے حضرت بلالؓ جیسے عظیم المرتبت صحابی مؤذن رسول سے وہ زمین واپس لے لی تھی جو انہیں خود حضور اکرم ﷺ نے عطا کی تھی مگر دور فاروقی تک وہ اسے آباد نہیں کر سکے تھے۔(۴۷)

۴۴۔(الف) بخاری الجامع الصحیح: ۱: ۳۴۱، طبع کراچی

(ب) کتاب الخراج لامام ابی یوسف ص: ۶۴-۶۵ بیروت

(ج) المحلی لابن حزم: ۸: ۲۳۶ مسئلہ ۱۳۴۸، مصر

(د) سنن ابی دائود: ۲: ۴۳۷، طبع کراچی

(ہ) زیلعی، نصب الرایہ (کتاب الغصب)

۴۵۔(الف) کتاب الخراج لیحیی ابن آدم ص: ۹۳، طبع بیروت

(ب) ابو عبید: کتاب الاموال (اردو) ۱: ۴۶۱، طبع اسلام آباد

(ج) ابی داؤد، السنن: ۲: ۴۳۵، طبع کراچی

۴۶۔ بدائع الصنائع کاسانی: ۶: ۱۹۴

۴۷۔(الف) سنن دائود السنن: ۲: ۴۳۵، طبع کراچی

(ب) ابو عبید: کتاب الاموال (اردو) ۱: ۴۶۱، طبع اسلام آباد

یوں تمام غیر مزروعہ زمینیں آباد ہو سکتی ہیں اور جاگیرداری نظام کو بھی توڑا جا سکتا ہے۔

(د) زراعت کے میدان میں بہتر نتائج کے لئے نظام آبپاشی کی اصلاح و ترقی کی طرف بھی خصوصی توجہ درکار ہے۔ زراعت اور انسانی زندگی میں پانی کی انتہائی اہمیت کے پیشِ نظر حضور اکرم ﷺ نے پانی کو سارے مسلمانوں کی مشترکہ ملکیت قرار دیا ہے۔ (۴۸) سمندروں، دریاؤں قدرتی چشموں حوضوں اور کنوؤں کے پانی پر کسی کی ملکیت نہیں۔ (۴۹) جن صورتوں میں پانی پر شخصی ملکیت کو جائز رکھا گیا ہے وہاں بھی زائد از ضرورت پانی کو روک رکھنے اور بیچنے سے نبی اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ (۵۰)

(ہ) زرعی ترقی کے لئے کاشتکاروں کو ضروری اور مناسب سہولتیں فراہم کرنا بھی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ مثلاً زرعی مقاصد کے لئے قرضے، آلات، زراعت وغیرہ) اور بیجوں کی فراہمی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد حکومت میں آلات زراعت اور بیجوں کی فراہمی حکومت کی طرف سے کی گئی اور زرعی اجناس کی فروخت کے لئے آڑھتیوں کا واسطہ ختم ہونا چاہئے۔

(۲) صنعت و حرفت: معاشی استحکام اور وسائل معیشت میں صنعت و حرفت کو کلیدی اہمیت حاصل ہے۔ قرآن مجید میں صنعت و حرفت جو عمرانی اور تہذیبی لحاظ سے نہایت قابل اعتماد اور مستحکم ذریعہ معیشت ہے، کو ذریعہ معاش بنانے کے اشارات ملتے ہیں۔ (۵۲) حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ اپنے

(ج) یحی ابن آدم، کتاب الخراج ص :۹۳، بیروت

۴۸۔ سنن ابی دائود: ۲: ۴۹۲، طبع کراچی

۴۹۔ بدائع الصنائع للکاسانی (کتاب الشرب) ج:۶

۵۰۔(الف) مسلم الجامع صحیح: ۲: ۸۱، طبع کراچی

(ب) سنن ابی دائد: ۲: ۴۳۵، طبع کراچی

(ج) جامع ترمذی ص : ۲۰۴، طبع کراچی

د) یحی ابن آدم (کتاب الخراج ص :۱۰۷، بیروت

۵۱۔ طحاوی: شرح معانی الاثار: ۲: ۲۶۱، طبع دھلی

۵۲۔ سورۃ الحدید: ۲۵، سورۃ الاعراف ۳۶، سورۃ النحل: ۴۴. سورۃ سبا: ۱۰.۱۱

ہاتھوں کی کمائی سے بہتر کوئی کھانا نہیں (۵۳) آپ ﷺ نے فرمایا:۔

''اللہ اس مسلمان کو پسند کرتا ہے جو صنعت وحرفت کرتا اور کماتا ہے''۔(۵۴)

غذائی اجناس اور ضروری مصنوعات میں دوسرے ملکوں کی محتاجی کسی حالت میں بھی کسی ملک کے لئے خوش آئند امر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فقہائے اسلام نے ہر ایسی چیز کی تعلیم اور اس کی تیاری (صنعت) کو فرض (فرض کفایہ) قرار دیا ہے۔ جو مسلمانوں کی دنیوی ضروریات اور مادی زندگی کے لئے لابدی ہے۔ (۵۵) موجودہ دور میں صنعتی ترقی اس لئے بھی ناگزیر ہے کہ آج کل دفاعی قوت کا دارومدار صنعتی ترقی پر ہے۔ اور جدید آلات حرب اور دفاعی سامان کی تیاری صنعتی ترقی ہی سے وابستہ ہے اور اسلام مسلمانوں کو دفاعی قوت واستحکام کے لئے ہر قسم کی تیاری کا حکم دیتا ہے۔(۵۶) چونکہ یہ مقصد صنعتی ترقی فولاد، ایٹمی توانائی اور بجلی کی طاقت جیسی بنیادی صنعتوں کو فروغ دیئے بغیر حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے ان چیزوں (صنعتوں) کا اہتمام بھی لازم قرار پائے گا۔ کیونکہ فقہی قاعدہ ہے کہ ''کسی شرعی فریضہ کی ادائیگی اگر کسی دوسرے کام پر موقوف ہو تو وہ کام بھی فرض ہو جاتا ہے۔(۵۷) اس وقت اقتصادی وصنعتی پسماندگی کی ایک بڑی وجہ تکنیکی پسماندگی بھی ہے۔ ترقی یافتہ ممالک کی ترقی کا سبب صرف پیداوار کا اضافہ نہیں بلکہ ان کی ترقی کا اصل سبب یہ ہے کہ وہ جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کے بلاشرکت غیرے مالک ہیں۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ مسلم ممالک کے پاس اگرچہ کروڑوں ٹن پٹرول کے ذخائر موجود ہیں۔ مگر ان ذخائر کا معاشی وتکنیکی کنٹرول مغربی ممالک کے ہاتھ میں ہے۔

لہٰذا صنعتی یونٹ میں ترقی کے لئے سرمایہ داروں اور صنعت کاروں کو ہر ممکن سہولت او تحفظ فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ سائنس اور ٹیکنالوجی کو فروغ دینا ضروری ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ملکی مصنوعات کے استعمال

۵۳۔ مشکوۃ ص: ۲۴۱، طبع کراچی

۵۴۔ امام غزالی۔ احیاء علوم الدین (باب فضل الکسب) ۲: ۶۳

۵۵۔ شاہ ولی اللہ: حجۃ اللہ البالغہ (ابواب طلب الرزق) ج:۲

۵۶۔ سورۃ الانفال: ۶۱

۵۷۔ الآمدی: الاحکام فی اصول الاحکام: ۱: ۱۵۸

اورخریدار کے اعتماد کو بحال کرنے کے لئے مصنوعات کے معیار پر کڑی نظر رکھنا بھی لازمی ہے۔

(۳) تجارت میں فروغ: تجارت (تبادل منافع (۵۸) تحصیل مال اور اقتصادی ترقی اور غربت کے خاتمہ کا ایک اہم ذریعہ ہے۔قرآن مجید میں متعدد آیات میں تجارت کی ترغیب دی گئی ہے(۵۹) تجارت کے فروغ اور اس میں دلچسپی پیدا کرنے کے لئے نبی اکرم ﷺ نے اس کے بے شمار دنیوی فوائد اور برکات بتائی ہیں۔حدیث کی کتابوں میں ''کتاب البیوع ''وغیرہ اس پر شاہد ہیں۔خود بھی تجارت فرما کر اس پیشہ کو اعزاز بخشا۔(۶۰) اسلام میں تجارت سے مقصود محض نفع کمانا نہیں بلکہ انسانی ہمدردی باہمی تعاون اور خدمت خلق ہے۔مادی منفعت ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔اس لئے نبی رحمت ﷺ نے تجارت میں ان تمام صورتوں کو ناجائز قرار دیا ہے جن میں لوگوں کا استحصال ہوتا اور ان کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی یا دھوکہ ہوتا ہو۔تفصیل کے لئے صحاح ستہ اور مشکوۃ وغیرہ میں کتاب البیوع کو دیکھا جاسکتا ہے۔

المختصر معاشی ترقی واستحکام اور غربت کے خاتمہ کے لئے ضروری ہے کہ:

i۔ اندرون اور بیرون ملک تجارت کے فروغ کے لئے کاروباری لوگوں کو تمام ممکنہ مراعات اور تحفظ فراہم کیا جائے اور ان پر ناروا ٹیکس عائد کرنے سے گریز کیا جائے کیونکہ ٹیکس کی زد بھی بالآخر صارفین پر ہی پڑتی ہے۔

ii۔ کاروباری معاملات کی نگرانی اور ہر قسم کی بدعنوانیوں اور استحصال کے خاتمہ کے لئے دیانتدار افراد پر مشتمل ایک ادارہ قائم کیا جائے جو ناپ تول میں کمی ملاوٹ' ذخیرہ اندوزی اور ناجائز منافع خوری وغیرہ جیسی خرابیوں کا ازالہ کرے۔مصنوعات کے مطلوبہ معیار اور ان کی تیاری کے طریقوں پر کڑی نگاہ رکھے اور بدعنوانی کے مرتکب افراد کا سختی سے محاسبہ کرے۔

iii۔ ہر قسم کے معاہدوں سے پیدا ہونے والی اجارہ داریوں کو ممنوع قرار دیا جائے جن کے ذریعے بڑے صنعتکار تاجر باہم سمجھوتہ کر کے اشیاء کی من مانی قیمتیں مقرر کرتے ہیں اور عوام آزاد مقابلہ سے مستفید نہیں ہو پاتے۔سامان تعیش اور شرعی نقطہ نظر سے ناجائز اور خراب اشیاء کی تیاری اور درآمد پر پابندی عائد کی

۵۸۔ مجلة الاقتصاد الاسلامی عدد ۴۷ ص: ۶ شوال ۱۴۱۵ ھ

۵۹۔ سورۃ جمعہ: ۱۵'سورۃ النساء: ۲۹'سورۃ فاطر ۱۲۱'سورۃ البقرۃ: ۶۴'۱۷۵'۱۹۹

جائے۔

(۴) دولت کی منصفانہ تقسیم: معاشی ترقی واستحکام اور غربت کے خاتمہ کے لئے لازمی ہے کہ ملک میں وسائل رزق ودولت کی منصفانہ تقسیم کا اہتمام کیا جائے۔ اسلامی نقطہ نظر سے مال ودولت خواہ کسی شکل میں ہو اللہ کا پیدا کردہ اور دراصل اسی کی ملکیت ہے (۶۱) انسان کے پاس جو کچھ مال ودولت، زمین اور گھر بار ہے اس کی حیثیت نائب اور خلیفہ کی ہے نہ کہ خودمختار مالک کی۔ (۶۲) شریعت کہتی ہے کہ دولت کو کسی خاص طبقہ یا چند ہاتھوں میں محدود ہو کر نہیں رہنا چاہئے۔ (۶۳) بلکہ یہ دولت ایسے افراد تک بھی پہنچنی چاہئے جو پیدائشی دولت کے عمل میں اگرچہ براہ راست تو حصہ نہیں لیتے، مگر دولت کے اصل مالک رب کریم نے ان کے حقوق بھی دولت میں رکھے ہیں۔ (۶۴) ایسے افراد میں ماں، باپ، اولاد، قریبی رشتہ دار، یتیم محتاج، فقراء، مساکین، سائل، مسافر اور مقروض وغیرہ شامل ہیں۔ (۶۵)

دولت کی منصفانہ تقسیم کے لئے شریعت مصطفیٰ ﷺ نے ایک طرف تو ان تمام راستوں مثلاً سود، اجارہ داری، جوا، صحت استحصال، غبن، دھوکہ، ملاوٹ اور فراڈ وغیرہ کو مسدود کرنے کا حکم دیا ہے جن کے ذریعے دولت کا بہاؤ کسی فرد واحد یا معاشرے کے ایک مخصوص طبقہ کی طرف مڑ جائے جیسا کہ بدقسمتی سے وطن عزیز میں ہو رہا ہے۔ دوسری طرف زکوۃ، صدقات، نفقات، کفارات وصیت وراثت وقف ہبہ وغیرہ جیسے واجبی اور نفلی احکام دیئے ہیں۔ جن کے ذریعے دولت مستحقین اور ضرورت مندوں تک پہنچتی رہتی ہے۔

دولت کی منصفانہ تقسیم کے لئے دو کام بنیادی اہمیت کی حیثیت رکھتے ہیں:۔

i۔ ایک تو معاشی نظام سے سود کا خاتمہ شرعی نقطہ نگاہ سے ہر طرح کا سود حرام اور اللہ ورسول سے جنگ

۶۰۔(الف) سیرت حلبیہ: ۱: ۱۲۱ تا ۱۲۳، طبع بیروت (ب) طبقات ابن سعد: ۱: ۱۲۱، طبع بیروت

۶۱۔ سورۃ المؤمنون ۸۴، ۸۵، ۸۸۔ سورۃ البقرۃ: ۲۸۴۔ سورۃ نور: ۳۳

۶۲۔ سورۃ حدید: ۷ (ب) تفسیر کبیر للرازی: ۲۹: ۲۱۶ مصر

۶۳۔ سورۃ الحشر: ۷

۶۴۔ سورۃ الذاریات: ۱۹

۶۵۔ سورۃ البقرۃ: ۸۳، ۱۷۷، ۲۱۵۔ سورۃ التوبہ: ۶۰

تو ہے ہی (٦٦) عقلی اعتبار سے بھی یہ ایسی قباحت'ام الخبائث' یا ایسا ''مردار'' ہے کہ جب تک اس کو نہیں نکالا جائے گا نظام معیشت کا ''کنواں'' پاک نہیں ہوگا۔ موجودہ اضطراری حالات میں ایک خاص وقت تک تو سودی نظام کی گنجائش ہوسکتی ہے مگر مستقلاً اس کی گنجائش نہیں ہوسکتی نہ شرعاً نہ قانوناً نہ اخلاقاً۔

ii۔ دوسرا کام نظام زکواۃ کا مؤثر بھرپور اور دیانتدارانہ نفاذ ہے۔ لنگڑے' لولے اور برائے نام نظام زکوۃ سے معاشی مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ پروردگار عالم نے مسلمانوں پر اس کو ایسے ہی فرض قرار نہیں دیا۔ یہ ملک کے اندر غربت' افلاس' تنگدستی اور معاشی بدحالی کا سب سے بڑا علاج (یا اپریشن) ہے ارشاد نبوی ہے:۔

''یہ زکوۃ اغنیاء سے وصول کی جائے گی پھر اسی علاقے کے فقراء پر خرچ کی جائے گی'' (٦٧)

پاکستان میں پائے جانے والے حد درجہ معاشی تفاوت اور غربت کو ختم کرنے اور ضرورت مندوں کی کم از کم بنیادی ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لئے موجودہ نظام زکوۃ میں اصلاح پھر دیانتدارانہ وصولی اور دیانتدارانہ تقسیم ضروری ہے باقی سارے اقدامات ثانوی حیثیت رکھتے ہیں اس لئے کہ

کسے نہ باشد در جہاں محتاج کس
نکتہ شرع مبیں ایں است وبس

............☆............

٦٦۔ سورة البقرة: ٢٧٩

٦٧۔ صحيح بخاری (كتاب الزكوة) ١: ٢٠٣، طبع دهلی

سیرت نبوی ﷺ کی روشنی میں انسداد دہشت گردی

* ڈاکٹر محمد عبداللہ

دہشت کے معنی: ڈر خوف اور خطرہ اور دہشت گردی کے معنی خوف و ہراس پھیلانا ہیں (۱)

انگریزی میں دہشت کیلئے Terror کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے جس کے معنی ہیں: حد درجہ خوف' کسی شخص یا چیز کو خوفزدہ کرنا' اور دہشت گردی کے لئے Terrorism کا لفظ استعمال ہوتا ہے جس کے معنی ہیں: تشدد اور دھمکی کا استعمال۔(۲)

دہشت گردی ایک عام اصطلاحی لفظ ہے' چنانچہ جب یہ لفظ بولا جاتا ہے تو انسانی ذہن میں قتل' تشدد اور تباہی کے مناظر پیش کرتا ہے۔ دہشت اور دہشت گردی میں کچھ فرق ہے جس کا اظہار درج ذیل Definition سے ہوتا ہے۔

"دہشت کو برسر اقتدار سیاسی گروہ کے خلاف بعض سیاسی معاشی و معاشرتی نظریات تبدیل کرنے کے لئے دباؤ کے طور پر استعمال کئے جانے کا نام دہشت گردی ہے' اس میں تشدد کے استعمال کی دھمکی بھی شامل ہے اور تشدد کا بھرپور استعمال بھی" (۳)

دہشت گردی کی سادہ الفاظ میں تعریف یوں کی گئی ہے:۔

"دہشت گردی ایک ایسا فعل ہے جس میں بڑی منصوبہ بندی اور سوچ و بچار کے بعد تشدد اور تباہی کا مخصوص راستہ اپنایا جاتا ہے تا کہ خاص سیاسی' مذہبی یا لسانی و نسلی مقاصد حاصل کئے جاسکیں۔ اگر یہ فعل مالی فوائد حاصل کرنے کے لئے کیا گیا ہو تو ایجنسی مذکورہ یا ریاست کو بھاری

---

* شعبہ اسلامیات، گومل یونیورسٹی، ڈیرہ اسماعیل خان

۱۔ فیروز اللغات' ص ۶۵۸' فیروز سنز لمیٹڈ لاہور۔

۲۔ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، The Oxford Guide to the English Language, P-537,

۳۔ انعام الرحمٰن سحری' دہشت گردی' ص ۴۳' سنگ میل پبلیکیشنز لاہور

مالی نقصان سے دوچار کردے گا۔(۴)

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں دہشت گردی کی وضاحت درج ذیل الفاظ سے کی گئی ہے۔

`` Terrorism , The systematic use of terror or unpredictable violence against Governments , public or individuals to attain a political objective. Terrorism has been used by political organisations with both Rightist and Leftist objectives, by nationalistic and ethnic groups, by revolutionaries and by the armies and secret police of governments themselves "(5)

ورلڈ بک انسائیکلوپیڈیا میں دہشت گردی اور اس کے مقاصد کے بارے میں یہ تحریر کیا گیا ہے:

" Terroisem is the use or threat of violence to create fear and alarm. terrirists murder and kidnap people, set off bombs. hijack airplanes, set fires and commit other serious crimes. But the goals of terrorists differ from those of ordinary criminals. Most criminals want money or some other form of personal gain. But most terrorists commit crimes to support political causes"(6)

دہشت گردی کے بارے میں درج بالا آراء سے واضح ہوتا ہے کہ دہشت گردی وہ فعل ہے جس

۴۔ ایضاً ص۔۴۰

۵۔ The New Encyclopaedia Britannica,Vol 11, P-650 ,

۶۔ The World Book Encyclopaedia, Vol 19, P--178

میں دہشت گرد انسانی زندگیوں سے کھیلتے ہیں۔ بے گناہ لوگوں کو قتل کیا جاتا ہے۔ بعض لوگوں کو اغواء کر کے بھاری تاوان طلب کیا جاتا ہے۔ املاک کو آگ لگا کر یا بم استعمال کر کے تباہ کیا جاتا ہے۔ بعض اوقات ہوائی جہاز ہائی جیک کر لئے جاتے ہیں۔ مزید براں جنسی تشدد' مال و دولت کی چوری اور راہزنی کے مختلف واقعات کے پس پردہ بھی دہشت گرد افراد کارفرما ہوتے ہیں۔

مذکورہ بالا Definations سے یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ دہشت گردی کا ارتکاب افراد بھی کرتے ہیں اور مختلف گروہ' تنظیمیں' بعض سیاسی جماعتیں و (نام نہاد) مذہبی گروہ بھی دہشت گردی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں بعض حکومتیں بھی دہشت گردی کی کاروائیوں میں ملوث ہوتی ہیں۔ دہشت گردی کی ان مختلف تعریفوں Definations سے دہشت گردی کے مقاصد کا بھی پتہ چلتا ہے کہ بعض مجرم یعنی دہشت گرد مال و دولت کی ہوس یا دیگر ذاتی مفادات کے لئے دہشت گردی کا ارتکاب کرتے ہیں لیکن عمومی طور پر دہشت گردی' سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے کی جاتی ہے۔ بعض اوقات نفسیاتی مریض اور معاشرے کے بعض شکست خوردہ افراد بھی اپنی مایوسی (Frustration) کے باعث دہشت گردی کی کاروایوں میں ملوث ہو جاتے ہیں۔

دہشت گردی کی مختلف نوعیّتوں اور صورتوں کا مطالعہ کرنے سے یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ دہشت گردی صرف قومی یا ملکی سطح کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک عالمی مسئلہ ہے اور مختلف ممالک اور اقوام بین الاقوامی دہشت گردی کا شکار ہیں۔ بین الاقوامی دہشت گردی کی مختلف شکلیں اور صورتیں ہیں مثلاً کسی ملک کے خلاف بلا جواز اقتصادی پابندیاں لگا دینا' کسی قوم کو اپنے وسائل اپنے اختیار سے استعمال کرنے سے بزور قوت روکنا' کسی ملک میں مختلف حیلے بہانوں سے افواج داخل کر کے قتل عام کرانا' چھوٹے ممالک کو آپس میں لڑا کر ان کی توانائیاں ضائع کر کے انہیں کمزور کرنا' کسی قوم کو حق خودارادیت سے محروم کرنا

۷۔ اس کی عملی مثالیں دنیا میں موجود ہیں مثلاً عراق' لیبیا اور افغانستان' پر اقتصادی پابندیاں لگائی گئیں ہیں' عراق کو اپنے وسائل مثلاً تیل کی برآمد کیلئے اقوام متحدہ سے اجازت لینے کا پابند بنا دیا گیا' چیچنیا میں بلا جواز روس نے اپنی افواج داخل کر کے وہاں عوام کے قتل عام کا سلسلہ شروع کیا عراق اور ایران کے مابین جنگ کرا کے ان کے وسائل کو ضائع کرا دیا گیا ہے اور دونوں کی فوجی طاقت کمزور ہو چکی ہے۔ انڈیا نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزرنے کے باوجود کشمیری مسلمانوں کو حق خودارادیت سے بزور قوت محروم کئے ہوئے ہے۔

وغیر(۷)۔

بین الاقوامی دہشت گردی کے مقاصد اور صورتیں مختلف ہیں۔ امریکہ کی مشہور زمانہ تنظیم سی۔ آئی۔اے(C.I.A) نے عالمی دہشت گردی کی تعریف یوں کی ہے:

''تشدد تباہی کا خوف پیدا کرنا ہی دہشت گردی ہے اور مقصد یہ کہ سیاسی عزائم حاصل کئے جائیں۔خصوصاً ان حالات میں جبکہ دہشت گردی کی کاروائیاں ارباب اختیار پر اثر انداز ہونے کے لئے کی جائیں۔ان کے رویئے تبدیل ہو جائیں۔حکومتی لوگوں کی بے چینی عام لوگوں کی پریشانی اوران کا خوف اور دہشت گرد تنظیم کی کامیابیاں اس مخصوص علاقے' ریاست یا حکومت کی سرحدیں پار کر کے عالمی سطح پر ہلچل پیدا کر سکیں۔(۸)

دہشت گردی کے مرتکب افراد اور تنظیموں کو اس امر سے کوئی سروکار نہیں ہوتا کہ دہشت گردی کا شکار ہونے والے لوگوں کے اعزہ واقرباء پر کیا گزرے گی اور نہ ان کے نزدیک اس چیز کی کوئی اہمیت ہے کہ املاک کے نقصان سے افراد اور ملکی معیشت کو کتنا نقصان پہنچے گا ایسے افراد اور گروہ اپنی ظالمانہ کاروائیوں پر نادم و پریشان بھی نہیں ہوتے بلکہ مختلف حیلوں سے دہشت گردی پر مبنی اپنی کارروائیوں کے مختلف جواز پیش کرتے ہیں۔

دیگر جرائم اور دہشت گردی میں بہت بڑا فرق ہے۔مثلاً چوری کرنا ایک جرم ہے لیکن دہشت گردی صرف جرم ہی نہیں بلکہ خوف و ہراس پھیلانے کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔مختلف جرائم کے اثرات وقتی اور چند لوگوں تک محدود ہوتے ہیں لیکن دہشت گردی کے اثرات طویل المیعاد ہوتے ہیں اور پورا معاشرہ اس سے متاثر ہوتا ہے۔

دہشت گردی قومی و ملکی سطح پر ہو یا عالمی سطح پر اس سے حکومت اور عوام دونوں متاثر ہوتے ہیں۔ معاشرتی سکون تباہ ہو جاتا ہے۔انسانی تمدن کی بنیاد منہدم ہو جاتی ہے اور انسانی زندگی کے تمام شعبے متاثر ہوتے ہیں۔نتیجتاً زندگی مفلوج ہو کر رہ جاتی ہے۔دہشت گردی ایک عالمی مسئلہ بن چکا ہے اور یہ پوری

۸۔ انعام الرحمٰن سحری' دہشت گردی۔ص ۴۴۔

انسانیت کے لئے بہت بڑا المیہ ہے۔لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ مختلف اقوام اور مختلف ممالک نے اب تک انسداد دہشت گردی کے لئے کیا اقدامات اٹھائے ہیں۔معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں یا تو سنجیدہ کوششیں ہی نہیں کی گئیں۔یا ادھورے اقدامات کئے گئے ہیں۔یا اس مسئلہ کو مسئلہ ہی نہیں سمجھا گیا کہ بعض قوتوں کا مفاد اس چیز میں مضمر ہے کہ دہشت گردی کا سلسلہ جاری رہے۔

دنیا میں انسانوں کی اکثریت کسی نہ کسی مذہب کی ضرور پیروکار ہے۔مگر اکثر مذاہب میں دین اور دنیا کی تفریق کی وجہ سے اس مسئلہ کو مذہبی تعلیمات کی روشنی میں حل کرنے کی طرف توجہ ہی نہیں دی گئی۔ حالانکہ قریباً تمام مذاہب میں قتل و غارت گری جیسے افعال سے روکا گیا ہے اور ان کی مذمت کی گئی ہے لیکن اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب میں احترام حیات انسانی' جان و مال' اور عزت و آبرو کی حرمت کی خلاف ورزی کرنے والے افراد کے لئے وعیدوں اور سزاؤں کا وہ تصور موجود نہیں جو اسلام میں موجود ہے۔لہٰذا اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ انسداد دہشت گردی کے لئے اسلام کے قوانین و احکام کو مشعل راہ بنایا جاوے۔اس لئے کہ اسلام ایک الہامی' عالمگیر اور مکمل دین ہے۔

اسلام کے احکام معلوم کرنے کے بنیادی ذرائع اللہ کی کتاب قرآن حکیم اور پیغمبر اسلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔جس طرح اسلام ایک عالمگیر دین ہے اسی طرح قرآن بھی ایک عالمگیر کتاب ہے اور محمد رسول اللہ ہی عالمگیر پیغمبر ہیں۔انسداد دہشت گردی کے مکمل احکام قرآن حکیم اور سیرت رسول' دونوں میں موجود ہیں لیکن زیر نظر مقالہ میں صرف سیرت نبوی کی روشنی میں انسداد دہشت گردی پر بحث کی جائے گی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس قوم کی طرف مبعوث فرمائے گئے تھے۔وہ قوم ہر قسم کی برائیوں میں مبتلا تھی۔اس قوم میں احترام انسانیت نام کی کوئی چیز موجود نہ تھی۔وہ ایسی جنگجو قوم تھی کہ ایک قتل کے نتیجے میں انتقاماً کئی قتل کئے جاتے اور دشمنی کا سلسلہ نسل در نسل چلتا اور قتل و غارت کا بازار گرم رہتا۔

مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت انقلاب کے نتیجے میں تھوڑے عرصہ کے اندر وہ قوم دنیا کی مہذب ترین قوم بن گئی۔چنانچہ مختلف قافلے بے خوف و خطر ایک مقام سے دوسرے مقام تک سفر کرتے اور

کسی کی جان و مال کو کوئی نقصان نہ پہنچتا۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ آج دنیا میں انسانی جان و مال کی حرمت کا کوئی قانون کہیں نافذ ہے تو وہ اس انقلاب سے ضرور متاثر ہے جو انقلاب محمد رسول اللہ نے برپا کیا تھا۔ چنانچہ دہشت گردی (جس کا نشانہ عموماً انسانی جانیں اور اموال ہوتے ہیں) کے انسداد کے لئے سیرت نبوی سے رہنمائی حاصل کی جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا' وہ انسانیت کی ہر قسم کی بھلائیوں کا سب سے بہترین منشور ہے۔ اس خطبہ میں جامع طور پر انسانی زندگی کے تمام اہم پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ رسول اللہ نے اپنے اس آخری خطبہ میں انسانی جان و مال کی عزت و حرمت کو انتہائی مؤثر اور دل نشین انداز میں واضح فرمایا' جس کا اندازہ درج ذیل حدیث سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

"عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حجۃ الوداع الا ان احرم الایام یومکم ھذا الا وان احرم الشھور شھرکم ھذا الا و ان احرم البلد بلدکم ھذا الا و ان دماء کم و اموالکم علیکم حرام کحرمۃ یومکم ھذا فی شھرکم ھذا فی بلدکم ھذا .(۹)

"حضرت ابو سعید فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایا' خبردار تمام دنوں میں سب سے زیادہ حرمت والا دن یہ ہے۔ خبردار تمام مہینوں میں سب سے زیادہ حرمت والا مہینہ یہ ہے' خبردار تمام شہروں میں سب سے زیادہ حرمت والا شہر یہ ہے۔ خبردار' تمہاری جان' تمہارے مال ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح اس دن اس مہینہ اور اس شہر کی حرمت ہے)

مؤمن کی جان و مال کی حرمت' اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت زیادہ ہے۔ اس بارے میں درج ذیل حدیث مبارک ملاحظہ فرمائیے۔

"حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خانہ کعبہ کا

۹۔ ابن ماجہ السنن جلد دوم' باب حرمة دم المومن و ماله' : ۴۶۸/۲۔ دینی کتب خانہ اردو بازار لاہور

طواف کرتے دیکھا۔ اور یہ فرماتے (سنا) تو کتنا پاکیزہ ہے۔ اور تیری خوشبو کتنی پاکیزہ ہے۔ تو کتنا عظیم اور تیری حرمت کتنی عظیم ہے۔ (لیکن) قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے، مومن کے جان و مال کی حرمت اللہ کے نزدیک تجھ سے زیادہ ہے۔ اور ہمیں مومن کے ساتھ نیک گمان رکھنا چاہئے۔"(۱۰)

کبیرہ گناہوں کی فہرست کافی طویل ہے لیکن کبیرہ گناہوں میں چار گناہوں کو اکبر الکبائر یعنی بڑے بڑے گناہوں میں زیادہ بڑے گناہ قرار دیا گیا ہے۔ ان چار میں قتل (ناحق) بھی شامل ہے۔ رسول اللہ کا فرمان مبارک ہے۔

" عن انس بن مالک عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اکبر الکبائر الاشراک باللہ و قتل النفس و عقوق والوالدین و قول الزور."(۱۱)

"حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم نے ارشاد فرمایا کہ کبیرہ گناہوں میں بڑے گناہ (یہ ہیں) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا اور جان کو قتل کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹ بولنا"۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

" لا ترجعوا بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض "(۱۲)

"میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے واضح ہو رہا ہے کہ یہ کافروں کا طریقہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کی گردنیں مارتے ہیں یعنی قتل ناحق کے مرتکب ہوتے ہیں۔

۱۰۔ ایضاً

۱۱۔ ایضاً

۱۲۔ ایضاً

۱۳۔ ایضاً

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:۔

"عن عبد الله قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اول ما یقضیٰ بین الناس یوم القیامة فی الدماء"(۱۳)

"حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز لوگوں کے درمیان سب سے پہلے خون کا فیصلہ کیا جائے گا۔"

قتل ناحق کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

"عن البراء بن عازب ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لزوال الدنیا اهون علی الله من قتل مومن بغیر حق"(۱۴)

"حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ حضور اکرم نے فرمایا' اللہ کے نزدیک دنیا کا ختم ہو جانا ایک مسلمان کے ناحق قتل سے زیادہ سہل ہے۔"

بیان کی گئی احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ وضاحت ہو رہی ہے کہ انسانی جان و مال کی حرمت اللہ کے نزدیک بہت زیادہ ہے خون ناحق کا شمار اکبر الکبائر میں ہوتا ہے۔ قیامت کے روز سب سے پہلے قتل کا فیصلہ کیا جائے گا اور اللہ کے نزدیک دنیا کا ختم ہو جانا ایک مسلمان کے ناحق قتل سے زیادہ سہل ہے۔

ناحق قتل سے مراد یہ ہے کہ کسی انسان کو بغیر کسی شرعی سبب کے قتل کر دیا جائے۔ شرعی سبب کے ساتھ قتل کرنے کی تین صورتیں ہیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان مبارک سے ثابت ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

"کسی مسلمان کا خون کرنا حلال نہیں مگر تین باتوں میں سے ایک کے ساتھ۔ نکاح کے بعد زنا کرنے۔ یا مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہو جائے یا کسی کو بغیر حق کے مار ڈالے اور اس کے بدلہ میں قتل کیا جائے۔"(۱۵)

۱۴۔ کتب حدیث

۱۵۔ کتب حدیث

قتل ناحق کی مختلف صورتوں میں ایک صورت دہشت گردی بھی ہے اس لئے کہ دہشت گرد بعض دنیاوی مقاصد کی تکمیل کے لئے بے قصور انسانوں کو بغیر کسی شرعی سبب کے موت کے گھاٹ اتارنے کے قبیح فعل کے مرتکب ہوتے ہیں۔ انسداد دہشت گردی اس وقت ممکن ہے جب دہشت گرد کو جرم ثابت ہونے پر قرار واقعی سزا دی جائے۔ اسلام نے مختلف جرائم کے لئے جو سزائیں مقرر کی ہیں ان پر عملدرآمد سے نہ صرف عدل وانصاف کی تکمیل ہوتی ہے۔ بلکہ عبرت کا وہ سامان پیدا ہوتا ہے کہ جرائم میں کافی حد تک کمی واقع ہو جاتی ہے۔ چونکہ دہشت گردی میں کسی انسان کا قتل، قتل عمد کی مثل ہے لہٰذا اسکی سزا وہی ہوگی جو قتل عمد کی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس کا کوئی آدمی قتل ہو جائے اسے دو باتوں کا اختیار ہے چاہے اس کا فدیہ لے، چاہے قتل کرے'' (۱۶)

قرآن وحدیث کی رو سے قتل کی سزا قصاص ہے اور چونکہ دہشت گردی میں انسانی جان کا قتل، قتل عمد کی مثل ہے اس لئے ایسی دہشت گردی جس میں انسانی جان کو قتل کیا گیا ہو اس کی سزا بھی قصاص ہے۔ واضح رہے کہ قصاص میں مسلم وغیر مسلم کی بھی کوئی تفریق نہیں ہے کیونکہ قصاص کا حکم عام ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں درج ہے کہ

''مسلمان کے قصاص میں کافر قتل کیا جائے گا یہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے اور ذمی کے قصاص میں مسلمان اور ذمی کے قصاص میں ذمی قتل کیا جائے گا یہ کافی میں ہے۔'' (۱۷)

یہاں یہ واضح رہے کہ اس صورت میں قصاص نہیں کہ جب اولیاء مقتول معاف کر دیں یا صلح کر لیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درج بالا فرامین کی روشنی میں انسداد دہشت گردی کے لئے جو اصول ملتے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱۶۔ حدیث نبوی

۱۷۔ فتاوی عالمگیری

۱۔ لوگوں کے اذہان میں یہ تصور اچھی طرح راسخ کرنے کی کوششیں کی جائیں کہ اللہ تعالیٰ جو انسانوں کا اور پوری کائنات کا خالق و مالک ہے اس کے نزدیک انسانی جان و مال کی حرمت بہت زیادہ ہے تاکہ دہشت گردی کے عزائم رکھنے والے افراد میں خوف خدا پیدا ہو اور وہ اس بھیانک جرم سے باز رہیں۔

۲۔ تمام کبیرہ گناہوں، خواہ وہ حقوق اللہ سے تعلق رکھتے ہوں یا حقوق العباد سے ان کی قباحتوں اور برے انجام کا معاشرے میں احساس پیدا کرنا، خصوصیت سے یہ واضح کرنا کہ قتل ناحق انتہائی بڑے گناہوں میں سے ایک ہے۔

۳۔ روز آخرت پر ایمان کی پختگی انسانوں کو پاکیزہ اور پرامن زندگی گزارنے کے لئے تیار کرتی ہے۔ اور انسان آخرت کے محاسبہ اور سزا کے خوف سے برائیوں سے بچتا ہے دیگر برائیوں کے ساتھ ساتھ قتل ناحق کے برے نتائج کو معاشرے کے سامنے واضح کرنے اور رسول اللہ کے فرمان کے مطابق یہ احساس دلانے کی کوششیں کی جائیں کہ قیامت کے روز لوگوں کے درمیان سب سے پہلے خون کا فیصلہ کیا جائے گا۔

۴۔ جو لوگ دہشت گردی جیسے ظالمانہ فعل کا ارتکاب کریں۔ ان سے کسی قسم کی رعایت نہ کی جائے اور ان پر شرعی سزاؤں کے نفاذ میں بالکل تاخیر نہ کی جائے۔ کیونکہ شرعی سزائیں عدل و انصاف پر مبنی ہیں اور لوگوں میں عبرت پیدا کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہیں، جس سے معاشرہ میں قتل و غارت گری اور دیگر جرائم کے عازم افراد کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے اور جرائم میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔

اسلام امن و سلامتی کا دین ہے اور امن و آشتی کو دنیا میں قائم کرنے کا علمبردار ہے۔ اس عظیم مقصد کے حاصل کرنے کا ایک ذریعہ جہاد ہے جبکہ بعض غیر مسلم قوتیں جہاد کو دہشت گردی کا نام دے رہی ہیں حالانکہ جہاد کے مقاصد اور دہشت گردی کے مقاصد ایک دوسرے کے متضاد ہیں، جہاد تو مدافعت و حفاظت خود اختیاری کے لئے کیا جاتا ہے۔ معاہدات کو بار بار توڑنے والوں کے خلاف کیا جاتا ہے احترام انسانیت اور مظلوموں کی دست گیری کے لئے کیا جاتا ہے اور استعمار پسند حکومتوں کے خلاف کیا جاتا ہے۔

جبکہ دہشت گردی کے مقاصد ہی خوف و ہراس پھیلانا اور قتل و غارت گری ہیں لہٰذا جہاد اور دہشت گردی میں بہت بڑا فرق ہے۔ وطن عزیز پاکستان میں بھی دہشت گردی اپنی مختلف شکلوں میں موجود ہے۔ جس کا انسداد نہایت ضروری ہے۔ اور یہ انسداد اس وقت ممکن ہے جب ملکی دہشت گردی کے اسباب و محرکات معلوم کئے جائیں اور ان کے انسداد کے لئے عملی اقدامات کئے جائیں۔ چونکہ اتباع سیرت ہی اجتماعی امن کی ضامن ہے لہٰذا یہ ضروری ہے کہ یہ اقدامات سیرت نبوی کی روشنی میں کئے جائیں تا کہ دہشت گردی کا مکمل خاتمہ ہو اور پورے ملک میں امن و امان کا بول بالا ہو۔

ہمارے ملک میں دہشت گردی کا سبب بننے والے اسباب و محرکات میں سب سے پہلا سبب ہمارا فکری انحطاط ہے نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزرنے کے باوجود ہم نظریہ اسلام کے مطابق قانون سازی نہیں کر سکے۔ چونکہ ہمارے ہاں دینی اقدار کی صحیح طور پر ترویج نہیں ہوئی اس لئے دینی اقدار کو اختیار کرنے میں ہم سخت کاہلی اور سستی کا شکار ہیں عقائد کی پختگی اور اعمال صالحہ کی انجام دہی' ہی ہمیں دہشت گردی جیسی برائیوں سے روک سکتی ہے۔

اس سلسلے میں دوسرا سبب ہمارا معاشرتی نظام ہے جس میں اخوت' ہمدردی' مساوات' ایثار' درگزر جیسے اخلاق حسنہ پر عمل کرنے کا رجحان دن بدن کم ہوتا جا رہا ہے۔ اور اجتماعی انصاف کا فقدان ہے۔ معاشرتی ناہمواریاں بھی جرائم پر آمادہ کرنے کا سبب بنتی ہیں۔ دہشت گردی کا تیسرا سبب ہمارا معاشی نظام بھی ہے۔ دولت کی غیر منصفانہ تقسیم اور فقر و غربت جرائم کی حوصلہ افزائی کا ذریعہ بنتے ہیں۔

ہمارا تعلیمی نظام' دہشت گردی کے محرکات میں چوتھا بڑا محرک ہے۔ آزادی کے بعد طویل عرصہ گزرنے کے باوجود ہم اپنے بنیادی نظریہ یعنی اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنے نظام تعلیم اور نصاب تعلیم کو مدوّن نہیں کر سکے۔ ہمارا نصاب تعلیم نہ تو ہماری دینی ضروریات پوری کرتا ہے اور نہ دنیوی ضروریات کی تکمیل کا اس میں سامان موجود ہے۔ مزید برآں نئی نسل کی اکثریت زیور تعلیم و تربیت سے محروم ہے جس

۱۸۔

کے نتیجے میں جہالت بڑھ رہی ہے۔ نظریاتی تعلیم کا فقدان اور نظریہ اسلام کے مطابق نئی نسل کی تربیت نہ کرنا بھی وہ بنیادی عوامل ہیں جو قوم کو بے راہروی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ اور جرائم عام ہو رہے ہیں۔

ہمارے ملک میں دہشت گردی کا سبب بننے والے مختلف اسباب و محرکات یعنی فکری انحطاط' معاشرتی ناہمواریوں' معاشی خرابیوں اور تعلیمی انحطاط کے تدارک کے لئے ہمیں سیرت نبوی کی طرف رجوع کرنا پڑے گا' جس میں ہمارے لئے مکمل رہنمائی موجود ہے۔

............☆............

Let Us know the Quran Better

* Dr. Muhammad Mahdi Tawassali

The means for establishing the messengerhood of the Prophet of Islam are those you scholars certainly know better. The conditions and clear signs which must exist in every bearer of a heavenly message must be shown to exist also in the Prophet of Islam.

Prophethood and messengerhood are closely and inseparatbly linked to the miracle that proves the relationship of the claimant to prophethood with the supra-natural realm; the miracle is the clearest and most objective evidence that disarms those who would illogically deny prophethood, for it demonstrates that the claim of the Prophet is founded on a reality.

All the Prophets had but a single aim in fulfilling their Divine missions; their teachings are all of a similar type, not with standing the peculiarities of the mission of each, and the truths they expounded concerning the supra-natural realm differ only with respect to the degree of detail. It is true that there are diferences with regard to acts of worship and social dealings; a common

---

* Director of Iran Pakistan Cultural Institute of Persian, Islamabad

principle is implemented in differing ways that take into consideration the specific charactristics of each age and represent an evolutionary process.

It appears that one of the reasons for the variation in miracle, is that in the times of earlier Propets, people were inclined to believe on the basis of material observations of visible objects that lacked any spiritual content. The feeters imposed on human thought by the seers and sages of these times caused people's attention to be limited to a particular realm, which, in turn, was the most significant factor in separating them from God and causing their minds to stagnate. The destruction of such a limited mode of thought was therefore of necessity a principal aim of the Prophets.

The Prophets were entrusted by God with the duty of attacking this source of error by confronting the seers and soothsayers with deeds of a type similar to that which they performed, but enjoying a special advantage that placed them beyond the reach of all competition. By the power of the miracle they negated and destroyed that particular cause of the human being's separation from God-the concentration of their attention on the dazzling acts performed by the soothsayers of the age which enslaved their spirits. By demonstrating their own miracles and

setting forth the realistic principle of Divine relition, they opened the doors of guidances, growth, and development toward perfection, and linked all dimensions of human life and activity to God. All of this survies from the real nature of the miracle.

The Propeht of Islam began conveying his heavenly message in the midst of a society where people's minds revolved exclusively around elequent speech and the composition of beautiful and attractive poetry and literary excellence. Precisely this concentration on a field of activity that cannot be counted among the basic and vital concerns of the human being was an important factor in prolonging the stagnation of thought and lack of attention to the source of all existence. Under these conditions, God equipped His Prophet with a weapon, the Quran, that apparently belonged to the same category as the literary works of the age but possessed unique and astonishing characteristics that wre beyond the capacity of the human being to reproduce.

The Quran's sweetness of speech, the attraction exerted by the verses of God's book, filled the hearts of the Arabs with new feeling and percepiton. Their deep attention was drawn to this Divine trust that had come to them, this inimitable work. Fully versed as they were in the arts and subtleties of rhetoric, they realized that the

extraordinary eloquence of the Quran was beyond the power of man to produce. It was impossible for someone to hear the Quran and understand its meaning without being profoundly affected by its power to attact. From the beginning of revelation, the Quran was,then, the most important factor in bringing the human being to God's religion.

Moreover, if the Prophet of Islam had performed some miracle other than the Quran, it would have had no meaning for that people, given their mental structure. The path have been open for all kinds of doubt and hesitation. But the Rabs of that age who were addressed by the Quran could never have any doubts about its extraordinary eloquence, for they were well aware of all the mysteries of rhetoric and had living among them masters of language and literary composition.

At the same time, since the Quran is intended to be an eternal miracle, revealed to make science and learning blossom among human beings, it is also a scientific miracle. It was expounded, in the most eloquent fashion, truths of a metaphysical nature together with every thing that touches, however slightly, on the happiness of wrretchedness of the human being. Although those who are not acquanted with the Arabic language cannot fully appreciate its

miraculousness, they can perceive the miraculous nature of the meanings and truths it contains.

The limitation in time of the miracles performed by the earlier Prophets was an indication of the impermanence of their religions and the laws that they brought. By contracst, the miracle attesting to the prophethood for th Prophet of Islam cannot be temporally limited, because his message is universal and represents the culmination of all preceding religions; his prophethood requires an eternal miracle, a brilliant and eloquent proof of its immortality.

A permanent message must display to mankind a permanent and everylasting miracle, one which advances with time, so that just as it offered convincing proof to people of the past, it may do the same to people of the future. A short-lived miracle that is imperceptible to later generations cannot be a source of reference or judgmment for the future.

For this reason, the Quran is presented as permanent and everlasting miracle, the final manifestation of God's revelation. The Quran itself says:

وتمت کلمت ربک صدقا وعدلاً لامبدل لکلماته وهو السميع العليم (الانعام ۱۱۵)

From the very first day when he presentd his religion as a universal school of thought, the influence of which was not to be

contained by geographical or ethnic boundaries, the Prophet of Islam displayed this proof of his messengerhood to the whole of mankind, as a living proof that his mission and the revolutionary movement he inaugurated represented the final chapter in the history of prophet's missions and movements.

The Quran does not represent an ideological weapon for temporary use in moving from an inferior social system to a superior one at a given stage in history; it represents the permanent ideology of the human being living in the social and intellectual order of Islam. The miracle accompanying the mission of the beloved Prophet of Islam brings to an end all the previous messages, limited as they wre to a certain time. In its unique style, the Quran provides the human being with all necessary guidance by means of either recalling the circumstances leading to the revelation of various verses or of recounting of historical narratives or of describing the events that took place during the life of the Prophet, or by means of various similles and comparions that touch on the different concerns of human life and guide the human being in the direction of higher degrees. By analyzing the stories and events contained in the Quran, which include also a distinctively. Quranic mode of judgment, it is possible to reduce certain general principles.

Although the gradual and orderly descent of the Quranic revelation was regarded as a defect by superficial and ignorant people, it should, in fact, be recognized as a principal factor in the triumph of the Prophet's message, given the conditions of the age and the events with which he was confronted.Just as chronic disease require long-term treatment, a continuous struggle agaisnt the factors that constantly prevent the human being form perceiving the truths of existence and stand in the way of his growth and development must be grounded on a firm ideational basis and a comprehensive social organization.

Only then will it be able to implement it goals over a period of time and guide human beings to its ultimate purpose - their liberation from self-alienation.

Solutions whose efficacy does not transcned events limited in time and space will be unable to solve the problmes of the human being. Islam represents the only system which is able to answer those problems because of the attention it pays to all phenomena.

For Muslims, the miraculousness of the Quran is matter of religious belief; for scholars and researchers, it is a matter of scientific belief; The Quran possesses a remarkable comprehensiveness and richness, with respect to its worldview and

scientific content, and its ability to guide the individual and society. There are still many matters contained in the Quran that call for investigation and await discovery by further reserch.

The Extraordinary Richness of The Quran:

The Quran represents the Principal source of all researches concerning the Islamic school of thought. Moreover, in every age and every part of the world, It can serve as the basis for a developed and free society which enables all the hidden capacities and potentials of the human being to blossom in all their dimensions; it lays down a path to the idea society and the government of God.

More than fourteen centuries have passed since the revelation of the Quran. Throug out this period, mankind has undergone umerous changes, and passing through repeated stages of development and growth, it has attained a more comprehensive awareness of the mysteries of creation. Nonetheless, the Quran has at all times retained its proud and dignified presence on the stage of human history.

When this mircle first came into existence, at a time when the foundations of human thought and not fully developed, it served to prove categorically the messengerhood of the Prophet of Islam. In the present age, as the human being discovers in the treasure

house of the Quran, more and more remarkable indications, commensurate with his own growth in perception, knowledge and civilization, the Quran still stands as a permanent historical miracle and a living universal proof for the veracity of the Sea of the Prophets. The increase in the volume of human knowledge and the opening up of new horizons of thought have given us the chance to benefit more fully from the Quran than past generations.

If the Quran had been to able establish itself only during a certain segment of time and in a limited spatial environment, it would not have been able thus miraculously to advance together with time. The reason for the eternal vitality and authenticity of the Quran is that it has always been a source for spiritual guidance and command in the face of the cahnging events of time.

History bears witness that the emergence of the Seal of the Prophets and his mode of activity with in society marked the beginning of a new stage in human thought and ratiocination and in the developemnt and expansion of the will and independence of the human being. For in his growth to maturity, the human being now advanced in his investigations from the stage of more observation to place of simplistic assumption. All this is indicated by the fact the human beings; acceptane of true faith was no longer on the basis of

miracles involving supranatural or extraordinary phenomena, as was the case with the mission of previous Prophets.

Human beings turning to faith on the basis of knowledge and thought something to which the Quran repeatedly invites human beings - represents itself the miracle wrought by the heavenly message as Islam. Reliance on sensory miracles would not have been compatible with the nature of the final Divine message and its aim of liberating the human being and fostering the growth of his intellect. God, therefore, prepared the human being in the course of many thousands of years to receive the final guidance. Our investigations of the Quran can be of value only when we empty our minds of all pre-existing notions and attitudes, because fanatical convictions concerning the contents of the Quran will yield nothing but mental stagnation and immobility. This is a pitfall that every alert and fair-minded researcher must seek to avoid.

It is an undeniable reality that the Quran is too elevanted a book to be the product of ideas held by a group of scholars. It is even more impossible for it to have been produced by a single individual or to have been borrowed by him from other sources, particularly an individual who was unlettered, had not even stuadied, and had grown up in the degenerate environment of the Arabian

peninsula at that time, an environment which was **totally** alien to science and philosophy.

When we consider the system and program of action proposed by the Quran for the uplift of the human being and compare it with the laws and systems of the past, wer realize that it borrowed nothing from them and bore no resemblance to them. It represents an entirely new phenomenon, original and unprecedented in its fundamental nature, and among it lofty aims are the transformation of human societies and their restructing on the basis of justice, equality, and freedom for the oppressed and depreived masses.

The Quran speaks in detail of the history earlier Prophets and their communities, referring constrantly to the events that occurred during their careers. When we encounter the narratives contained in the Quran, the events that it relates, we are brought into direct contact with reality, in an unparalleled fashion. Every reference they contain, direct and indirect, acquaints us with the very substance of truth. It is, then, totally impossible that the narratives of the Quran should have been borrowed from the Torah or the Gospels. The Quran always presents the stories of the Prophets in a possitive frameswork by cnanging and modifying them so as to purge them of

unworthy excesses and elements contrary to pure monothesim, reason, and sound religious thinking. A coping would have resulted in mere imitation, and would have been entirely negative.

A french scholar Dr. Murice Bucaille, expresses himself as follows on this point: "In the West, Jewes, Christians and Atheists are unamimous in stating (without a scrap of evidence, however) that Muhammad "peace be upon him"wrote the Quran or had it written as an imitation of Bible. It is claimed that stories of religiou history in Quran resume Biblical stories. This attitude is as thoughtless as saying that Jesus Himself duped His contemporaries by drawing inspiration from the Old Testament during His preachings: the whole of Mathew's Gospelis based on this continuation of the Old Testament.... What expert in exgesis would dream of depriving jusus of his status as God's envoy for this reason?

"The existence of such an enormous difference between the Biblical description and the data in the Quran concerning the Creation is worth underlining once again on account of the totally gratuitous accusatios leveled agaisnt Muhammad (peace be upon him) since the beginnings of Islam to the effect that he coppied the Biblical description. As far as the Creation is concerned, this

accusation is totally unfounded. How could a man living fourteen hundred years ago have made corrections to the existing description to such an extent that the eliminated scientifically inaccurate material and, on his own initiative, made statements that science has been able to verify only in the present day. This hypothesis is completely untenable. The descritipn of the Creation given in the Quran is quite different from the one in the Bible."

Taking these factors in to consideration, no truth-lovingindividual can conceive of an origin other than Divine revelation for the Quran which is not only a book, but also a proof of messengerhood and a manifestation of the miraculousness that supported the Prophet.

The Quran thus came to be the profound, brilliant and eternal miracle of God's Messenger enabling the teachings and laws of Islam to retain their validity through time. The Divine comands and instructions were made manifest in pharases and sentences that were marked by miraculousness, thus implementing God's will-for the preservation of religion when faced with the assaults of rencorous enemies and for the frustration of their conspiracies.

Through the permanence and stability of the mould in which God's Commands are uniquely set, these enemies who would reach

out against them in order to change and distort them are permanently prevented from attaining their goal; the eternal teaching and laws of God will last throughtout time, immune from change or distortion.

Another aspect of the miraculousness of th Quran which has had a great effect is the revolutionary transformation it brought about in human civilization. A matter calling for serious attention in the study of Islam is the fact that it received no assistance from factors external to itself when it began to careate the nucleus of a universal society out of a scattered and disunited people that lacked all science and free thought and did not even seek to unify its constituent tribes; and w hen it began, moreover, to found a uniquely, vast and spiritual civilization. All the factors for changing the world,for putting forward an international law with the slogan of unity among races, peoples, and social classes, for creating a movement for the liberation of thought and the ennoblingof knowledge, were derived from the very text of the Quran, from the culture that emerged from the Quran and from the Islamic ordered Islam never relieved on a government or a power situated outside the society it had itse f brought into being.

Even the aggressors who attacked the Islamic lands and triumphed over the Muslims, thanks to their military superiority, lost

their dominance in the end when they were confronted with the spiritual power of Islam, and they adopted the religion of the people they had conquered. This history of nations does not record any other example of a victorious aggressor adopting the religion of the people it had defeated.